ستاروں سے آگے

[افسانے]

قرۃ العین حیدر

بی۔اے (آنرز)

توثیق

دیودار کے درخت
پروانہ کے بعد
ستائے عالم با امیر خسرو کیسا لکھا

ترتیب

دیودار کے درخت

نیلے پتھروں کے درمیان سے گذرتی ہوئی جنگلی نہر کے خاموش
پانی پر تیرتے ہوئے دیوداروں کے سائے بیتے دنوں کی یاد سے
دھندلے بکھریں کھوئے ٹوٹتے جا رہے ہیں۔ بھیگی بھیگی سرد ہوائیں چیڑھ
کے نوکیلے پتوں میں سرسراتی ہوئی نکل جاتی ہیں۔ اور دیوداروں
کے جھنڈ کے پرے [illegible] پہاڑی پر بنی ہوئی سرخ عمارت
[illegible] جھلملاتی رہتی ہے۔

خوبانی کی جھکی ہوئی شاخوں کے نیچے سہ پہر کی چائے اب بھی ہوتی ہے
مگر امی کی نظر بچا کے کچی خوبانیاں نہیں توڑی جاتیں۔ نیچے وادی میں
رات کے نو بجے والی ٹرین روز اسی طرح بل کھاتی ہوئی گذرتی ہے
لیکن اس کی آواز سنتے ہی بے تحاشا بھاگتے ہوئے جا کر مسافروں
کو شب بخیر کہنے یا روشنیاں گننے کی اب قطعی ضرورت محسوس نہیں
ہوتی ــــ یہ سب باتیں فضول اور پرانی ہو چکیں ــــ

ہمسائی میڈم لورنیزد کی ولا میں سے کبھی کبھی گٹار پر Moon Light in Havana کی بھولی بسری آواز آجاتی ہے تو دل جیسے
چپکے سے ڈوب جانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور زریں پیانو بجاتے بجاتے
تھک کر جماہیاں لینی شروع کر دیتی ہے ــــ خوشی اور قہقہوں
کے دن واقعی ختم ہو گئے۔ خالدہ، رباب، زریں، پتہ نہیں سب کو
کیا ہو گیا ہے ــــ دیوداروں کے درخت ــــ میڈم لورنیزد
کی سرخ ناک ــــ ان کی شاطو کے احاطہ میں کھڑی ہوئی بغیر
پہیوں کی فورڈ۔ باورچیخانہ کے پیچھے سفید اور اودے پتھروں پر سے
بہتا ہوا پہاڑی نالہ ـــ یہ سب چیزیں اب بھی ویسی ہی موجود ہیں
لیکن نہ جانے کیسا سا لگتا ہے [illegible]
ــــ باورچی خانہ کی سرخ ٹین کی چھت
اسی، ایک بہار ہے قطرے [illegible]

خوبانی کی جھکی ہوئی شاخوں کے نیچے سہ پہر کی چائے اب بھی ہوتی ہے
مگر امی کی نظر بچا کے کچی خوبانیاں نہیں توڑی جاتیں۔ نیچے وادی میں
رات کے نو بجے والی ٹرین روز اسی طرح بل کھاتی ہوئی گذرتی ہے
لیکن اس کی آواز سنتے ہی بے تحاشا بھاگتے ہوئے جا کر مسافروں
کو شب بخیر کہنے یا روشنیاں گننے کی اب قطعی ضرورت محسوس نہیں
ہوتی —— یہ سب باتیں فضول اور پرانی ہو چکیں ——

ہمسائی میڈم نونیزد کی دلانوں سے کبھی کبھی گٹار پر *Moon Light in Havana* کی بھولی بسری آواز آجاتی ہے تو دل جیسے
چپکے سے ڈوب جانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور زریں پیانو بجاتے بجاتے
تھک کر جماہیاں لینی شروع کر دیتی ہے —— خوشی اور قہقہوں
کے دن واقعی ختم ہو گئے۔ خالدہ، رباب، زریں، پتہ نہیں سب کو
کیا ہو گیا ہے —— دیوداروں کے درخت —— میڈم نونیزد
کی سرخ ناک —— ان کی شاطو کے احاطہ میں کھڑی ہوئی بغیر
پہیوں کی فورڈ۔ باورچی خانہ کے پیچھے سفید اور اودے پتھروں پر سے
بہتا ہوا پہاڑی نالہ —— یہ سب چیزیں اب بھی ویسی ہی موجود ہیں
بات نہ جانے کیا سا لگتا [illegible]
—— باورچی خانہ کی سرخ ٹین کی چھت
اسی، ایک بیمار [illegible] کے قطرے [illegible] گر رہے تھے [illegible]

کہ باتیں کریں مگر جیب جاپ بظاہر نہایت انہماک سے ایک کونہ میں خا
صوفے پر اکڑوں بیٹھی کراکا کی Fresh Rush پڑھتی رہی۔ رباب
اس قدرتن دہی سے دوسرے کونے میں رکھے ہوئے بجلی کے چولھے
پر اخروٹ کی ٹافی بنانے میں مصروف تھی گویا اس وقت اس سے زیادہ
اہم کام دنیا میں اور کوئی نہ تھا۔ زریں صبح میڈم لورینزو کے یہاں
سے ایک نئی ٹیون سیکھ کر آئی تھی اور بار بار اسی کو بجائے جا رہی تھی
میں سوچ رہی تھی کہ اگر آج برف پڑ جائے تو کتنا مزہ آتا۔

ہم چاروں ایک دوسرے سے بیزار اور روٹھے بیٹھے تھے۔
اتنے میں آڑو اور چنار کی ٹہنیوں سے الجھتی ہوئی ٹھنڈی ہوا کا ایک
جھونکا اس زور سے کمرے میں داخل ہوا کہ سارے دریچے پٹ
سے کھل گئے۔ اور ہمارے جسموں میں سردی کی ایک کپکپاتی ہوئی
لہر دوڑ گئی۔

"ذرا اٹھ کر سامنے والا دروازہ تو بند کر لو جان" خالد نے
کتاب پر سے نظر اٹھائے بغیر شاید مجھ سے کہا۔ ہم سب اپنے خیالوں
میں اتنے کھوئے ہوئے تھے کہ ہوکی بدتمیزی پر واقعی غصہ آگیا۔
میں نے رباب کی طرف رخ کر کے بڑے پیار سے کہا: "گڑیا تم
تو دروازے کے اتنے قریب کھڑی ہو۔ ہاتھ بڑھا کر ذرا بند کر دو۔
میں یہاں سے اٹھ کے سارا کمرہ عبور کروں کس قدر طوالت ہوگی"
رباب نے بڑی بے نیازی سے مڑ کر دروازہ بند کیا اور نادم

توڑنے میں مشغول ہو گئی۔ خالدہ نے کتاب کے ڈسٹ کور کو اتار کر
پھر سے چڑھانا شروع کر دیا۔ زرین موسیقی کی کتاب کے ورق الٹ
پلٹ کر نہ جانے کون گیت ڈھونڈھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
بارش کی بوچھار سے دریچوں کے شیشوں پر پانی گر کر نیچے
پھسل رہا تھا۔ شیشوں کی جھلملاتی ہوئی سطح پانی کی آڑی سیدھی
لکیروں سے دھندلی ہوتی جارہی تھی۔ اور اس دھندلکے میں باہر
کا منظر کچھ عجیب پھیلا پھیلا اور غمگین سا دکھائی دے رہا تھا۔ پانی
پر جلترنگ کی گت بجاتے بجاتے خواہ مخواہ میرا دل چاہا کہ وہیں بیٹھے
بیٹھے ہاتھ بڑھا کر ان شیشوں کو چھو لوں۔ ٹھنڈے ٹھنڈے کیسے اچھے
لگیں گے۔ بالکل آئس کریم جیسے ——— برف کی طرح سفید
اور نیلے یونیفارم اور راوڈے کہرے میں سے جھانکتے ہوئے ستارے
——— اسٹارز اینڈ اسٹرائپس ——— اخروٹ کی ٹافی ———
دھن دھن دھاگے ترکٹ تو نا کٹ تا ——— اودے شنکر اور رام گوپال
دہی نا دہی۔ دہی نا۔ ریڈ کراس ویک منانے کے لئے رنک میں جو
مالک پوری ناچ ہوا تھا کتنا اچھا تھا۔
زرین نے پیانو کے پردوں پر زور سے انگلیاں پٹک کر ایک بڑی
رونٹک سی جمائی لی۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔ بوندوں کی ناگوار آواز اب
مدھم پڑتی جارہی تھی۔
"بائیں کروگی؟" رباب نے اطمینان سے انگلیوں پر لگا ہوا

قوام چاٹ کر پوچھا ــــ An absolute trash
خالدہ نے کتاب بند کر کے قالین پر پھینک دی۔
"رنک چلتی ہو بجیّو!" میں نے سوچا کہ ایسے پیارے موسم میں اگر جاوید کے ساتھ اسکیٹنگ یا آئس ہاکی کھیلی جائے تو بس جنّت کا مزا آجائے۔
"میں بھلا کیسے چلوں گی"۔ خالدہ نے بڑے اسٹائل سے شال اپنے گرد لپیٹی اور سر پیچھے ڈال کر دھندلے شیشوں سے باہر دیکھنے لگی۔ بچاری کو ایک ہفتے سے ہلکا سا فلو ہو گیا تھا۔
"ہاں بھلا کیسے چل سکتے ہیں۔ گڑیا خالدہ کیسے جائیگی"۔ زریں نے بے انتہا ہمدردی کے ساتھ کہا۔
"باتیں کریں"۔ رباب بولی۔ سب کا موڈ آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔ "قہوہ پیو گی پیاری"۔ رباب لیڈی اروِن کالج میں رہکر بہترین قسم کی Housewife بنتی جا رہی تھی۔ جذبی کی ایک نظم گنگنا کر وہ ٹی پاٹ کو ٹھنڈا کرنے لگی۔
"میڈم کے بڑے لڑکے کو دیکھا۔ جو کل ہی یہاں آیا ہے۔ کس قدر لمبی لمبی سنہری مونچھیں ہیں۔ اس کی"۔ زریں نے کہا۔ خالدہ بہت ہی پیارے انداز سے دیکیں سونگھتے سونگھتے آنکھیں بند کر چکی تھیں۔
مونچھوں کا ذکر ہوتے ہی مجھے خالد کا خیال آ گیا۔ بے انتہا اسٹائلش ... کا لیٹیسٹ ٹائپ مونچھوں کا مالک۔ توبہ۔ کیا داہیات بات ہے۔

"ریڈکراس ویک ختم ہونے والا ہے۔ ہم نے لیڈی مودی سے وعدہ کیا تھا کہ اتوار کے دن سے قبل کمبل تیار کردیں گے۔" میں نے گفتگو کا رُخ جلدی سے دوسری طرف پھیردیا۔

"اگر بارش یونہی ہوتی رہی تو کل جاوید بھی نہ آسکے گا۔" زرین بولی۔

"یہ جاوید کا اس وقت کیا ذکر تھا؟" خالدہ نے فوراً آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"رباب ہی نے تجویز کی تھی کہ باتیں کی جائیں۔" زرین بگڑ کر پیانو پر جھک گئی۔

"ان کمبلوں کے ساتھ کی عنابی اون ہی نہیں مل رہی!" میں نے صلح کرنی چاہی۔

"یہ جاوید کو کل خاص طور سے کیوں مدعو کیا گیا ہے؟" خالدہ نے عنابی اون نہ ملنے کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے پھر پوچھا۔ ہم چاروں میں وہ سب سے بڑی تھی۔ اور امی کی عدم موجودگی میں ہمیں Chaperon کرنے کا کام اس کے سپرد تھا۔

"کل ہیک مین میں دکٹری بال ہے۔ ہم اس کے ساتھ جائیں گے تم مت جانا ڈیئر۔ زکام بڑھ جائیگا۔" زرین نے انتہائی ڈھٹائی سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے زرین تاج بیگم۔ امی اس چیز کو ہرگز پسند

نہیں کریں گی۔ کیا تم میڈم کے ساتھ وکٹری بال میں نہیں جا سکتیں؟"
خالدہ ویکس کی شیشی میز پر پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری پیاری سینوریتا، غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ میں آپ سے صرف گیارہ مہینے چھوٹی ہوں۔ اور آپ مجھے ڈانٹنے کے کسی قانونی حق کی مالک نہیں۔ اور یہ کہ جاوید کی نیلی آنکھیں یا اس کے ساتھ آئس ہاکی کے میچ مجھ پر قطعی کوئی خطرناک اثر نہیں کر سکتے۔ اور یہ بھی کہ جاوید نے جو تصویر بھیجی تھی وہ صرف آپ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہم چاروں کیلئے تھی۔ اور... اسے آپ اپنی خواب گاہ میں سجا کر بہت سخت قانونی غلطی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ اور یہ کہ ——" زرّیں کا جملہ ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ خالدہ تیزی سے شال لپیٹتی اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔

اس رات سے دو ہفتے قبل —— ہمارا کراؤن پرنس کھو گیا تھا۔ ہم چاروں اسے تلاش کرتے ہوئے نالے کو پھلانگ کر نیلے پتھروں والی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ پہاڑی پر بنی ہوئی سرخ گول عمارت کے پیچھے جو گھاس کا ڈھلوان قطعہ ہے اس کے آخری سرے پر کراؤن پرنس کی ہلتی ہوئی دُم کا سیاہ دھبہ نظر آ گیا۔ اور ہم سیٹیاں بجاتے اس کی طرف دوڑے۔ اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس سرکاری لیبورٹری کے احاطے میں جہاں جنگ کے سلسلہ میں ریسرچ ورنہ جانے کیا کیا ہوتا ہے بغیر اجازت داخل ہونے کی ...

بھاگتے ہیں خالدہ کے ہاتھ سے Dog's Biscuits کا ڈبہ
کہیں گر گیا۔ اور وہ تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ ہم کراؤن پرنس کو
بلاتے بلاتے پریشان ہو گئے۔ لیکن نہ جانے وہ کہاں غائب ہو چکا تھا
زرین نے زور سے سیٹی بجائی۔ معلوم ہوا کہ جواب میں لان کے دوسرے
حصے سے سیٹی بجا کر کتے کو کوئی اپنی طرف بلا رہا ہے۔ بارش ہو کر
ابھی رکی تھی۔ اور ہلکی سی گیلی گیلی دھوپ میں دیواروں کے سفید تنے
اور نیلے پتھر تیزی سے چمک رہے تھے۔ زرین، رباب اور میں بھیگی
ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس اور نیلوفر کے پودوں کو روندتے ہوئے
نیچے کی طرف بھاگے۔ اتنے میں دور ڈھلوان کے دوسرے سرے پر
سے دو سفید سے دھبے ہماری جانب بڑھتے نظر آئے۔ قریب پہنچ کر
پتہ چلا کہ دو بہت خوبصورت سے آدمی ہیں۔ جنھوں نے سفید ایپرن
باندھ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک کی آنکھیں نیلی سی تھیں۔ ہمارے
پاس آ کر وہ رک گئے۔ ابھی وہ دونوں کچھ کہنے ہی والے تھے کہ مجھے
ایک دم کچھ یاد آ گیا۔ اور میں نے سیاہ اسکارف میں بالوں کو لپیٹتے
ہوئے پوچھا۔ "Are we tress passing?"

"اجی بالکل نہیں۔ آپ کے کتے کو بلا دوں" نیلی آنکھوں والے
نے نہایت بے تکلفی سے کہا۔ پھر اس نے زور سے سیٹی بجائی اور کراؤن
پرنس نہ جانے کدھر سے بھاگتا ہوا آ گیا۔

"۔۔۔۔ میری جان کا ٹکڑا!" رباب نے جھک کر اسے اٹھا لیا

بچارا رات بھر بارش میں بھیگنے کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا۔
ابھی میں نیلی آنکھوں والے کا شکریہ ادا کرنے کے لئے خوبصورت سے الفاظ سوچ رہی تھی کہ پیچھے سے خالدہ کی آواز آئی "بجیو! اب واپس چلو۔ مالی کو بھیج کر ڈھونڈوا لیں گے"

اور خالدہ جب ہمارے پاس پہنچی تو یہ دیکھ کر یقیناً جل بھن کر رہ گئی کہ کس قدر رومینٹک جگہ پر دیوداروں کے سایہ میں جھکے جھکے بادلوں کے نیچے دو بہت ہی زیادہ Dashing قسم کے لڑکے ہم سے اپنا تعارف کرا رہے ہیں۔ جاوید نیلی آنکھوں والا اور اجیت گھوش دوسرا۔ دونوں آئی۔ ایم۔ ایس میں تھے۔ اور چند ہی روز ہوئے ان کا تبادلہ اس ریسرچ انسٹیٹوٹ میں ہوا تھا۔ جہاں وہ ملیریا اور مچھروں وچھروں کی تحقیقات کر رہے تھے۔

"کسی روز ہمارے یہاں تشریف لائیے۔ ہم نہر کے اس پار سرخ چھت والی شاطو میں رہتے ہیں" خالدہ نے امی کی قائم مقام کی حیثیت سے اُسے مدعو کیا۔ اور جب ہم گھر واپس آ رہے تھے زریں نے چپکے سے کان میں کہا۔ "Perfect heart Throbs. اور خالدہ کو ٹھنڈ میں نکلنے کی وجہ سے زور سے چھینک لگی۔

بارش پھر شروع ہو چکی تھی۔ اگلا دن ڈرائنگ روم کے دروازے بند کر کے آتشدان کے پاس کرا دن پرستی کا علاج کیا۔

میں گذرا۔ شام کو جاوید کراؤن پرنس کی مزاج پرسی کیلئے آیا۔ اور ہم سب بہت دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ بیچارا صبح سے شام تک لیبارٹری میں گھسا ریسرچ کیا کرتا تھا۔ چلتے وقت اس نے خالدہ سے کہا کہ وہ اس کے زکام کے لئے ایک بہت عمدہ دوا بھجوا دے گا۔ پھر ایک دن اس نے ہم کو اپنی لیبورٹری کی سیر کروائی۔ اور ایک ایک چیز کی ماہیت، اثرات اور نہ معلوم کیا کیا الم غلم سب تفصیل سے سمجھاتا رہا۔ ہمیں بھلا اس میں کیا دلچسپی۔ اور گھر پہنچ کر میں نے زریں کو ڈانٹا کہ جب وہ بلوری آلات پر جھکا ہوا مچھروں کی اقسام سمجھا رہا تھا تو وہ خوردبین پر نظر جمانے کے بجائے اس کی نیلی آنکھوں کو مستقل کیوں دیکھتی رہی۔ زریں کو مے ویسٹ کے بہت سے لطیفے یاد تھے۔ اور اس نے جاوید کا نام Mosquito bite producer رکھ چھوڑا تھا۔

"یہ گھنڈے پن کی انتہا ہے زریں، اگر اس نے اپنا یہ نام سن لیا تو کیا کہے گا!" میں نے ایک دفعہ سنجیدگی سے زریں سے کہا۔

"کہے گا کیا۔ ہمارے تخیل کی داد دے گا۔" اور وہ شریر آنکھیں گھما کر ہلنے لگی۔ تصویر کشی کے لئے دیوداروں کا جنگل اور اس کے نیچے پہاڑی، بہترین پس منظر تھا۔ میں اکثر صبح صبح کراؤن پرنس کے ساتھ تصویریں بنانے کا سامان لیکر اُن درختوں کے جھنڈ کی طرف چلی جایا کرتی تھی۔ ایک دن انہی پیڑوں کے نیچے میں لیڈی موڈی کیلئے ایک

تصویر تیار کر رہی تھی کہ پیچھے سے ہلکی سی سیٹی کی آواز آئی "ہلو آرٹسٹ صاحبہ"۔ جاوید بہت لاأبالانہ انداز سے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پیچھے سے کاغذ پر جھکا ہوا تصویر کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ۔ ہلو کیپٹن"۔ ہم کبھی کبھی دوستی کی موڈ میں اس کا نام لینے کے بجائے اسے ڈاکٹر، کیپٹن یا کامریڈ کہا کرتے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کس قدر بیوقوف ہو، ظاہر ہے کہ تصویر بنا رہی ہوں"۔

"اچھا شرط لگا لو کہ اس وقت تم تصویر بنانے کے علاوہ دل میں مجھے بھی یاد کر رہی تھیں"۔ وہ نہایت اطمینان سے قریب کے پتھر پر بیٹھ گیا۔

"واللہ! کیا کیا مغالطے ہیں! مولانا مجھے آپ کو یاد کرنے کی قطعی ضرورت نہیں"۔

"سچ کہہ رہی ہو!" اس نے مجھے غور سے دیکھ کر کہا اور پھر زور سے ہنس پڑا۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے نے کاغذوں کو منتشر کر دیا۔ اور میں جلدی سے انھیں چننے لگی۔

"دنیا روز بروز زیادہ خوبصورت اور خوش گوار ہوتی جا رہی ہے"۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ذرا سنجیدگی سے کہا۔ اس روز ہم بہت دیر تک وہیں بیٹھے رہے مجھے تصویر مکمل کرنی تھی۔ وہ پاس بیٹھا رنگوں کی آمیزش کے متعلق

مشورے دیتا رہا۔

اسی طرح روز دیودار کے درختوں کے نیچے تصویریں بنائی جاتیں، باتیں ہوتیں۔ شام کے پروگرام بنتے۔ ملیریا اور مچھروں کا ذکر ہوتا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ واقعی دُنیا بہت ہی پیاری اور خوبصورت بن گئی ہے۔ ایک دفعہ اس نے بچوّں کی سی سادگی سے کہا تھا ”بے بی! اگر انہی درختوں کے سائے میں ساری عمر گذر جائے تو کیسا اچھا ہو۔“ اور میں اس کی خواہش پر زور سے ہنس پڑی تھی۔

دیوداروں کے نیچے وہ آخری دن تھا۔۔ خالدہ کے زکام نے برانکائٹس کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اور اس وجہ سے میں اب بہت کم وہاں آتی تھی۔ خالدہ میری بہترین دوست ہونے کے باوجود اب کچھ کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔۔ اور اس کا مجھے بے حد افسوس تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اسے کس طرح خوش کروں۔ جاوید اپنے مخصوص پتھر پر بیٹھا دور نیچے پہاڑی نالہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں کچھ عرصے سے وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے بچارے لڑکے کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ میں نے فکرمندی سے سوچا میں اس وقت چُپ چاپ رنگوں کے بُرش صاف کر رہی تھی۔

”خالدہ اب کیسی ہیں؟“ اس نے یکلخت پوچھا۔

"آج تو اسے بخار نہیں آیا۔ شکر ہے" میں نے جواب دیا "تم اسے دیکھنے کے لئے آتے نہیں ہو"

"میں نے کل اجیت کو بھیجا تو تھا" وہ کچھ پریشان سا ہو گیا

بھاری بھاری بادل چوٹیوں پر سے گذرتے ہوئے ہماری سمت آرہے تھے۔ میں نے کاغذ سمیٹنے شروع کر دیئے۔

"اب اٹھنا چاہیئے۔ بارش آرہی ہے" میں نے کہا۔

"ہاں اٹھو" اس کی آواز میں اجنبیت سی آ گئی تھی۔

"شام کو آنا۔ خالدہ بیچاری روز انتظار کرتی ہے۔ اچھا چیریو!"

"چیریو —" وہ اٹھا اور پگڈنڈی پر مڑ کر جھنڈ کی دوسری جانب نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس کے بعد — خالدہ دن میں کئی بار اسے فون کرتی۔ اور وہ چپراسی کے ہاتھ خالدہ کے لئے نئی نئی کتابیں بھجواتا رہتا۔ شام کو اس نے خالدہ کی مزاج پرسی کے لئے آنا شروع کر دیا۔ اور اس وقت وہ یہی چاہتی تھی۔ کہ میں زرین اور رباب اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہا کریں۔ وہ تمام دن اپنی خوابگاہ کے دریچے میں شال میں لپٹی لپٹائی گڑیا کی طرح بیٹھی جاوید کی بھیجی ہوئی کتابیں پڑھا کرتی تھی۔

اُس شام — برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے مجھے بہت

دیر ہوگئی۔ آس پاس کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر پھیلا ہوا کہرہ رات کی سیاہی میں گھل مل کر زیادہ بھاری ہوتا جارہا تھا۔ دور اونچی اونچی برفانی چوٹیوں پر بادل جمع ہورہے تھے۔ تھوڑی دیر میں چاروں طرف پھیلے ہوئے مکانات اور عمارتوں میں ایک ایک کرکے روشنی ہوگئی۔ اور جنگل کے پرے کا سارا منظر جگمگا اٹھا دور اُفق کے نزدیک رنگ کی سبز روشنی کہرے میں جھلملا رہی تھی۔ سردی محسوس ہورہی تھی۔ لیکن اندر جانے کے بجائے غیر ارادی طور پر میرے قدم خالدہ کے کمرے کی طرف جانیوالی روش پر اٹھ گئے میں باورچی خانہ کی انگوروں کی بیل سے ڈھکی ہوئی گیلری کی جانب بڑھ رہی تھی کہ دریچے کے زرد شیشوں میں سے دو سلہٹ دکھائی دئیے۔ خالدہ کہہ رہی تھی "امی کو تو آجانے دو۔ آٹھ دس روز میں آجائیں گی۔"

"اس طرح کب تک ٹالتی رہو گی گڑیا۔۔۔ اگلے ماہ تک شاید میرے تبادلے کا حکم آجائیگا۔"

اُف یہ ان گدھوں کی فطرت۔۔۔ میں جلدی سے گیلری میں داخل ہوگئی۔ اس وقت مجھے خالدہ پر رحم آرہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ خوب خوب روؤں اور نہ معلوم کیا کر ڈالوں۔

دوسرے دن صبح میں وہیں سیڑھیوں پر بیٹھی ریڈ کراس ویک کی نمائش کے لئے جنرل منٹگمری کی نامکمل تصویر کو پورا کرنے کی کوشش

کر رہی تھی کہ وہ آ گیا: "ہلو بے بی! کئی دن سے تمہیں نہیں دیکھا" وہ پُر انا دوستی کا انداز اور آواز میں شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ نچلی سیڑھی پر بیٹھ گیا اور پھر بولا۔ "کل مجھے بچاری خالدہ کے پاس بہت دیر تک بیٹھنا پڑ گیا۔ تم تینوں اس کا دل بہلانے کی ذرا کوشش نہیں کرتیں۔ اس کی اعصابی کمزوری کو سائیکالوجیکل علاج کی ضرورت ہے"

"ہاں یہ تو ہے" میں نے آہستہ سے کہا۔ اس نے سگریٹ جلا لیا۔ اور کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ اس کی نیلی آنکھیں مجھے زہر لگ رہی تھیں۔

"میں مخل تو نہیں ہو رہا ہوں"

"بالکل نہیں"

"کیا بات ہے۔ مجھ سے ناراض ہو بے بی؟"

جیسے کن پٹیوں میں آگ سی لگ گئی۔ ساری دُنیا کو ایک زور دار ٹھوکر لگا کر میں کہیں دُور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ چند لمحوں تک اپنی نیلی آنکھوں کی مقناطیسی کشش کی پوری طاقت کے ساتھ وہ مجھے دیکھتا رہا۔ میں برش زمین پر ڈال کر اندر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سگریٹ کی راکھ جھٹک کر وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"اچھا خدا حافظ — خالدہ سے کہہ دینا کہ سہ پہر تک اگر میں خود نہ آسکا تو اجیت کے ہاتھ انجکشن کا سامان بھجوا دوں گا —"

میں تصویر کو غور سے دیکھتی رہی ۔ وہ پھاٹک سے باہر جا چکا تھا اس روز کے بعد سے وہ خود پھر کبھی نہیں آیا ۔

دن گذرتے گئے ۔ زرین سارا دن میڈیم لورنیبزو کے ہاں رقص سیکھنے میں مشغول رہتی تھی ۔ رباب کا کالج کھل گیا تھا اور وہ بھی جا چکی تھی ۔ خالدہ روز بروز بیمار ہوتی جا رہی تھی ۔ موسلا دھار بارشوں کا موسم شروع ہو چکا تھا ۔ میں صبح سے شام تک خواب گاہ کے دروازے بند کئے آتشدان کے قریب خالدہ کے پاس بیٹھی رہتی تھی ۔ گھر پہ کوئی بڑا آدمی موجود نہ تھا ۔ امی اور ابا کئی ماہ کے لئے وطن گئے ہوئے تھے ۔ دونوں بھائی محاذ پر تھے ۔ ہماری اتالیق میڈیم لورنیزو کو اپنے بچوں سے ہی فرصت نہ ملتی تھی جو وہ ہمارا دل بہلاتیں ۔ خالدہ کے متواتر فون کرنے پر جاوید نے کہہ دیا تھا کہ آجکل اسے دُگنا کام کرنا پڑ رہا ہے ۔ سر کھجانے کا بھی موقع نہیں ملتا ۔ کس قدر اُداس اور پریشان دن تھے ۔

آخری رات ـــــ خالدہ کو تیز بخار ہو رہا تھا ۔ باہر زور کی بارش شروع ہو گئی تھی ۔ میں کمرے کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے خالدہ کے صوفے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی ۔ وہ بہت ہی پیارے انداز میں اپنا سفید ہاتھ پیشانی پر رکھے آنکھیں بند کئے پڑی تھی ۔ اس وقت اس کی بیمار آنکھوں کو دیکھ کر میں بہت ہی زیادہ فکرمند ہو گئی ۔

" بے بی ، پیاری ! کیا تم مجھ سے بھی خفا ہو ؟ " یکلخت آنکھیں

کھول کر اس نے کہا۔ مجھے اس وقت بے اختیار اپنی گڑیا سی خالہ زاد بہن پر بے انتہا پیار اور ترس آگیا۔

"تب مجھے تم سے خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ گڈو!" میں اس کی غمگین آنکھوں اور چھوٹے چھوٹے کمزور سفید ہاتھوں کو دیکھ کر اُسے کب کا معاف کر چکی تھی۔

"سونے کی کوشش کرو جان۔ صبح تک بالکل اچھی ہو جاؤ گی۔" میں نے جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اس نے گُٹنوں میں منہ چھپا کر دیوار کی طرف کروٹ لے لی۔ باہر طوفان بڑھتا جا رہا تھا۔ نہ جانے کس خیال سے میں ایک دم بہت ہی گھبرا گئی۔ اور جلدی سے دوسرے کمرے میں ڈیڈی ممی کو بلانے کے لئے ارجنٹ تار لکھا۔ اور بوڑھے حفیظ کو برساتی اڑھا کر پوسٹ آفس کی طرف باہر پانی میں دھکیل دیا۔ خالدہ اسی طرح خاموش پڑی تھی۔ میز پر دوا کی ساری شیشیاں خالی پڑی تھیں جاوید اپنے اسسٹنٹ گھوش کے ساتھ دوائیں تجربہ کیا کرتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت خالدہ کو انجکشن کی ضرورت ہے۔ میں نے جلدی سے لیبوریٹری کا نمبر ملا کر جاوید کو فون کرنے کے لئے ریسیور اٹھایا۔ دوسرے سرے سے کوئی آواز نہ آئی۔ آندھی کی وجہ سے ٹیلیفون کے تار ٹوٹ چکے تھے۔ خالدہ کی خواب گاہ کی مدھم سبز روشنی کی طرف دیکھ کر میں نے اور کچھ نہیں سوچا۔ اور سرعت سے گیلری میں جا کر برساتی پہنی اور چھتری لیکر باہر نکل گئی۔ تیز ہوائیں کپڑوں کو مخالف سمت میں اڑائے

لئے جا رہی تھیں۔ اندھیرے میں دیو داروں میں سے گزرتے ہوئے
جھکڑ اور پانی کی بوچھار کے شور سے دل بیٹھا جا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں
بند کر کے خدا سے دُعا مانگی اور ہمت کر کے لیبوریٹری کی طرف بے انتہا
تیزی سے بھاگنے لگی۔ چکنے پتھر پیروں کے نیچے سے پھسلے جا رہے تھے
دور پہاڑی پر عمارت کی دھندلی روشنی چمک رہی تھی۔ نالے کے پُل پر
پہنچ کر دہشت و خوف کے نامعلوم سے جذبے سے پیر آپ سے آپ رُک
گئے لیکن خالدہ کا زرد چہرہ آنکھوں کے آگے آ گیا۔ میں نے تیزی سے پُل
کو عبور کیا اور پہاڑی پر چڑھنے لگی۔ ہوا کے تھپیڑے نیچے کو دھکیل رہے تھے
عمارت کی سفید چوڑی چوڑی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے میں جاوید کے
دار العمل کی طرف بڑھی۔ برآمدوں اور کمروں میں تیز روشنی ہو رہی تھی
دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں نے شیشے پر دستک دی۔ جاوید دروازہ
کی طرف سے پشت کئے بلوری میز پر جھکا ہوا کچھ لکھ رہا تھا۔ دستک کی مدھم
آواز طوفان کی گرج میں ڈوب کر رہ گئی۔ میں نے دوبارہ زور سے
دروازہ کھٹکھٹایا۔ جاوید نے پیچھے مڑ کر دیکھا ـــ "کون ـــ ارے
بے بی ـــ تم ـــ کیا ـــ کیا بات ہے ـــ؟"

"جاوید ـــ خالدہ ـــ" آواز میرے حلق میں اٹک گئی۔ وہ
ششدر کھڑا تھا۔ میں نے اسے کچھ سوچنے کا موقع نہ دیا۔ اور جلدی
سے اس کا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی باہر لے
آئی۔ ہم دونوں تیزی سے نیچے اترنے لگے "میری برساتی لے لو۔

میرے پاس چھتری کافی ہے۔" اور میں نے اپنی برساتی اتار کر اس کے کندھوں پر ڈال دی۔ اس وقت وہ مجھے خالدہ کی وجہ سے عزیز معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ پہاڑے سے اترنے میں کئی دفعہ میرا پیر رپٹتے رپٹتے بچا۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس قدر سردی میں بھی اس کی ہتھیلیاں نم ہو رہی تھیں۔ ہوا کے ایک پُرشور تھپیڑے نے مجھے بالکل اس کے اوپر دھکیل دیا۔ "جاوید اور تیزی سے چلو۔" میں نے سنبھل کر اپنے پیر جماتے ہوئے کہا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی تیر کی طرح خالدہ کے پاس پہونچی۔ وہ اسی طرح کروٹ لئے پڑی تھی۔ اس کی نبض کی رفتار اور بھی مدھم ہو چکی تھی۔ "جان۔ جاوید آگیا۔" میں نے اس پر جھک کر کہا۔ جاوید اب تک دوسرے کمرے میں کھڑا تھا۔ میں نے اسے خالدہ کے کمرہ میں دھکیل دیا۔ اور خود ڈرائنگ روم میں آکر دیوان پر گر گئی "یا اللہ میری مدد کر۔" میں گھٹنوں میں منھ چھپا کر بہت دیر تک دعائیں مانگتی رہی۔

"بے بی پیاری کہاں گئیں؟" برابر والے کمرے سے خالدہ کی کمزور آواز آئی۔" ابھی آرہی ہوں گڑیا۔ تم دونوں کیلئے قہوہ بنا رہی تھی۔۔۔"

"ہم دونوں کے لئے۔" خالدہ کے زرد چہرے پر سرخی کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ جاوید میری طرف سے پُشت کئے انجکشن کا سامان بند کر رہا تھا۔

"خالدہ پیاری، امی ابا بھی آ رہے ہیں "

"واقعی ؟ — کب ؟" خالدہ کا چہرہ جگمگا اٹھا۔ اور جاوید نے ہیڈ بیگ پر سے سر اٹھا کر ایک لمحہ کیلئے مجھے دیکھا۔ کاش اس کی اس وقت کی سفید رنگت اور پیشانی پر چمکتے ہوئے قطروں کو کسی طرح بھول سکتی —!

اور طوفان کے بعد — دوسرے روز شام کو ، ہر طرف دیواروں کے ٹوٹے ہوئے تنے بکھرے پڑے تھے۔ چنار کے معمر درختوں نے سر جھکا لیا تھا۔ اور نیلے پتھر اور رنگ برنگے سنگریزے بارش میں دھل کر شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ میں برامدے میں کھڑی بے چینی سے حفیظ کا انتظار کر رہی تھی جسے میں نے جاوید کو بلانے کے لئے بھیجا تھا۔ امی اور ابا آ چکے تھے۔ اور خالدہ ایک بیمار ضدی بچے کی طرح ان کے پاس بیٹھی سنترہ کھا رہی تھی۔ حفیظ کو پھاٹک میں داخل ہوتا دیکھ کر میں دوڑ کر اس کے پاس پہونچی۔

"بے بی ! بڑے ڈاکٹر صاحب تو صبح ہی چلے گئے "

"کہاں ؟" میرا دل ڈوبنے سا لگا۔

"اجیت بابو نے سلام بولا ہے اور کہا ہے کہ بڑے صاحب نے اپنا تبادلہ کروا لیا تھا۔ اور اینٹی ملیریا یونٹ کے ساتھ لڑائی پر جانے سے پہلے ہی چھٹی لے چکے تھے۔ انجکشن کا سامان لیکر میں خود حاضر ہوتا ہوں "

——— اور دیو داروں کے سائے میں جس چھوٹے سے افسانہ نے جنم لیا تھا وہ ہمیشہ کے لئے ادھورا رہ گیا۔

پرواز کے بعد

جیسے کہیں خواب میں جنجر راجرز یا ڈائنا ڈربن کی آواز میں "سان فرینڈو ویلی" کا نغمہ گایا جا رہا ہو۔ اور پھر ایک دم سے آنکھ کھل جائے یعنی وہ کچھ ایسا سا تھا جیسے مائیکل اینجلو نے ایک تصویر کو مکمل کرتے کرتے اُکتا کر یونہی چھوڑ دیا ہو اور خود کسی زیادہ دلچسپ موڈل کی طرف متوجہ ہو گیا ہو۔ لیکن پھر بھی اس کی سنجیدہ سی ہنسی کہہ رہی تھی کہ بھئی میں ایسا ہوں کہ دُنیا کے سارے مصور اور سارے سنگتراش اپنی پوری کوششوں کے باوجود مجھ جیسا شاہکار نہیں بنا سکتے۔ چپکے چپکے مسکرائے جاؤ بیوقوفو! شاید تمہیں بعد میں افسوس کرنا پڑے۔

اوسیغو ـــــــ اوسائیکی ـــــــ اوہیلن ـــــــ

اے ہمارے نئے ریفریجیٹر!

گرمی زیادہ ہوتی جارہی تھی۔ پام کے پتوں پر جو مالی نے اوپر سے پانی گرایا تھا تو گرد کہیں کہیں سے دھل گئی تھی اور کہیں کہیں اسی طرح باقی تھی۔ اور بھیگتی ہوئی رات کوشش کر رہی تھی کہ کچھ رومینٹک سی بن جائے۔ وہ بر فیلی لڑکی جو ہمیشہ سفید غرارے اور سفید دوپٹے میں اپنے آپ کو سب سے بلند اور الگ سا محسوس کروانے پر مجبور کرتی تھی۔ بہت خاموشی سے پکھلے کی ایک بجید لغو کتاب "پوائنٹ کاؤنٹر پوائنٹ" پڑھے جارہی تھی جس کے ایک لفظ کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں نہ ٹھنس سکا تھا۔

وہ لیمپ کی سفید روشنی میں اتنی زرد اور غمگین نظر آرہی تھی جیسے اس کے برگنڈی کیوٹیکس کی ساری شیشیاں فرش پر گر کے ٹوٹ گئی ہوں یا اس کے فیڈو کو سخت زکام ہو گیا ہو۔ اور لگ رہا تھا جیسے ایک چھوٹے سے گلیشیر پر آفتاب کی کرنیں بکھر رہی ہیں۔

چنانچہ اس دوسری آتشیں لڑکی نے جو سینئر بی۔ ایس، سی کی طالب علم ہونے کی وجہ سے زیادہ پریکٹیکل تھی اور جو اس وقت برآمدے کے سبز جنگلے پر بیٹھی گملے میں سے ایک شاخ توڑ کر اس کی کمپاؤنڈ اور ڈبل کمپاؤنڈ پتیوں کے مطالعہ میں مصروف تھی۔ اس بر فیلی لڑکی کو یہ رائے دی تھی کہ اگر گرمی زیادہ ہے تو پوائنٹ کاؤنٹر پوائنٹ پڑھنے

کے بجائے سو جاؤ یا پھر نئے ریفریجریٹر میں ٹھنس کر بیٹھ جاؤ۔ اس کا اثر دماغ کے لئے مفید ہو گا۔ کیونکہ اس میں رکھے ہوئے گرم گرم آم بالکل اولوں کی طرح سرد ہو جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تجویز قطعی ناقابل عمل تھی۔ اور کوئی دوسرا مشورہ اس سائنس کے طالب علم کے ذہن میں اس وقت نہیں آ رہا تھا اس لئے وہ برفیلی لڑکی رخشندہ سلطانہ اسی طرح بکتے سے دماغ لڑاتی رہی۔ اور وہ آتشیں لڑکی شاہندہ بانو پیر ہلا ہلا کر ایک گیت گانے لگی جو اس نے فرسٹ اسٹینڈرڈ میں سیکھا تھا۔ اور جس کا مطلب تھا کہ جب شاہ جارج کے سُرخ لباس والے سپاہیوں کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بازگشت ہماری پہاڑیوں کے سناٹے میں ڈوب جائیگی۔ اور اپریل کے مہتاب کا طلائی بجرا موسم بہار کے آسمان کی نیلی لہروں میں تیرتا ہوا تمہارے باورچی خانہ کی چمنی کے اوپر پہونچ جائے گا۔ اس وقت تم وادی کے نشیب میں میرے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنو گی۔ اے سرائے کے مالک کی سیاہ آنکھوں اور سُرخ لبوں والی بیٹی!

لیکن رات خاصی گرم ہوتی جا رہی تھی۔ اور ماہم کا ایک کونہ جو سمندر میں دور تک نکلا چلا گیا تھا۔ اس پر ناریل کے جھنڈ کے پیچھے سے چاند طلوع ہو رہا تھا۔ اور دور ایک جزیرے پر بنے ہوئے پرُانے کیتھڈرل میں گھنٹے کی گونج اور دعائے نیم شبی کی لہریں لرزاں تھیں۔ اور اس وقت مائیکل اینجلو کے ادھورے شاہکار تم کو ایک بڑی عجیب

سی ناقابلِ تشریح کوفت اور الجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ جس کا تجزیہ وہ کسی طرح بھی نہ کر سکتا تھا۔ حالانکہ وہ مطمئن تھا کہ ایسے حادثے وہاں تقریباً روز شام کو ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی وہ یک لخت بہت پریشان سا ہو گیا تھا۔

کیونکہ آج دوپہر اس کو بہت تلخی سے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ معزور چھوٹے چھوٹے بالوں والی بر فیلی سی لڑکی جو ہر وقت اپنی مجسول پر جھکی رہتی ہے اوروں سے کس قدر زیادہ مختلف ہے۔ جب اس نے اس چھوٹے سے قد والی لڑکی سے جس کی چھوٹی سی ناک پر بے اختیار پیار آ جاتا تھا اور جسے وہ تھوڑی دیر بعد احتیاط سے پاؤڈر کر لیتی تھی۔ اور جس کی بڑے سے گھیر کی زرد ٹوپی پر گہرے سبز شنائل ٹہنیوں سے بندھے ہوئے چیری کے مصنوعی شگوفے سج رہے تھے۔ بجد اخلاق کے لہجہ میں پوچھا تھا کہ میرے ساتھ شام کا کھانا کھانے چلو گی تو اس نے جواب دیا تھا "ہاں چلو"۔ اور پھر وہ اس کے ساتھ ہلکے پھلکے قدموں سے زینہ طے کر کے نیچے سڑک پر آ گئی تھی۔ اور بس اسٹینڈ کی طرف بڑھتے ہوئے اس چھوٹی سی لڑکی نے جس کی طرح کی لڑکیاں اپالو بندر یا کناٹ پلیس میں تیزی سے ادھر اُدھر جاتی نظر آتی ہیں۔ اس سے پوچھا تھا تم نے اسکول کب سے جوائن کیا ہے؟

ابھی ایک ٹرم بھی پوری نہیں ہوئی۔ اور نام کیا ہے تمہارا

ہگ ــ میگڈیلین ڈی کوڈرا ــ اور تمہارا؟

جم ــ جمال ــ جمال انور ــ جو تم پسند کرو ۔

اور پھر وہ دونوں بس اسٹیشن کے مجمع میں دل مل گئے تھے ۔

اور ان کے جانے کے بعد برفیلی لڑکی نے اپنے بھولے بھولے بال پیچھے کو سمیٹ کر اپنے دن بھر کے کام کو غور سے دیکھتی ہوئی اپنی کار کے انتظار میں کلاس روم کی کھڑکی میں آکر کھڑی ہوگئی ۔

اور وہ پیاری سی ناک والی ہگ ہر روز شام کی طرح خداوند خدا کی کنواری ماں کی تصویر کے آگے شمع روشن کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ مجسموں میں اگر احساس زندگی پیدا ہو جائے تو بڑی مصیبت ہوتی ہے ۔ اور پھر بھلا نتائج پر کون غور کرتا پھرے ۔ طوفانی لہروں کا ایک ریلا جو ساحلوں سے ٹکراتا پھر رہا تھا سیاہ آنکھوں والے فن کار کی گرم سانسوں نے اس سے ۔ اور بے روح مجسمہ میں جان ڈال دی تھی ۔ گلیشیا کی طرح ــ لیکن یہ بہت پرانی بات تھی ۔ کاش کارل مسل ٹو کے نیچے اس سے کبھی نہ ملتا ۔ ہگ جس نے اپنی عمر ان سرد مجسموں کی معیت میں گذاری تھی جو اس کے چھوٹے سے قصبہ کی خانقاہ کے بھورے پتھروں والے اندھیرے ہال اور دوسرے کمروں میں پھیلے پڑے تھے ۔ برسوں سے ایک ہی طرح سینٹ اگنیس سینٹ فرانسس اور سینٹ جارج ــ زندگی منجمد پتھروں کا ایک ڈھیر تھی ۔ اور پیدا ہونے کے جرم کی پاداش Ave Maria کی خوابیدہ

کی موسیقی کی کتاب کا نیلا ربن ۔ پر بہت پرانی بات تھی یہ ۔
پھر اس کی آنکھیں نیورلجیا کے شدید درد سے بند ہونے لگیں
اور وہ اپنے ننھے سے سفید پلنگ پر گر گئی ۔ کارل اور اس کا گنا
کارل کی رابرٹ ٹائلر جیسی ناک جس پر ایک شام روشن ایرانی نے غصہ
میں آکر ایک مکّہ رسید کیا گیا تھا ۔ روشن ایرانی اور اعظم مسعود اور آفتاب
جم کے وہ تین بوہیمین قسم کے دوست جو دن بھر برٹش نیوز ایجنسی میں کام
کرنے کے بعد شا[illegible]یانو بجا بجا کر شور مچایا کرتے تھے ۔ پھر گیٹ وے آف
انڈیا کی محرابوں کے وہ اندھیرے سائے ۔ وہ ہسپانوی سرینیڈ ۔
کلاس میں وہ برفیلی لڑکی ایک آدھ بار بے پرواہی سے نظر اٹھا کر
اسے دیکھتی اور پھر بڑی مصروفیت سے شیشے پر جھک کر اس کے پیسے
تراشنے لگتی ۔ اور مائیکل اینجلو کے شاہکار کے اودے ہونٹوں پر ہلکی سی
مسکراہٹ بکھر کے رہ جاتی ۔
اور مئی کی بہت سی راتیں اسی طرح گزر گئیں ۔۔
بولیوار کے درختوں کے سائے میں کھلے آسمان اور چمکتے
ستاروں کے نیچے موسم گرما کا جشن منانے والے رخشندہ کو وہ سارے پرانے
گیت یاد دلائے دے رہے تھے جن کی طرزوں کی سیٹیاں سنتے ہی
اس کا دل ڈوب سا جاتا تھا ۔ ٹارالارا ۔ ٹارالارا جون پیل ۔
روز ماری ۔ گڈ نائٹ مائی لو ۔ مرایا دیلینا ۔ چاندنی میں ڈوبے
ہوئے سمندری ریت کے ٹھنڈے ٹیلوں پر سے دوسرے ساتھیوں کے

گیتوں کی آوازیں آرہی تھیں ۔ ریت پر ٹہلتے ٹہلتے تھک کر رخشندہ کہنے لگی :۔ برج ماما کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم سب ایک دوسرے کو غمگین بنائے بغیر زندگی گذار سکیں ۔ اور سارے کام ہمیشہ ٹھیک ٹھیک ہوا کریں ۔ دُنیا کے یہ عقلمند لوگ ــــــــــ "

رات خاموش ہوتی جارہی تھی ۔ برج کو اس سمے خیال آیا کہ اس نے ایک فلم میں شاید "بلڈ اینڈ سینڈ" میں ایک بیحد پیارا جملہ سنا تھا ۔ جو اس کو اب تک یاد تھا ۔ *Madam, [illegible]lking along in life [illegible] you has been a gracious time.*

رخشندہ اس کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور ان کے قدموں کے نشان ریت پر ان کے پیچھے پیچھے بنتے جا رہے تھے ۔ اور بحیرۂ عرب کی نیلی نیلی ٹھنڈی موجیں ان کی جانب بڑھ رہی تھیں ۔ رخشندہ رانی ۔ چاند ہنس رہا ہے تم بھی مسکرا دو ــــــ

اوہ انکل ٹوبی ــ تم کتنے اچھے ہو ۔ میں سچ مچ بے انتہا بیوقوف ہوگئی ہوں ۔

کیونکہ اس نے سُنا تھا کہ اس کا ہونے والا منگیتر بمبئی اسکول آف اکنومکس سے ڈگری لینے کے بعد گھر واپس جانے کے بجائے یہاں صرف اس لئے رہتا ہے کیونکہ یہاں اس کی ایک کیپ موجود ہے اور وہ ڈرنک بھی کرتا ہے ۔ اور موسم گرما کی چاندنی راتوں میں اپنے بوہیمین دوستوں

کے ساتھ اپنی سُرخ گرجتی ہوئی کاریں ورسوا اور جوہو کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے ـــــ اور آتشیں لڑکی نے چلّا کر کہا تھا۔ اوہ تم کیسی پاگل ہو۔ اوہ خدا ـــــ

اوخدا ـــــ وہ کیسے دن تھے ـــــ وہ کیا زمانہ تھا۔ انیس بیس سے لیکر چوبیس پچیس سال تک کی وہ عمریں ـــــ ذرا ذرا سی بات معمولی سے واقعات، جذبات کی لہریں، بڑی زبردست ٹریجڈی یا کامیڈی یا میلوڈرامعلوم ہوتی تھیں ـــــ وہ چاروں دوست ایک دوسرے کے [illegible] افکار، دُکھ سُکھ اور محبّتوں کے شریک ـــــ مہینہ کے آخر میں رومن رولینڈ یا شا کی تازہ کتابیں خریدنے کے لئے اپنے فاؤنٹین پن بیچنے کو تیار ـــــ بگ کی حفاظت اور عزّت کی خاطر کارل کی دلکش ناک پر مُکّہ رسید کرنے کو مستعد ـــــ شام کو مادرِ مقدّس کی تصویر کے سامنے شمع جلانے کے بعد بگ ان کے لئے چار تیار کرتی ـــــ ان کے اور بہت سے دوست آتے ـــــ اور وہ سب دیوان پر ـــــ صوفے پر ـــــ قالینوں پر بیٹھ کر مصری تمباکو کا دھواں اڑاتے ہوئے جانے کیا کیا باتیں کرتے رہتے۔ لمبی لمبی بحثیں اور تنقیدیں جن کو وہ بالکل نہ سمجھ سکتی۔

آسکر وائلڈ کی زندگی، ڈی۔ ایچ لارنس، لیگی وزارتوں کی چپقلش ریڈ سٹار اور رشا، بنگال، خدا اور مذہب۔ اور اکثر وہ جوش میں آکر ایسی ایسی باتیں کہہ جاتے کہ وہ خوف سے لرز سی اٹھتی اور مریم کی

طرف عفو طلب نگاہیں اٹھا دیتی ۔ پھر کوئی چیز ان کی مرضی کے خلاف ہو جاتی تو وہ اسے ڈانٹ دیتے تھے ۔ مہینہ ختم ہونے سے بہت پہلے اگر پٹرول کے کوپن تمام ہو جاتے یا بار بار پینٹنگ کرنے پر بھی کوئی تصویر درست نہ ہو سکتی یا فلیٹ کا کرایہ ادا کرنے سے قبل ہی پکنکوں اور سینما کے ٹکٹوں پر سارا روپیہ ختم ہو جاتا تو وہ چاروں فوراً اپنے آپ کو Wrecks of life سمجھنے پر مستعد ہو جاتے اور یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتے کہ وہ فن کار ہیں ۔ اس لئے زندگی کے ان زبردست [illegible] ئب میں گرفتار ہیں —— اور رنگ کو ان کے بچپن پر پیار آجاتا ۔

—— اور میگڈلین —— اور موسم گل کے نیلے پرندے ——

بحیرۂ عرب سے اٹھنے والے بھاری بھاری بادل ۲۳ کارج روڈ ماٹنگا کے اس فلیٹ کی جانب اڑتے چلے آرہے تھے جس کے نیچے ایک سیاہ بیوک آکر رکی ۔ اور زینے طے کرنے کے بعد دروازے پر پہنچ کر کسی نے زور سے گھنٹی بجائی ۔ اور چمکیلے پتھروں سے سجی ہوئی دو شاندار خواتین اندر آکر صوفے پر اس طرح بیٹھ گئیں گویا ایسا کرنے کا انھیں پورا پورا حق حاصل تھا تینوں دوست گھبرا کر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور پھر کمرے میں ایک عجیب حساس سی خاموشی طاری ہو گئی ۔ کھڑکیوں کے باہر بادل آہستہ آہستہ گرج رہے تھے ۔

آپ جمال انور احمد کے دوست ہیں نا ؟ اس خاتون نے جس کے اونچے اونچے ہالی ووڈ اسٹائل کے بال تھے ساری کے آنچل کو بازو پر

لپٹتے ہوئے گہری آواز میں پوچھا۔ وہی ڈرامہ شروع ہونے والا تھا جو ایسے موقعوں پر آج تک ہزاروں مرتبہ کھیلا جا چکا ہے۔

وہ عورت کون ہے جس کے ساتھ وہ یہاں رہتا ہے۔ دوسری، زیادہ گرانبار خاتون نے سوال کیا۔ عورت ــــ انھوں نے مگ کو ایک پیاری سی، معصوم سی، رنگین تصویر کے سوائے اور کسی زاویہ نظر سے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔

عورت ــــ اس کے لئے بڑا بھونڈا لفظ تھا یہ ــــ وہ تو یاسمین کی کلیوں کا خواب تھی بس ــــ وہ سوچنے لگے کہ ان شہزادیوں جیسی عالی شان خواتین سے کن الفاظ میں اور کس طریقے سے بات کریں ــــ پہلی کم عمر خاتون نے یہ خیال کرکے کہ شاید یہ جرنلسٹ اور فن کار ضرورت سے زیادہ حساس ہوتے ہیں وزرا نرمی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ خاتون کون ہیں اور یہاں کب سے ـ" مگ کے لئے "خاتون"، کا لفظ بھی بڑا عجیب سا معلوم ہوا۔ مگ تو بس مگ تھی۔ یاسمین کی ایک بڑی سی کلی۔

"آپ انھیں جانتے ہیں ؟"

"جی ہاں، بہت اچھی طرح سے ـ"

"معلوم ہوا ہے کہ ایک مس میگڈلین ڈی کو ڈرا ـــــ"

"جی ـــ جی ہاں درست بالکل ـــــ جی ـــــ"

وہ تینوں ایک دم پھر پریشان ہوگئے "معاف فرمائیے گا۔ یہ

یہ ہم کو نہیں معلوم ۔"

"خوب ــــ اور انھیں آپ بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں ۔"

"کیا یہ لڑکی کسی باعزت طبقے سے تعلق رکھتی ہے ۔" دوسری خاتون نے اپنی بزرگانہ بلندی سے کہا ۔

باعزت طبقہ ــــ مگ کے متعلق یہ ایک نیا انکشاف تھا جو پہلے ان کے دماغ میں کبھی نہ آیا تھا ۔ ان تینوں میں سے ایک چپکے سے دیوان پر سے اٹھ کر پچھلے دروازہ سے باہر نکل گیا ۔ اور باقی کے دونوں دل ہی دل میں اسے بد دعائیں دینے لگے ۔

" باعزت ــــ ار ــــ دیکھیے اس لفظ کو مختلف معنوں میں لیا جاسکتا ہے ــــ خصوصاً اس شہر کی سوسائٹی میں ــ یعنی کہ ۔ ار ــــ"

اعظم مسعود سینٹ زیویریں میں لاجک کا بہت اچھا طالب علم رہ چکا تھا ۔ دل میں اس نے کہا کہ کم بخت جم کا بچہ خود تو غائب ہو گیا اور ہم اس مصیبت میں پھنس گئے ۔ آئے نے دو گدھے کو ۔

زینے کی طرف کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور وہ اندر آئی ۔ اور اس نے ان معزز مہمانوں کو ایک لحظے کے لئے غور سے دیکھا ۔ اور ذرا پیچھے کو ہٹ گئی ۔

" آپ مس ڈی کوڈرا ہیں ؟ میرا مطلب ہے ــــ معاف کیجیے گا ہم آپ کے گھر میں اس طرح بلا اجازت اور بغیر اطلاع آ گئے

لیکن ـــــــ"

"مادموزیل آپ غلطی پر ہیں ۔ یہ میرا گھر نہیں ہے ۔ میرے پاس فرسٹ فلور پر صرف ایک کمرہ ہے ۔ میں ان لوگوں کے لئے چائے اور کھانا تیار کرنے یہاں آئی ہوں ۔"

اور ان دونوں اونچی خواتین نے اپنی بلندی پر سے جھک کر دیکھا کہ وہ محض ایک سفید فام بادرچن ہے ـــــــ یعنی یہ بڑی بڑی آنکھوں والی بھولی سی لڑکی ـــــــ اسی کی طرح کی دوسری سفید فام یہودی اور اینگلو انڈین لڑکیوں میں سے ایک ـــــــ اُف ۔ نفرت کی پوٹ ۔

گفتگو بہت طول کھینچ رہی تھی ۔ بڑی خاتون نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے کہا ۔

"دیکھو لڑکی ـــــ کیا تم میرے بیٹے کو پسند کرتی ہو؟" کیسا بیوقوفی کا سوال تھا ۔ اس نے سوچا ۔ بھلا جم کو کون پسند نہیں کرے گا ۔ اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں بے ساختگی سے اوپر اٹھا کر پوچھا ۔

"کیا جم خود آپ کو پسند نہیں ؟"

"ـــــ اوہ ـــــ لیکن میری بچی جم تو خود میرا اپنا لڑکا ہے ۔"

کمرے میں پھر وہی عجیب سا سکوت چھا گیا ۔

"اور مجھے پتہ چلا ہے کہ میرا لڑکا تم سے شادی کرنے کو بھی تیار ہے ـــــ جانتی ہو اس کے کیا معنی ہیں ـــــ اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا ؟"

اوہ ـــــ او خدا ! ـــــ اب تو یہ سب کچھ برداشت سے قطعی باہر تھا ـــــ روشن ایرانی بجلی کی طرح کشن ایک طرف پھینک کر دیوان پر سے کھڑا ہو گیا ۔ اور مگ کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا جیسے قیمتی چمکیلے پتھروں میں سجی ہوئی ساڑھے تین سو اونچی اونچی باعزت خواتین چاروں طرف سے مگ پر حملہ کرنے والی تھیں ۔ ہوا کے زور سے دروازوں کے پٹ بند ہو گئے ۔ باہر بارش کے پہلے قطرے کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا رہے تھے ۔

ـــــ تم خوبصورت تصویریں بنا کر ان میں رنگ بھر دو اور وہ ہمیشہ ان تصویروں کی اصلیت کا یقین کرتی رہے گی ۔ تمہارا کام صرف یہی ہے کہ اس سے خوش نما خوش گوار ستاروں کی باتیں کرتے رہو ۔ اس کی ماں نے اسے بچپن میں بتایا کہ شیطان کی اتنی لمبی دُم ہے ۔ اتنے بڑے سُرخ کان ہیں ۔ ایسے نوکیلے سینگ ہیں وہ بہت ہی بُرا ہے ۔ اور دُنیا جب بہت ہی زیادہ بُری جگہ بن گئی تو ایک طوفان آیا ۔ اور نوحؑ جو ایک بہت عمدہ انسان تھا اپنے باعزت خاندان سمیت بچ رہا ۔ اور پھر ابراہیمؑ اور سلیمانؑ اور داؤدؑ اور موسیٰ جو سب ایک سے ایک اچھے لوگ تھے دنیا کو ٹھیک کرنے کے لئے آئے خود خدا کو زمین پر آ کر جھیل کی سطح پر چلنا پڑا ـــــ وہ ان سب باتوں پر یقین رکھتی ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے چھوٹے بچے اپنے نرسری کے قصوں اور پیٹر پین اور اسنو وائٹ کی کہانیوں کو سچ سمجھتے ہیں ۔

لیکن بچے بڑے ہوجاتے ہیں ۔ اور اُن کے ہاتھ سے زیتون کی ڈالیاں
اور للی کے پھول چھین کر انھیں چپکے سے کانٹوں کا تاج پہنا دیا جاتا ہے
اور پھر ساری حقیقت معلوم ہوجاتی ہے ۔
تم اس سے وعدہ کرتے ہو کہ آج رات کو سارے چاند ستارے
توڑ کر اس کے آگے ڈال دو گے ۔ لیکن اسی رات کو اولمپس پر رہنے
والے خداؤں کی بیویاں اس سے یہ وعدہ بھی چھین لیتی ہیں ۔ اور تم
ان ٹوٹتے ہوئے چاند ستاروں کا سامنا نہیں کر سکتے ـــــ روشن
بیٹے ذرا اپنے بلند و مقدس یزداں کو آواز دینا ۔
اعظم مسعود نے تھک کر پائپ جلا لیا ۔ اور وہ سب خاموش ہوگئے
وہ مصوّر تھے ۔ انگریزی کے عمدہ جرنلسٹ تھے ۔ معاشیات اور ادبیات
میں ایم ۔ اے کرچکے تھے ۔ پولو کا اور والز خوب کرتے تھے ۔ اور سی
سی آئی کے سوئمنگ ٹینک کے کنارے گھنٹوں پڑے رہا کرتے
تھے ۔ لیکن میگڈلین اپنا گٹار سنبھال کر کارل کے ساتھ اپنی قسمت
آزمائی کرنے کہیں اور کسی دوسرے دیس کو چلی گئی ۔ اور وہ اسی
طرح دیوار پر پڑے رومن رولینڈ اور شا کا مطالعہ کرتے رہے ۔
ان دونوں نے میٹرو میں نیچے اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر مرحوم
لیزلی ہاورڈ پر افسوس کرنا شروع ہی کیا تھا کہ برابر کی نشست پر سے
کسی نے پوچھا "مادام ! یہ سیٹ ریزرو تو نہیں ؟"
"جی نہیں" رخشندہ نے ادھر دیکھے بغیر جواب دیا اور پھر

برج کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی ——— نوواردنے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ جلاتے ہوئے پھر پوچھا "مادام! دھواں آپ کو ناگوار تو نہیں گذرے گا۔"

"جی نہیں۔"

اب کے سگریٹ لائٹر کی روشنی میں رخشندہ نے اس کی طرف نظر کی اور اسے لگا جیسا سارا میٹروڈائنا مائیٹ سے اڑ کر دور فضاؤں میں لڑھکتا جا رہا ہے۔ اور برج راج کھڑے ہو کر ڈریس سرکل میں جانے کے لئے شاہندہ اور شیا ملا کا انتظار کرنے لگا۔——

"رشی رانی جلدی اٹھو۔" مجمع زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے گینگ وے کو پار کر کے زینے پر چڑھنے لگے۔ وہ شخص اپنی نشست پر بیٹھا دوسری طرف دیکھتا رہا۔ قلم شروع ہو چکا تھا۔ پردے پر برٹش مووی ٹون نیوز کی تصویریں کوندنے لگیں۔

"اوہ برج ماما جلدی اوپر چڑھئے۔" رخشندہ کی برفیلی پیشانی پر پانی کے ننھے منے قطرے نہ جانے کہاں سے آ گئے۔ برج نے اس کا سفید ہاتھ پکڑ کر اسے سب سے اوپر سیڑھی پر کھینچ لیا۔ اور وہ مجمع کے ریلے کے ساتھ ایک جھونک سے اس کے اوپر گرسی گئی۔ وہ اندھیرے میں شیا ملا اور شاہندہ کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اس نے اپنا ہاتھ آہستہ سے چھڑایا۔ Oh Gosh! the gorgeous Delicious

وہ دیر تک اتنی سی بات کو سوچتی رہی thrill of it

پھر اس کا جی چاہا کہ ایک زبردست زلزلے میں یہ سارا میٹرو ٹوٹ کر گر جائے اور برج اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر کہیں دور بھاگ جائے ـــــ گرتے پہاڑوں اور ٹوٹتی چٹانوں اور شور مچاتے ہوئے انسانوں سے بچا کر بہت دور ـــــ اور پھر وہ ـــــ وہ دوسرا شخص، وہ مائیکل اینجلو کا شاہکار سیچے بیٹھا تھا ـــــ چند منٹ قبل اس کے بہت نزدیک ـــــ

اور پھر دوسری رات کو آتشیں لڑکی نے اسے تاج میں دیکھا۔ اور اس کا جی چاہا کہ ایک تیز آگ میں اسے جلا کر راکھ کر ڈالے، اس کی بکھری ہوئی مسکراہٹ کو، اس کے اُلجھے الجھے بالوں کو ـــــ وہ اس صوفے پر بیٹھ آئی تھی ۔ اس گیلری میں سے گذری تھی ۔ ان کشتوں کو چھو چکی تھی جن پر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی شامیں گذار چکا تھا ـــــ جبکہ وہ دوسری پرفیلی رخشندہ خاموشی اور سکون سے بکسلے اور بیورلی نکولس پڑھتی رہی تھی " مس ڈوڈی کوڈر اکیسی ہیں؟" اس نے پوچھا، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ جا چکی ہے۔

" اچھی ہیں۔ شکریہ!" اس نے اسی سکون سے جواب دیا۔

" آپ میرے ساتھ ایک راؤنڈ لیں گی؟ "

" آئیے" اس نے کہا ۔ کیونکہ وہ ہمیشہ بہت پریکٹیکل رہتی تھی۔ اور جمال کو تعجب ہوا کہ وہ اس آسانی سے اس کے ساتھ فلور پر کیسے آگئی ۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رمبا کی مومنٹ کے ساتھ

ساتھ آگ کے شعلوں میں گھوم رہا ہے ۔ اسے سرد چھینٹوں کی ضرورت تھی ۔ لیکن شعلے بہت اونچے اُٹھتے جا رہے تھے ۔ رقص ہوتا رہا ۔ کلارنٹ کا ایک نغمہ پوری تیزی سے بج رہا تھا ۔ اس کی تھکی ہوئی نظریں خودبخود ڈیلائی ووڈ کی ان دیواروں کی طرف اٹھ گئیں جن کے دروازوں پر گہرے سبز پردے پڑے تھے ۔ اور جن کے سامنے فرن کی ڈالیاں برقی پنکھوں کی ہوا میں آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں ۔

سارے ریڈیو اسٹیشن آدھی رات کا گجر بجا چکے تھے ۔ باغ کی پتیاں اور سمندر کی لہریں خوابستان کے جادو میں ڈوبتی جا رہی تھیں کسی نے بڑی پیاری آواز میں کہا " میں آسکتا ہوں ؟ " وہ جواب تک برآمدے میں آرام کرسی پر لیٹی پوائنٹ کا ؤنٹر پوائنٹ ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھی اپنا برف جیسا لباس سمیٹ کر جنگلے پر جھک گئی ۔

"کون ہے ؟ " اس نے ذرا گھبرا کر برساتی کی طرف دیکھا ۔

" اگر آپ کہیں گی تو میں ابھی ابھی فوراً واپس چلا جاؤں "

اس کا بات کرنے کا انداز بیحد دلکش تھا ۔ وہ اور زیادہ پریشان ہوگئی ۔

" ماہم سے باندرہ کا قریب ترین راستہ ــــــ "

" جی نہیں ۔ میں راستہ کی تلاش میں آپ سے مدد کی درخواست نہیں کر رہا ــــــ "

" ــــ تو کیا ــــ کیا پٹرول ختم ہوگیا ہے ؟ "

"جی نہیں میرے پاس ڈھیروں گیلنوں پٹرول موجود ہے۔"

"پھر ـــــ پھر ـــــ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں! کچھ بھی نہیں ـــــ میں سامنے سے گذر رہا تھا آپ کو بادام کی شاخوں میں سے برآمدے میں بیٹھا دیکھا تو بس چلا آیا اندر ـــــ جاؤں واپس؟"

"اوہ گوش ـــــ آپ نے اتنی دور سے مجھے کیسے دیکھ لیا مشاہدہ بہت تیز ہے۔"

"جی ہاں۔ مشاہدے کا میں ماہر ہوں۔ بہت عمدہ عادت ہے یہ۔ زندگی بہت دلچسپ ہو جاتی ہے۔ اس سے۔ ایسی ایسی چیزیں نظر آجاتی ہیں۔ اور اجازت دیجیے انگریزی میں کہوں کہ ہم ایسی چیزوں کی روح میں گھس سکتے ہیں جن کو دیکھنے کی بظاہر کوئی خاص ضرورت نہیں ـــــ سگریٹ پی لوں؟ شکریہ ـــــ"

"نہ جانے آپ کیا باتیں کر رہے ہیں خصوصاً جبکہ آپ مجھے قطعی جانتے بھی نہیں۔ بہت دلچسپ اور عقلمند معلوم ہوتے ہیں آپ ـــــ"

"جی ہاں شکریہ۔ غالباً آپ پہلی خوبصورت لڑکی ہیں جس نے ایک خوبصورت لڑکے کے سامنے یہ اقرار کیا ہے۔ ورنہ عموماً مجھے آپ جیسی لڑکیوں سے یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ اپنی عقل کے مقابلہ

ہیں کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں "

"بیٹھ جائیے ۔ اس آرام کرسی پر ——— مگر کیسی عجیب بات ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہیں ۔ اور اس وقت اس گرم رات میں بادام کی شاخوں کی سرسراہٹ کے نیچے اس طرح باتیں کر رہے ہیں جیسے ہمیشہ سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں ——— ہیں نا ؟"

"جی ہاں ——— بہت عجیب ۔ دُنیا میں بہت سی باتیں حد سے زیادہ عجیب ہوتی ہیں ۔ جن کا بالکل آپ کو احساس نہیں ہوتا ——— ار ——— دیکھئے لڑکیوں میں ہیرو ورشپ کا مادہ ایک بڑی سخت کمزوری ہے ———"

"ہیرو ورشپ ؟"

"جی ——— اس وقت آپ مجھے بس چپکے چپکے ایڈ مائر کئے جا رہی ہیں ۔ حالانکہ ابھی چند لمحے قبل جب آپ تصور میں جم کے ساتھ مسوری میں سیب کے درختوں کے نیچے بیٹھی تھیں تو میرے دخل در معقولات پر آپ کو زوروں کا غصہ آگیا تھا ——— ٹھیک ہے نا ؟"

"سیب کے درخت ؟"

"جی ہاں ۔ سیب کے درخت !"

"مجھے یقین ہے کہ ———"

"جی ——— کہ رات گرم ہے اور چاند کے جادو کا اثر شاید مجھ پر

بھی ہو گیا ہے ۔ اسی لئے میں اپنے بستر پر آرام کرنے کے بجائے
ماہیم کی خاموش سڑکوں پر مارے مارے پھر کر خوبصورت لڑکیوں کے
بنگلوں میں گھس کے ان سے الٹی الٹی باتیں کرنے کا عادی ہو گیا
ہوں ــــــ"

"اوہ گوش ــــــ !"

"دیکھئے شاید آپ نے شمال کے برفانی کوہستانوں میں خوابیدہ
کسی کانونٹ میں اب تک اپنی عمر گذاری ہے ۔ کم از کم آپ نے سینٹ
زیویرز میں تو کبھی نہیں پڑھا "

"آپ نے یہ کیسے اندازہ لگایا "

"کیونکہ آپ بات بات پر اوہ گوش کہہ کر خدا کی مدد چاہتی ہیں
حالانکہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسی خوشگوار رات میں خدا
کو ہماری باتوں پر غور کرنے یا ان میں مداخلت کرنے کی قطعی ضرورت یا
فرصت نہیں ــ اور یہ بھی کہ سینٹ زیویرز کی لڑکیاں زیادہ تیز اور
صاف گو ہوتی ہیں ــــــ آپ جے جے اسکول میں ہیں
نا ؟ "

وہ اسی طرح سگریٹ کے حلقے بنا بنا کر کہتا رہا ــــــ " دلچسپ
خیال ہے ۔ سیب کے درختوں کے جھنڈ میں ملکہ پکھراج کے ریکارڈ بج
رہے ہوں یا کوئی درگا میں گا رہا ہو ــــــ سکھی موری رو م جھم ۔
سکھی موری رم ــــــ پسند ہے درگا ــــــ دیوی بھجو

درگا بھوانی ——"

"لیکن کم از کم مجھے اپنا نام تو بتا دیجیے" ——"

"میرا نام —— برج راج بہادر وارشنے —— جمال انور —— روشن ایرانی —— جو چاہو سمجھ لو —— ادھر دیکھو - میں تمہارا خواب ہوں - اور تم چاندنی اور پھولوں کا گیت —— پر مجھ میں اور ان لہروں میں جو تمہارے برامدے سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی ہیں ایک چھوٹا سا فرق ہے - یہ دُنیا سے بغاوت کرنا چاہتی ہیں - اور کچھ نہیں کر پاتیں - میں دُنیا سے بغاوت نہیں کرتا لیکن چاندنی رات میں تمہارے جنگلے پر آ کر بیٹھ جاتا ہوں - اور پھر یہ لہریں ساحل کو چھوڑ کر دور سمندر کی گہرائیوں میں جا کر کھو جاتی ہیں - سیب کے باغ میں چپکے سے خزاں گھس آتی ہے - بادام کی کلیاں اور سبز پتے خشک ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں - اور ملکہ پکھراج کے ریکارڈ اور تان پورے کے تار ٹوٹ جاتے ہیں ایک دن —— اور آخر میں نیلے پروں والی چڑیاں خزاں زدہ شاخوں پر سے اپنے پر پھیلا کر بہار کے تعاقب میں دور جنوب کے سرسبز مرغزاروں کی جانب اڑ جاتی ہیں —— جب خواب پچھلی رات کی چاندنی کی طرح پھیکے پڑنے لگتے ہیں اس وقت کی بے کیفی اور الجھن کا خیال کرو - سچ مچ کی مسرت تم کہیں بھی نہیں پا سکتیں رخشندہ بانو - شاید تم سوچ رہی ہو کہ اگر میگڈلین تمہیں مل جائے تو تم اپنی برفانی بلندی پر سے اس سے کہو ——

کارل ریوبن کے ساتھ کہیں بہت دور چلی جاؤ — بے حقیقت لڑکی —
اس کا گٹار اور تیری آواز — یہی تیرا بہترین راستہ ہے۔ برج راج
بہادر سے تم کہو انکل ٹوبی آپ میری دوست شیا ملا کے ایک خوبصورت
اور ڈیشنگ سے ماموں ہیں جو اپنی سیاہ ڈی کے ڈبلو خوب تیز چلاتے
ہیں۔ اور بس — آپ بھی تشریف لے جائیے۔ کیونکہ مسوری میں ہنی
مون کے لئے سوائے میں ایک پورا سوٹ رزرو کرالیا گیا ہے۔ جس
کے پیچھے سیب کے درختوں کا جھنڈ —"

"اوہ!"

"اب تمہیں نیند آرہی ہے۔ اگر تم مجھے یاد کروگی کل تو میں پھر
کسی ایسی ہی چاندنی رات میں الہ دین کے دیو کی طرح تمہارے خواب
میں آجاؤں گا — شب بخیر رخشندہ سلطانہ۔"

وہ اطمینان سے جنگلہ پر سے کود کر باغ کے اندھیرے میں اتر
گیا۔ اور پھر اس کے قدموں کی چاپ سنسان سڑک کی خاموشی میں
کھو گئی۔

"مہربانی سے ادھر ہی رہئے آپ —"

— اور رجم کو جو اب تک یہ سوچ رہا تھا — جانے کیا سوچ رہا تھا
— جانے کیا سوچ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا برف کے سارے
پہاڑ اور ساری چٹانیں ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر پڑی ہیں — اور ان کے
بوجھ میں دب کر وہ بے تحاشہ خوبصورتی اور نفاست سے سجا ہوا کمرہ

نیچے گرتا چلا جا رہا ہے۔

وہ سنگھار میز کے اسٹول پر بیٹھی ایک کتاب کی ورق گردانی کرتی رہی۔ اور وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا ——— وہ جو ——— وہ جو ——— او خدا ——— "یہ مت سمجھو کہ میں Fusses کر رہی ہوں ——— مجھے تم سے نفرت ہے ——— شدید نفرت" ———

یا اللہ ——— اسے تعجب ہو رہا تھا کہ اسے اب تک رونا کیوں نہ آیا۔ نہ معلوم اسے کیا ہو گیا تھا ——— میری بیچاری بچی ——— ہنی مون ختم ہوتے ہی سائیکلو انالسٹ سے اس کا علاج کرواؤں گا ——— لیکن وہ خاموش رہا۔

"اچھا کم از کم تم تو سو جاؤ۔ بہت تھک گئی ہو گی ———"

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا اور وہ مخالفت کے بغیر ضدی بچے کی طرح مسہری پر گر گئی۔ وہ ٹہلتا رہا۔ اس رات اس نے سگرٹوں کا سارا اڈبہ ختم کر دیا۔

تکیوں میں منہ چھپا کر اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس نے سنا جیسے کہیں بہت دور سے آواز آ رہی تھی۔ جم دریچے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ "اس کا انجام تم نے کیا سوچا ہے؟"

قانونی علیحدگی ——— اس نے اپنے آپ کو کہتے پایا۔ پھر وہ سو گئی۔ جیسے اس نے دن بھر روتے روتے گذارا۔ اور بمباری یا زلزلے سے گری ہوئی عمارت کے ملبے میں سے نکلے ہوئے

کسی زخم خوردہ انسان کی طرح وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا ۔۔۔۔ بالوں کی ایک لٹ اس کی برف جیسی پیشانی پر آ گری تھی ۔ اس کا جی چاہا کہ وہ جھک کر اس لٹ کو وہاں سے ہٹا دے ۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا ۔۔۔۔ یہ اس کی بیوی تھی ، رخشندہ ۔۔۔۔ خدایا ۔ اور وہ خود جم تھا ۔۔۔۔ جمال انور ۔۔۔ مائیکل اینجلو کا شاہکار ۔۔۔۔ او بلند و برتر خدا ۔ کیا ہم سب پاگل ہیں ۔ خواب گاہ کا تیز لیمپ رخشندہ پر اپنی کرنیں پھینکتا رہا ۔ اس نے سبز روشنی جلائے بغیر اپنے آپ کو صوفے پر ڈال دیا ۔

پھر وہ چار دوست خاموشی سے زینے پر سے اتر کے اس کار کی سمت بڑھے جو گیٹ وے کے اندھیرے سائے میں کھڑی تھی ۔ اس پاگل کر دینے والی موسیقی کی گونج گیلریوں ، ستالوں اور سمندری ہواؤں میں اب تک لرزاں تھی ۔

مادام میگڈلین ریوبن جو فٹ لائٹ کی تیز کرنوں میں نہاتی ہوئی گا رہی تھی ۔ اور کارل ریوبن جو پیانو پر بیٹھا تھا اور ہال جو الٹرا فیشن ایبل لوگوں سے پٹا پڑا تھا ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور انھوں نے سنا کہ کارل ریوبن اور مادام ریوبن اپنے آرکیسٹرا کے ساتھ جہاں جاتے ہیں شہرت اور عزت ان کے قدموں پر جھک جاتی ہے ۔ شمال کے سارے بڑے بڑے فیشن ایبل شہروں میں ان کے کونسرٹ ہو چکے ہیں ۔ ریڈیو میں ان کے پروگرام رکھے جاتے ہیں ۔ اتحادی فوجوں

کو محفوظ کرنے کے لئے ان کو خاص طور سے مدعو کیا جاتا ہے۔ مادام
ریوبن جو سیاہ یا نقرئی شام کے لباس میں چمکیلے پتھروں سے سجی ہوئی
خاموشی سے اپنے جیون ساتھی کے ہاتھ کا سہارا لیکر اسٹیج پر آتی ہے۔
اور پھر ساری دُنیا پاگل ہو جاتی ہے اس کے نغموں سے ـــــ اور
انھیں تیزاب کی سی تلخی اور تیزی کے ساتھ یاد آیا۔ کارل کہا کرتا تھا۔
میرے ساتھ چلو مگ۔ میں تمھیں بلبلوں اور کوئلوں کی ملکہ بنا دوں گا
میگڈلین ـــــ میگڈلین ـــــ میری سینوریتا۔ گوا کی کالی راتیں
تمہیں پکار کر واپس بُلا رہی ہیں۔ راتوں کو تمہارے بالوں میں
ستارے سجا کریں گے۔ اور مہتاب کے مغنّی کا گیتار بجتا رہے گا۔
ـــــ تم ـــــ مگ ـــــ سرخ ہونٹوں والی چوہیا ـــــ تمہاری
نیوریلجیا کی شکایت ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گی ـــــ تم میری
آنکھوں سے دیکھو گی میرے کانوں سے سنو گی، میرے جادو سے
رقص کروگی اور ساری کائنات مدہوش ہو کر ہمارے ساتھ ناچنے
لگے گی۔ بیوقوف لڑکی جوان چار سر پھرے ہندوستانی لڑکوں کے لئے
کرافرڈ مارکیٹ سے مچھلی کے ڈبے خرید کر لاتی ہو اور ان کی چائے
کی پیالیاں صاف کرتی ہو۔ ربِّ یہودہ کی قسم اس بھورے بالوں
والی گلہری میں ذرا بھی عقل نہیں ـــــ
پھر انھوں نے سُنا تخادی نوجوں کو محفوظ کرنے والی ایک پارٹی کے
ہمراہ مشرقِ وسطیٰ جاتے ہوئے جہاز پر ایک حادثے کی وجہ سے سٹر

کارل ریوبن کا انتقال ہوگیا۔ اور خوبصورت اور غمگین مادام ریوبن پارٹی سے علیحدہ ہوکر اپنے وطن واپس چلی گئیں۔

اور ایک نیلگوں صبح گوا کے ایک چھوٹے سے ہرے بھرے قصبے کے پرانے اور بھورے پتھروں والے کیتھڈرل میں جب ماس ختم ہونے کے بعد فادر فرانسسکو نے قربان گاہ کے دریچے کے سامنے کا پردہ برابر کیا تو ان کی پیشانی پر اور بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں ایک ملکوتی مسرت اور اطمینان کی روشنی چمک رہی تھی۔ کیونکہ ایک بھٹکی ہوئی روح آخر اپنے چرواہے کے پاس پہنچ چکی تھی ——————

"خداوند خدا کی رحمت ہو اس پر وہ یسوع کی دلہن بن گئی ——"

دعا کے آخری الفاظ بھورے پتھروں والے ہال کے منجمد سناٹے میں ڈوب گئے۔ اور فادر ڈائیگو آرگن بند کرکے سیڑھیوں سے نیچے اتر آئے۔ باہر آسمان کے نیچے بہت سے ٹوٹے ہوئے نیلے پر ہواؤں میں تیرتے پھر رہے تھے۔

اور ایسی ہی ایک نیلگوں شام کے اندھیرے میں جبکہ تاج کی ایک گالا نائٹ کے اختتام پر گیٹ وے، برساتی اور گیلریوں میں مجمع کم ہوتا جا رہا تھا۔ موٹریں اسٹارٹ ہو چکی تھیں۔ اور اکا دکا لوگ سیڑھیوں پر اور سڑک کے کنارے سگریٹ جلانے اور اپنے دوستوں کو شب بخیر کہنے کے لئے رکے ہوئے تھے۔ ان چار دوستوں نے اپنے پائپوں کی راکھ جھٹکی اور ان کی سرخ کار

ڈھلوان پر بہنے لگی ۔ رات گرم تھی ۔ اور درسوا اور جوہو کی سایہ دار سڑکیں ان کا انتظار کر رہی تھیں ۔

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیاگر تھا

پھر شام کا اندھیرا چھا گیا۔
کسی دور دراز کی سرزمین سے، نہ جانے کہاں سے میرے کانوں میں ایک دبی سی چھپی ہوئی آواز آہستہ آہستہ گا رہی تھی۔

چمک تارے سے مانگی چاند سے داغ جگر مانگا
اُڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفسہائے مسیحِ ابنِ مریم سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبنم سے
خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں سے
چٹک غنچوں نے پائی داغ پائے لالہ زاروں نے

کوئی وائلن کے مدھم سُروں پہ یہ گیت گاتا رہا۔ اور پھر بہت سی آوازیں پیاری سی، جانی بوجھی سی، دور پہاڑوں پر سے اترتی، بادلوں میں سے گذرتی، چاندنی کرنوں پر ناچتی ہوئی بالکل میرے نزدیک آگئیں۔ میرے آس پاس پُر اپنے نغمے بکھیرنے لگیں۔ میں چُپ چاپ خاموش پڑی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرلینی چاہیں۔ میں نے سنا۔ وائلن کے تار لرز اُٹھے ــــ اور پھر ٹوٹ گئے۔

"امینہ آپا!"

"ہوں"

"امینہ آپا۔ السلام علیکم"

"وعلیکم"

"امینہ آپا۔ ایک بات سنئے"

"کیا ہے بھئی؟"

"افوہ۔ بھئی امینہ آپا آپ تو لفٹ ہی نہیں دیتیں"

"ارے بھئی تو کیا کروں تمہارا"

"باتیں کیجئے۔ ٹوفی کھائیے"

"ہُم"

"امینہ آپا، ہوائی جہاز میں بیٹھے گا؟"

"خدا کے لئے آصف میری جان پر رحم کرو"

"امینہ آپا واقعی اتنا بہترین فلائنگ فورٹرس آپ کے لئے کینیڈا سے لایا ہوں"

"آ ــــ صف ــــ اُل ــــ لو ــــ" یہ میری آواز تھی۔

امینہ آپا انتہائی بیزاری اور فلسفے کے عالم میں صوفے پر اکڑوں بیٹھی "ہندوستان کا غذائی بحران" پڑھنے میں مشغول تھیں

آصف نے مظلومیت کے ساتھ مجھے دیکھا۔

"چلو۔ مکینو سے تمہارا فلائنگ فورٹرس بنائیں گے ــــ میرا پیارا بچّہ ــــ"

پھر ہم اندھیرا پڑنے تک ڈریسنگ روم کے دریچے میں بیٹھے مکینو سے طیاروں کے ماڈل بناتے رہے۔

"امینہ آپا اب تک ایسی ہی ہیں"

"تو کیا تمہارے داغِ مفارقت دے جانے کے غم میں تبدیل ہو جاتیں؟"

"بہت اونچی جاتی ہیں بھئی ــــ ہندوستان کا غذائی بحران ــــ وہ کیا ہوتا ہے شاہرخ؟"

"ڈیمش اِٹ ——— مجھے نہیں معلوم اللہ کون عظیم الشان چغدان سے شادی کرے گا ؟"

"فوہ ——— بہترین امریکی سگریٹ ہیں ——— ہیوگی ؟"

"چُپ ——— اعینہ آپا نے دیکھ لیا تو کان پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیں گی "

"بور ———"

پھر یہ آوازیں بھیگی رات کی ہواؤں کے ساتھ ناچتی ہوئی بہت دور ہوگئیں ۔ میں نے سونے کی کوشش کی ۔ میری آنکھوں کے آگے خواب کا دھندلکا پھیلتا چلا گیا ۔

سرد کے درختوں کے پیچھے سے چاند آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا وہ بالکل معمولی اور ہمیشہ کی سی ذرا سنہری رات تھی ۔ ہم اسی روز ۱۸ ۔ وارث روڈ سے شفٹ کر کے اس لین والی کوٹھی میں آئے تھے اس رات ہم اپنے کمرے سجانے اور سامان ٹھیک کرنے کے بعد تھک اور اکتا کر کھانے کے انتظار میں ڈرائنگ روم کے فرش پر لوٹ لگا رہے تھے ۔ عثمان ایک نیا ریکارڈ خرید کر لایا تھا ۔ اور اسے پچیسویں مرتبہ بجا رہا تھا ۔ مجھے اب تک یاد ہے وہ ملکہ پکھراج کا ریکارڈ تھا ۔

"جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات " ملکہ پکھراج کی آواز پر ہم بہن بھائیوں کی قوم بالاتفاق مرتی تھی ۔ عثمان جماہیاں لے رہا تھا ۔

صبیحہ کچھ پڑھ رہی تھی۔ اور میں کشنوں پر کہنیاں ٹیکے اور پیر اوپر کو اٹھائے قالین پر لیٹی لیٹی بور ہو رہی تھی۔

اور اس وقت سامنے کے برآمدے کے اندھیرے میں کچھ اجنبی سے بوٹوں کی چاپ سنائی دی اور ایک ہلکی سی سیٹی بجی ——— ہلو ——— کوئی ہے ——— اور جیسے سمندر کی موجوں کے ترنّم کے ساتھ ریوڈای کوٹن کے آرکیسٹرا کی دُھن گونج اٹھی۔

"اب اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" ——— عثمان نے ایک طویل جماہی لے کر ریڈیو گرام کا پٹ زور سے بند کر دیا۔ اور کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔

"وہی ہوگا کرپارام کا آدمی ——— انکم ٹیکس کے قصّے والا" میں نے رائے ظاہر کی اور انتہائی بوریت (Boredome) کے احساس سے نڈھال ہو کر کروٹ بدل لی۔

"ہلو ——— ارے بھئی کوئی ہے اندر" باہر سے پھر آواز آئی۔

"یہ کرپارام کا چپراسی قطعی نہیں ہو سکتا۔ اس کی تو کچھ چارلس بوائر کی سی آواز ہے"

صبیحہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ڈوب جاؤ تم خدا کرے" میں اور بھی زیادہ بور ہو کر صبیحہ کو کھا جانے کے مسئلے پر غور کرنے لگی۔

باہر اندھیرے میں عثمانؔ اور اس آدمی، ان کے ملاقاتی کے درمیان انتہائی اخلاق اور تکلف میں ڈوبا ہوا مکالمہ بزبانِ انگریزی ہو رہا تھا۔

"ہمارے یہاں اچانک بجلی فیل ہو گئی ہے۔ میں یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ ساری لائن ہی بگڑ گئی ہے۔ یا صرف ہمارے یہاں ہی خراب ہوئی ہے۔"

"ہمارے یہاں کی بجلی تو بالکل ٹھیک ہے۔ آپ فیوز کے تار لے جائیں۔" پھر کچھ کھٹ پٹ کے بعد عثمان نے ہیٹ ریک کی دراز میں سے تاروں کا گچھا نکال کر ہمسائے صاحب کی نذر کیا۔ اور وہ بوٹوں کی چاپ برآمدے کی سیڑھیوں پر سے اتر کے روش کی بجری پر سے ہوتی ہوئی پھاٹک تک پہنچ کر بن کے اندھیرے میں کھو گئی۔ اگست کی رات کا نارنجی چاند سرو کے درختوں پر جھلملا رہا تھا۔

یہ آصف تھا — آصف انور — تمھیں یاد ہے زارہ!

میں نے ایک دفعہ تمھیں لاہور سے لکھا تھا کہ ہماری ایک بیحد دلچسپ، اور اعلیٰ قسم کے خاندان سے دوستی ہو گئی ہے۔ ہمارے ہمسائے ہیں بچارے۔ بالکل ہمارے Sort کے لوگ۔ اب کی کرسمس میں تم دہرہ دون کے بجائے لاہور آ جاؤ تو خوب Enjoy کریں۔ ہم سب نے ماہ رُخ کی ریاست تک بیل گاڑیوں پر جانے کی اسکیم بنائی ہے۔ یہ آصف کی تجویز تھی جسے ممی آفت کہتی تھیں۔ انہی دنوں ماہ رُخ کی نئی نئی شادی

میڈیکل کالج کے ایک موٹے اور بے انتہا دلچسپ لڑکے سے ہوئی تھی۔
اور اس نے ہم سب کو ہمسایوں سمیت اپنے گاؤں مدعو کیا تھا۔

اللہ ـــــ وہ دن ـــ ـــ وہ راتیں!

ہماری اور ان کی کوٹھیوں کے بیچ میں وارث روڈ کی آخری
لین۔ اور اس کے دونوں طرف باغ کی نیچی سی دیوار تھی۔ ہم اسی دیوار
کو پھلانگ کر ایک دوسرے کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اکثر جاڑے دل کی
دھوپ میں اپنی اپنی چھتوں پر بیٹھ کر گراموفون بجانے کا مقابلہ رہتا۔
خطرے کے موقعوں پر ان بہن بھائیوں کو آئینہ کی چمک کے ذریعے
ایس۔ او۔ ایس کے پیغام بھیجے جاتے۔ یہ معلوم ہو کر کہ یہ لوگ بھی یوپی
کے ہیں کس قدر خوشی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی بہن ذکیہ ابلنہ آپا کے
ساتھ ایم۔ اے کر رہی تھیں۔ شکیلہ اور پروین صبیحہ کے ساتھ سیکرڈ
ہارٹ میں تھیں۔

آصف صاحب ان کے اکلوتے بھائی تھے۔ سب کی آنکھوں کا تارا
متوقع تھے کہ ہم لوگ بھی انھیں آنکھ کا تارا سمجھ کر ہمیشہ ان کے fusses
برداشت کریں گے۔ آپ [illegible] کیمسٹری میں ایم۔ ایس۔ سی
فرما رہے تھے۔ پٹرول کے رنگ تبدیل کرنے کے تجربوں کے بے انتہا
شوقین تھے۔ سیٹی کے ساتھ ساتھ وائلن بہترین بجاتے تھے۔ مغالطہ
تھا کہ بعید خوبصورت ہیں۔ گھر کی بزرگ خواتین اور بچوں سے خوب دوستی
کر لی تھی۔ کار اتنی تیز چلاتے تھے کہ ہمیشہ چالان ہوتا رہتا تھا۔ لاہور

کے سارے چوراہوں کے پولس مین آپ سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ مال پر پیدل جاتی ہوئی الٹرا موڈرن لڑکیوں کو کار میں لفٹ دینے کے تجربوں کے بہت قائل تھے۔ مختصر یہ کہ انتہائی دلچسپ آدمی تھے آپ۔

اور امینہ آپا ـــــ ان کا یہ عالم کہ ہم سے تین چار سال پہلے کیا پیدا ہوئی تھیں کہ قیامت آگئی تھی۔ صبح سے شام تک ہم سب کو بوس کرنے کو مستعد۔ بی۔ اے انھوں نے علی گڈھ سے کیا تھا۔ ایم اے اور بی۔ ٹی کے لئے ہمارے یہاں آگئی تھیں۔ اور ہماری جان کے لئے مستقل قسم کا کورٹ مارشل۔ مجھے وہ شام کتنی تفصیل سے اچھی طرح یاد ہے۔ جیسے یہ باتیں ابھی ابھی کل ہی ہوئی ہیں۔

سفید کشمیری اون کا گولا سلجھاتے ہوئے میں نے آواز میں رقت پیدا کر کے کہا تھا۔

"امینہ آپا!"

"فرمائیے کوئی نئی بات؟"

"امینہ آپا، پیاری آج شام کو اوپن ایر میں عذرا آپا کا رقص ہے۔"

"جی۔ شہر بھر کے سارے پروگرام آپ کو زبانی یاد ہوتے ہیں۔ اور پلازا میں آج کون سا فلم ہو رہا ہے؟"

"امینہ آپا! ـــــ ہنک ـــــ ہوں ـــــ"

"ارشاد ؟"

"اینہ آپا ہمیں لے چلو ــــ اودے شنکر اور عذرا آپا روز روز کہاں نظر آئیں گے ۔ بھلا ــــ ذکیہ باجی اور شکیلہ وکیلہ سب جا رہی ہیں "

"آصف بھی ساتھ ہوگا "

"مجبوراً چلے گا بچارا ۔ کار وہی ڈرائیو کرتا ہے ــــ ان کا ڈرائیور تو آجکل بیمار ہے "

"کوئی ضرورت نہیں "

اور میں تقریباً روتے ہوئے جا کر اپنے ڈریسنگ روم کی کھڑکی میں جا کر اون سلجھانے میں مصروف ہوگئی ۔

شام کا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا ۔ نیچے موٹر گیرج کی طرف جانے والی سڑک پر سے وہ آتا ہوا نظر آیا ۔ کھڑکی کے پاس پہنچ کر ٹارچ کی روشنی تیزی سے چمکا کر اس نے آہستہ سے کہا ــــ

"ہلو ۔ جولیٹ !"

"خوب ــــ معاف فرمائیے ، میں کم ازکم آپ کے ساتھ تو سیرینیڈ کرنے کو تیار نہیں ہوں "

"آہ ــــ اوہ ــــ وہ دیکھو سرو کے پیچھے سے چاند کس قدر اسٹائل سے جھانک رہا ہے "

"بلواؤں اینہ آپا کو !"

"پٹواؤگی!"

اندر کمرے میں سے عزارے کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔

"چپ، آگئیں امینہ آپا"۔۔۔ میں ذرا اندھیرے میں جھک گئی۔ امینہ آپا شاید گیلری کی طرف جا چکی تھیں۔ وہ دیر تک نیچے کھڑا باتیں کرتا رہا۔

"کیسی خالص ۱۲ ابور ہیں تمہاری امینہ آپا" وہ بی۔ ایس ہی تک علی گڈھ میں پڑھ چکا تھا۔ اس لئے ہم آپس کا ضروری تبادلۂ خیالات وہیں کی زبان میں کرتے تھے۔

"۱۴ ـــ ۲۲۔ بلکہ آغا خانی بور ـــ" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور پھر ہمیں زور کی ہنسی آگئی۔ سوچو تو امینہ آپا، آغا خانی بور ہیں!

اور چاند کے سائے میں گیت گاتی ہوئی شامیں گذرتی چلی گئیں پچھلی کوٹھی کے ہمارے کمرے کی سنگھار کمرے کی سمت والے ساؤنڈ روم میں وائلن بجتا اور صبیحہ پڑھتے پڑھتے کتابوں پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیتی۔ سرو اور چنار کے پتوں کی سرسراہٹ میں سے چھنتی ہوئی اس کے پسندیدہ گیتوں کی آواز خواب میں کہیں پریوں کے ملک سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ـــ "سنا ہے عالم بالا میں کوئی کیمیاگر تھا"

اور امینہ آپا جھنجلا کر تیزی سے ٹائپ کرنا شروع کر دیتیں۔
ایک مرتبہ عثمان صاحب کیرم میں ہارتے ہارتے جوش میں آ کر گانے لگے ــــ "ستارے جھلملا اٹھتے ہیں جب میں شب کو روتا ہوں۔"
"اوہو آپ شب کو روتے بھی ہیں۔ چچ چچ چچ ــــ" آصف صاحب بولے۔ بچارہ عثمان جھینپ گیا۔ "وہ دیکھئے ستارے جھلملا رہے ہیں اب آپ رونا شروع کر دیجئے۔"
ہم سب اوپر کھلی چھت کی منڈیروں پر بیٹھے تھے۔ ذکیہ باجی اور امینہ آپا ایک طرف کو مڑی ہوئی کچھ اشتراکیت اور ہندوستان کے پوسٹ وار مسائل پر ہماری عقل و فہم سے بالاتر گفتگو کر رہی تھیں۔
"آصف! اگر تم اترا نہ جاؤ تو تم سے کچھ نغمہ سرائی کی درخواست کی جائے۔" شکیلہ نے کہا۔
"وعدہ کرتا ہوں قطعی نہیں اتراؤں گا۔ بےحد عمدہ موڈ ہو رہی ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"وہی عالم بالا والا۔" صبیحہ نے کہا۔
"وہ جو تم علی گڑھ کے کسی شاعر کے ترنم میں پڑھا کرتے ہو۔ وہی بھئی ــــ مغرب میں اک تارا چمکا۔" میں نے کہا۔
"کیا کہنے مجھے کیا یاد آیا ــــ؟ آپ تو سامنے تشریف رکھتی ہیں مجھے اس وقت کیا خاک یاد آنے گا۔"
"شروع ہوئی اترا ہٹ۔"

پھر ہم دیر تک اس سے سنتے رہے۔

مغرب میں اک تارا چمکا
کیا کہئے مجھے کیا یاد آیا
جب شام کا پرچم لہرایا
کیا کہئے مجھے کیا یاد آیا

فضا خاموش تھی ـــــ دور آسمان کی نیلگوں بلندیوں میں چند چھوٹے چھوٹے روپہلے ستارے جگمگا کر دھندلکے میں کھو گئے۔

"کیا سچ مچ یہ مدھم تارے ہماری قسمتوں کی اکیلی راہوں پر جھلملاتے ہیں" صبیحہ نے کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ جیسے اپنے آپ سے پوچھا۔

"اور کیا ـــ کتابوں میں جو لکھا ہے۔ شیرو ـــــ" آصف نے فوراً بڑی مستعدی سے ذرا عالمانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔ قول ہو کہ وہ اس قدر Tom boyish تھا۔ اور بعض دفعہ حیرت ہوتی تھی کہ ایسے طفلانہ مزاج کا لڑکا بڑوں کے سامنے اور تکلف کی سوسائٹی میں کس طرح اتنا سنجیدہ بن جاتا ہے۔

ہم سب پھر چپ ہو گئے۔ خاموش رات اور کھلی ہوئی فضاؤں کی موسیقی میں خوابوں کی پریاں سرگوشیاں کر رہی تھیں ـــــ محبت ـــــ زندگی ـــ محبت ـــ زندگی ـــــ او بلند و برتر خداوند!

سیاہ افق کے قریب ایک بڑا سا روشن ستارہ ٹوٹ کر ایک لمبی سی چمکیلی لکیر بناتا ہوا اندھیرے میں غائب ہوگیا۔۔۔ ہم آسمان کو دیکھنے لگے۔

"کوئی بڑا آدمی مر گیا" میں نے کہا۔

"واقعی ؟ امینہ آپا دی مہاتما گئے" آصف نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

دوسرے لحظہ ایک اور ننھا سا تارا ٹوٹا۔

"ارے ان کے سکریٹری بھی ۔۔۔" عثمان چلایا۔

اس رات بہت سے ستارے ٹوٹے اور ہم ساری باتیں چھوڑ چھاڑ کر آسمان کو دیکھتے رہے۔ اور جو ستارہ ٹوٹتا اس کے ساتھ کسی بڑے لیڈر کو چپکا دیتے۔

"ساری ورکنگ کمیٹی ہی سفر کر گئی" آخر میں آصف انتہائی رنجیدہ آواز میں بولے۔

امینہ آپا نے ہماری باتیں نہیں سنیں۔ ورنہ خیریت نہیں تھی۔ وہ بیحد مشغولیت سے ہمارے ایک سوشلسٹ قسم کے بھائی اور ذکیہ باجی کے ساتھ سیاسیات پر تبصرہ کر رہی تھیں ۔۔۔ "راجندر بابو اور ڈاکٹر ذاکر نے اس روز یہی کہا تھا"

"وردھا سے لوٹتے میں شری پت چندر شیکھر جی نے مجھے بھی بتایا تھا کہ اکھنڈ بھارتیہ گھاسیہ گینڈیلا ہو رہا ہے ۔۔۔ سوشلسٹ بھائی

نے کچھ کہنا شروع کیا۔ ذکیہ باجی بےحد عالمانہ اور مفکرانہ صورت بنائے ان کی طرف عقیدت کے ساتھ متوجہ تھیں۔

"اب یہاں سے بھاگنا چاہیئے" آصف نے چپکے سے کہا۔ اور ہم سب ان سیاست دانوں کو وہیں چھت پر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرتے چھوڑ کر منڈیروں پر سے چھلانگتے ہوئے نیچے اتر آئے۔

دوسرے روز صبح کی چائے کی میز پر انھیں سوشلسٹ بھائی نے جو تین چار دن سے ممبئی سے ہمارے یہاں آئے ہوئے تھے اپنی سیاہ فریم کی عینک میں سے جو ان کی لمبی سی ناک پر بےحد انٹلکچوئل انداز سے رکھی تھی ہمیں غور سے دیکھا۔ وہ مستقل تین روز سے خاموش قسم کا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ کہ ہم لڑکیاں ان سے وہ سب کتابیں اور پمفلٹ خرید لیں جو ان کے زبردست چرمی بیگ میں بند ہمارے ذہنوں کی سیاسی تربیت کا انتظار کر رہے تھے۔

"شاہ رخ آپا۔ اکھنڈ بھارتیہ گھاسیہ گیند بلا بھڑنت ——"

عثمان نے چائے دانی میری طرف دھکیلتے ہوئے چپکے سے کہا۔ مجھے اور صبیحہ کو زور کی ہنسی آ گئی۔ امینہ آپا نے عثمان کی بات سن کر ہمیں ہنستے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ انھوں نے ہم پر کھا جانے والی نظریں ڈالیں اور چائے بنانے میں ممی کی مدد کرنے لگیں۔ وہ ہمیں سدھارنے کی طرف سے بالکل ناامید ہو چکی تھیں۔ غسلخانہ میں چھوٹا عارف نہاتے ہوئے زور زور سے گا رہا تھا۔ مغرب میں اک تارا چمکا —— مغرب میں

اک تارا چمکا" اور سوشلسٹ بھائی جلدی جلدی سنترہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔

دوپہر کو ڈرائنگ روم کے فرش پر اہلیہ آپا اور ان کی رفیقوں کی ایک میٹنگ ہو رہی تھی۔ جو سوشلسٹ بھائی کے بمبئی سے آنے کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ ہم نے شیشوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ کس قدر اسٹائل سے وہ سوشلسٹ بھائی پائپ کا دھواں اڑا رہے تھے۔

اسی وقت آصف سیٹی بجاتا ہوا آنکلا۔ "یا اللہ! کیسی کیسی مخلوق تم نے نمونتہً اپنے یہاں جمع کر رکھی ہے" اس نے گھبرا کر کہا۔

"چُپ جانتے ہو سوشلسٹ بھائی صبیحہ سے شادی کرنے کی فکر میں ہیں" میں نے بتایا اور آصف کا ہارٹ فیل ہوتے ہوتے رہ گیا شام کو بعد تفصیلاً اپنے دوستوں کو ہم نے اس میٹنگ کی کارروائی کی رپورٹ سنائی کہ ہمارے گھر ہندوستان کی کیسی کیسی مقتدر اور اعلیٰ و ارفع ہستیاں آئی ہیں۔ آصف نے پوچھا "کیا واقعی سوشلسٹ بھائی والی بات سچ ہے؟" "اور کیا۔ تم کو کم از کم ڈوئیل تو لڑنا ہی پڑے گا"

"اور کون کون لوگ تھے یہ"

"تم سب سے باری باری ڈوئیل لڑلو"

"_____ کو ایک بار میں نے بھی دیکھا تھا۔ ذکیہ باجی! خدا کی قسم

یہ لمبی داڑھی "۔

عارف نے اپنی معلومات سے اضافہ کرنا چاہا۔

"اور ایک صاحب ہیں۔ امینہ آپا کے خاص رفیق۔ جن کے ساتھ وہ لکھنؤ میں پربھات پھیریوں کے گیت گایا کرتی تھیں۔ وہ یوں اچک اُچک کر چلتے ہیں"۔ عثمان نے باقاعدہ Demonstrate کر کے بتایا۔

"لکھنؤ میں ریڈیو اسٹیشن پر میں نے سلام صاحب کو دیکھا تھا۔ اس قدر ـــــ بس کیا بتاؤں ـــــ جو لڑکی فی البدیہہ ان کو نظر آتی ہے اس پر ایک نظم لکھ ڈالتے ہیں"۔ صبیحہ صاحبہ نے ارشاد کیا۔ تاکہ آصف اور جلے۔

"فی البدیہہ نظر آتی ہے ـــ ذرا اپنی اُردو پر غور کیجئے"۔ میں نے جل کر آصف کی حمایت میں کچھ اور کہنا چاہا۔ لیکن پیچھے سے شکیلہ کی آواز آئی "ارے خرگوشو! امینہ آپا ادھر آرہی ہیں۔ اپنی برادری والوں کے متعلق ایسی باتیں کرتے پاپا تو جان کی خیر نہیں"۔ امینہ آپا اور سوشلسٹ بھائی پائپ کا دھواں اُڑاتے ہاتھ میں تین چار رمتا کو کے ڈبے سنبھالے واقعی لان کی طرف چلے آرہے تھے۔ ہم سب بھیگی بلّیوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ گئے۔

کچھ عرصہ بعد سوشلسٹ بھائی بمبئی واپس چلے گئے۔ بارشوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ ماہ رُخ کے شوہر کی جب میڈیکل کالج میں

چھٹیاں ہوئیں تو وہ چند روز کے لئے اپنی سسرال کے گاؤں سے ہمارے یہاں آ گئے۔ بڑے انتظام سے آصف سے اس کا پہلی بار تعارف کرایا گیا۔ اس کے پھوپھا سے شوہر صاحب جو ڈاکٹری کے پانچویں سال میں پڑھتے تھے بےحد جلے کہ کیسے اسمارٹ اور شاندار لڑکے سے ان لوگوں کی دوستی ہوئی ہے۔ ماہ رخ کے آنے پر ہم نے بہت سے پروگرام بنائے تھے لیکن مستقل بارش ہونے لگی اور ہم کوئی ایکٹی وٹی نہ کر پائے۔

اس روز صبح جب میں کالج جانے کے لئے موٹر خانہ میں سائیکل نکالنے کے لئے گئی تو ہمارے ٹماٹر یا چقندر جیسی شکل والے کشمیری چپراسی نے اپنی سرخ لمبی لمبی مونچھیں بےحد مفکرانہ انداز میں ہلا کر کہا: "بی بی جی آج تو کچھ برسات کا ارادہ ہو رہا ہے۔ مدرسے مت جاؤ۔"

میں چڑ گئی۔ اندر ماہ رخ [illegible] کہہ چکی تھی کہ تم کو آج کالج قطعی نہیں جانا چاہیے۔ برج کھیلیں گے۔ نئے ریکارڈ بجائیں گے اور آصف کو بلا کر باتیں کریں گے۔"

میں نے تقریباً چلا کر کہا: "علی جو! تم سیدھے میری سائیکل نکال کر صاف کر دو۔ سمجھے۔ میں ضرور جاؤں گی کالج۔"

"ضرور جاؤ۔ اور جو وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ آج رینی ڈے کی چھٹی ہے تو محترمہ بھیگتی ہوئی تشریف لے آئیے گا۔ اترا ہی گئیں بالکل" صبیحہ نے ڈریسنگ روم کی کھڑکی میں سے جھانک کر کہا۔ "ہیں۔

"جی بی۔ صاحب آتے ہی ہوں گے۔ میں موٹر پر آپ کو پہنچا دوں گا" علی جُو نے پھر مونچھیں ہلائیں۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اور اس کے ہاتھ سے سائیکل ایک تیزی سے لین میں سے نکل کر سڑک پر آگئی۔ اُسی وقت آصف اپنے پھاٹک سے باہر نکلا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اپنی سائیکل میرے ساتھ ساتھ کر دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ گھر کے باہر ہمارا ساتھ ہوا تھا۔

"ہلو ——— آپ کی تھوتھنی کیوں چڑھی ہوئی ہے؟"

"آپ سے مطلب؟"

"اوہو تو گویا آپ خفگی فرما رہی ہیں۔ جُرم! کیا سوشلسٹ بھائی آپ کے لئے بھی پیغام دے گئے ہیں؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں سائیکلیں برابر چلتی رہیں۔ میں نے آصف کی حمایت میں کچھ نہ کہنا چاہا۔ ——— وارث روڈ بالکل خاموش اور بھیگی بھیگی پڑی تھی۔ سوکھے تالاب کے نزدیک کسی بدتمیز نے گا کر کہا "اوئے ساون کے نظارے ہیں ——" اور غصہ کے مارے میرا جی چاہا کہ بس مر جاؤں"

ابھی ہم سڑک کے موڑ تک بھی نہ پہونچے تھے کہ بارش کا ایک زور دار ریلا آگیا۔

"آخر تم جا کہاں رہی ہو بھئی؟"

"جہنم میں ——— پھر تم بولے" اور میں نہ جانے کیوں جیل روڈ

ابھی میں گھر سے بہت دور نہیں گئی تھی۔ درختوں کے جھنڈ میں سے اپنی کوٹھی کی چھت اب بھی نظر آ رہی تھی۔ لیکن واپس جا کر شکست کا اعتراف کرنے کی ہمت نہ پڑی۔

"شاہ رُخ گھر واپس جاؤ۔"

"نہیں۔"

"کیا صبح سے تبسم صبح لڑائی ہوئی ہے؟"

"آپ کو کیوں اتنی میری فکر پڑی ہے۔ اپنا رستہ لیجیے آپ۔"

"اور تمھیں یوں بیچ منجدھار میں چھوڑ جاؤں۔"

"آپ میری حفاظت کا حق کب سے رکھتے ہیں؟"

"اچھا میں بتاؤں بہترین ترکیب۔ یہاں پہاڑی پر کسی سایہ دار درخت کے نیچے رُک جاؤ۔ اور جب بارش کم ہو جائے تو جا کر کہہ دینا کہ صرف ایک پیریڈ اٹنڈ کر کے آ رہی ہوں۔"

"جی ہاں اور آپ بھی اس درخت کے نیچے تشریف رکھیں۔ اس نازک خیالی کی داد دیتی ہوں۔"

"اچھا تو اسی طرح بارش میں سڑکوں کے چکر لگاتی رہیے۔ میرا کیا ہے۔ نمونیہ ہو گا۔ مر جاؤ گی۔" اس نے واقعی جل کر کہا اور اپنی سائیکل وارث روڈ کی طرف موڑ لی۔

"مر جاؤ تم خود ــــ" میں نے ذرا زور سے کہا۔ وہ کافی نکل گیا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ واقعی یوں

چکر لگانا کس قدر زبردست حماقت ہے۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:-

"آصف!"

وہ چُپ رہا۔

"آصف صلح کرلو"!

"پھر لڑوگی؟"

"نہیں"

"وعدہ فرمائیے"

"وعدہ تو نہیں لیکن کوشش ضرور کروں گی" میں نے اپنا پسندیدہ اور نہایت کارآمد جملہ دُہرایا۔

"گھر چلو واپس" اس نے حکم لگایا۔ میں نے اسی میں عافیت سمجھی کیونکہ اچھی خاصی سردی محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ ابھی ہم وارث روڈ کے موڑ پر ہی تھے کہ کیا نظر آیا کہ چلی آرہی ہیں امینہ آپا کار میں بیٹھی ہوئی زنّاٹے میں۔ ہمارے قریب پہنچ کر زور سے بریک دبا کے انھوں نے کار روک لی۔ اور سائیکل پر بیٹھے بیٹھے میری روح فی الفور قفس عنصری سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ انھوں نے مجھے بالکل سالم کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"آپا! میں کالج سے آرہی تھی تو رستے میں دیکھئے بارش آگئی"

میں نے اپنی دبی ہوئی آواز بے انتہا مری ہوئی پائی۔
"اوہو، آپ کا کالج اب اتوار کے روز بھی کھلتا ہے"
اور اس وقت مجھے یاد آیا کہ آج کمبخت اتوار تھا۔ بھیگی بلی کی طرح میں بچاری ان کے پاس جا بیٹھی۔ ڈرائیور نے سائیکل پیچھے باندھی اور ہم چل دیئے گھر کو۔ امینہ آپا نے اخلاقاً بھی آصف سے نہ کہا کہ تم بھی کار میں آجاؤ۔ وہ بچارا بھیگتا بھاگتا نہ جانے کدھر کو چلا گیا۔
گھر پہنچ کر اتنے زور کی ڈانٹ پلائی ہے امینہ آپا نے کہ لطف آ گیا۔
اس سانحہ کے بعد کچھ عرصہ کے لئے آصف کے ساتھ برج اور کیرم موقوف۔ وائیلن، سیٹیاں، ٹارچ اور آئینہ کی چمک کے ذریعہ ایس او ایس کے پیغامات ملتوی۔ اور مغرب میں جھلملاتے تاروں کے سارے رومان کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔
میڈیکل کالج جب کھلا تو ماہرخ اپنی ریاست واپس چلی گئی۔
ایک روز ہم نے سُنا کہ آصف ہماری بد مذاقی سے خفا ہو کر مری جا رہا ہے۔ درصل وہ ضروری کام کیلئے وہاں جا رہا تھا۔ بہرحال ہم کو اس کا بحد افسوس تھا۔ کہ محض امینہ آپا کی وجہ سے کیسا اچھا اور دلچسپ دوست ہم سے ناراض ہو گیا۔ مری میں اس کے چچا رہتے تھے۔ جن کی بھورے بالوں اور سبز آنکھوں والی خوبصورت لڑکی سے اکثر اس کی منگنی کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ پھر اس روز ہمیں کتنی خوشی ہوئی ہے جب یہ معلوم ہوا ہے کہ امینہ آپا مسلم گرلز کالج میں اکنومکس کی لیکچرر ہو کر علی گڑھ جا رہی ہیں۔

جانے والی شام وہ بڑے سکون کے ساتھ آئینہ کے سامنے
کھڑی اسٹیشن جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ میں نے ان کی نظر بچا کر کھڑکی
میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ سرو کے درختوں کے اس پار اپنے کمرے
میں لیمپ کے سامنے انتہائی انہماک سے پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس وقت
میں نے سوچا کہ کاش اگر وہ روٹھا ہوا نہ ہوتا تو ہمیشہ کی طرح امینہ آپا پر
کوئی ریکٹی ویٹی کرے۔ سنگھار میز پر سے دستی آئینہ اٹھا کر اس کی چمک
کے ذریعے ایس۔ او۔ ایس کا پیغام بھیجنے کی فکر کر رہی تھی۔ کہ امینہ آپا
نے جھٹ میرے ہاتھ سے آئینہ لے لیا۔ اور اس میں اپنے بالوں کا جائزہ
لینے لگیں۔ اور میں ان کے علی گڈھ پہنچتے ہی کسی حد سے زیادہ وحشت زدہ
پروفیسر کے عشق میں مبتلا ہو جانے کے انہماک پر غور کرنے لگی۔ لیکن خدا
ایسی تجویزیں قبول کب کرتا ہے۔

امینہ آپا جا رہی تھیں۔ میں نے چپکے سے صبیحہ سے کہا کہ وہ باغ کی
پچھلی دیوار پر ایس۔ او۔ ایس (صبیحہ۔عثمان، شاہرخ) کا پیغام لکھ
آئے۔ صبیحہ نے کوئلے سے لکھ دیا۔

"مت جاؤ"

صبح کو اس کے نیچے لکھا ہوا ملا "ضرور جاؤں گا"

اور آصف بھی چلا گیا۔ بڑی جان جلی۔ لیکن کیا کرتے۔ اس کے
کچھ عرصے بعد سرما کی چھٹیوں میں ہم زارہ کے پاس دہرہ دون چلے
گئے۔

وہاں ایک رات زارہ اپنی ایک دوست کے ساتھ اوڈین سے نکل کر باہر اندھیرے ہیں جب اپنی کار میں بیٹھی اور کہا کہ عفور پرمیلا با باکولٹن روڈ پہنچاتے ہوئے اب سیدھے گھر چلو۔ سامنے ڈرائیور کی سیٹ پر سے کسی صاحب نے مری ہوئی آواز میں عرض کیا کہ "جی میں عفور قطعی نہیں ہوں۔ میرا نام پائیلٹ آفیسر آصف انور ہے۔ اور مجھے آپ سے مل کر یقین فرمائیے انتہائی قلبی مسرت محسوس ہوئی ہے" اور کار اسٹارٹ کر دی گئی۔

زارہ اور پرمیلا خوف اور غصّے سے چلّا اٹھیں "آپ کون ہیں اور ہماری کار میں کیوں گھس گئے۔ روکئے فوراً"

"جی اتفاق سے یہ کار اس خاکسار کی ہے۔ دہرہ دون میں اوڈین کے سامنے ایک ہی طرح کی دو کاروں کا پارک ہو جانا بہت زیادہ ناممکنات میں سے نہیں ہے"

"ختم کیجئے اپنی تقریر اور روکئے موٹر"

"پرمیلا بابا کولٹن روڈ پہونچا دیا جائے۔ اس قدر پریشان نہ ہوئیے کہ بہت زیادہ ہے۔ رات بجید سرد ہے۔ اور ہم آدھے رستے آ گئے ہیں"

دونوں بچیاں بچاری جھنجھلاہٹ اور غصّے کے مارے کچھ اور کہہ بھی نہ پائی تھیں کہ چند منٹوں میں کار زنّاٹے سے ہماری برساتی میں داخل ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ آپ دہرہ دون میں ایر فورس کے انٹرویو کے بعد میڈیکل کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ خوب آپ کو آڑے ہاتھوں لیا گیا ممی نے ڈانٹا کہ تم ہم سب سے رخصت ہوئے بغیر ہی اس طرح اچانک مری چلے گئے۔ اس نے بگڑ کر کہا کہ امینہ آپا نے کیوں شاہرخ کو سائیکل پر بارش میں بھیگنے پر ڈانٹ پلائی تھی۔ سوشلسٹ بھائی منطق اور جغرافیہ کے کس نکتہ کی رو سے صبیحہ سے شادی کرنے کی فکر کر رہے تھے۔ اور ماہرخ کے میاں قبلہ ڈاکٹر صاحب کس لئے اس سے جلے جاتے تھے مختصر یہ کہ ہم لوگوں میں صلح صفائی ہوگئی اور پھر پہلے کی طرح دوست بن گئے۔

پھر وہی برج۔ کیرم۔ شرارتیں اور گانے۔ وہی مغرب میں ایک تارا چمکا۔ آتشدان کی روشن آگ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہم سب اس کی سحر انگیز آواز اور وائلن کے نغمے سنتے :-

کیا کہئے مجھے کیا یاد آیا
کیا کہئے مجھے کیا یاد آیا
ٹیلے کی طرف چرواہے کی ہنسی کی صدا ہلکی ہلکی
اور شام کی دیوی کی چُنری شانوں سے پرے ڈھلکی ڈھلکی
مغرب میں اک تارا چمکا — !

— اور پھر جو ایک روز میں نے آصف کے اپنے بہنوئی بننے کے امکانات پر نظر کی تو مجھے یہ خیال بہت خاصا پسند آیا۔ کرسمس کی تعطیلات میں امینہ آپا بھی علی گڑھ سے دہرہ دون آگئی تھیں۔ ممی

تک پہنچانے کے لئے امینہ آپا کے سامنے یہ تجویز پیش کر دینی بے حد ضروری تھی۔ ایک رات جب کھانے کے بعد امینہ آپا ششماہی امتحان کے پرچے دیکھ رہی تھیں۔ میں دبے پاؤں ان کے کمرے میں پہونچی۔ اور اِدھر اُدھر کی بے معنی باتوں کے بعد ذرا ڈرتے ہوئے بولی۔

"امینہ آپا ــــ!"

"ہوں"

"امینہ آپا ایک بات سنئے" آمنہ آپا ایک بات سنئے

"فرمائیے" فرمائیے

"ار ــــ یعنی کہ ــــ اگر آصف کی شادی کر دی جائے تو کیسا رہے"

"بہت اچھا رہے"

"میرا مطلب ہے کہ صبیحہ کے ساتھ"

"آپ کی بلند نظری کی داد دیتی ہوں۔ کس قدر اعلیٰ خیالات ہیں"

"لیکن ــــ لیکن امینہ آپا آپ کو معلوم نہیں کہ آصف اور صبیحہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہ محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے" میں نے ذرا ایسے *Mild* طریقے سے کہا کہ امینہ آپا کو دفعتہً *Shock* نہ ہو جائے۔ امینہ آپا کی انگلیوں سے قلم چھوٹ گیا۔ اور اس طرح دیکھنے لگیں جیسے اب انھیں قرب قیامت

کا بالکل یقین ہو چلا ہے۔

"—— کیا کہا —— ؟ محبت —— محبت —— !! اُف کس قدر تباہ کُن۔ مخرب الاخلاق خیالات ہیں۔ محبت۔ یا اللہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسی واہیات باتیں بھی تم لوگوں کے دماغ میں گھس سکتی ہیں۔ میری ساری تربیت ——"

"لیکن امینہ آپا دیکھئے تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ آصف نوکر بھی ہو گیا ہے۔ ایک دم سے ساڑھے چھ سو کا اسٹارٹ اسے مل رہا ہے۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ صبیحہ بھی بہت اچھی لڑکی ہے۔ دونوں کی کتنی اچھی گزرے گی۔ اگر ان کی شادی ——"

"شادی —— شادی —— کیا اس لغویت کا خیال کئے بغیر تم لوگ رہ ہی نہیں سکتے۔ تمھیں دنیا میں بہت کام کرنے ہیں۔ طوفانوں سے لڑنا ہے۔ ملک کا مستقبل سنوارنا ہے۔"

"پر امینہ آپا ایک کے بجائے دو انسان ساتھ ساتھ طوفانوں سے زیادہ بہتر طریقے پر لڑ سکتے ہیں۔ اور آصف تو ہوائی جہاز اڑانے لگے گا —— !

"چپ رہو —— آصف —— ہُنہ —— یہ لڑکا مجھے قطعی پسند نہیں۔ تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ کچھ بہت عجیب سا شخص ہے۔ بچوں کی طرح ہنستا ہے۔ لڑکیوں میں حد سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ اور غضب یہ کہ کل شام صبیحہ کو

ڈارلنگسٹ کہہ کر پکار رہا تھا ـــــــ انتہا ہوگئی!"

امینہ آپا کچھ اور لیکچر پلاتیں اس لئے میں نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ چپکے سے اٹھ کر چلی آؤں۔ اپنے کمرے میں آکر میں سوچنے لگی ـــ آصف مجھے قطعی پسند نہیں ـــ ایک آنکھ نہیں بھاتا ـــ لڑکیوں میں حد سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ تو کیا اسے لڑکیوں کی بجائے اکادیوں اور چار کے چھچوں میں دلچسپی لینا چاہیئے ـــ اب کیا کیا جائے؟

آصف صاحب ٹریننگ کے لئے انبالے اور پھر شاید پونا تشریف لے گئے۔ اور بہت جلد نہایت اعلیٰ درجہ کے ہوا باز بن گئے۔ انتہا سے زیادہ daring اور خطرے کی اُڑانیں کرنے میں ماہر اور پیش پیش۔ طیارہ بھی آپ اسی انداز سے اڑاتے جیسے مال پر موٹر چلا رہے ہیں۔ حادثوں سے کئی بار بال بال بچے۔ ایک دفعہ ایک نئی مشین کی ٹسٹ فلائٹ کے لئے ایروڈروم سے اس زنّاٹے سے نکلے کہ اوپر پہنچ کر معلوم ہوا کہ صرف انجن آپ کے پاس ہے اور طیارہ کی باڈی پیچھے زمین ہی پر رہ گئی ہے۔ ہم دہرہ دون ہی میں تھے جب وہ انبالے سے سہارنپور ہوتا ہوا دہرہ دون آیا۔ راستہ میں ڈائونگ کے شوق میں آپ اس قدر نیچے اترے کہ ایک کوٹھی کی چھت پر لگے ہوئے ایریل ہوائی جہاز کے پہیوں میں اُلجھ کر ساتھ اڑتے چلے گئے۔ آس پاس کی ساری کوٹھیوں کے تار اس طرح ہل گئے جیسے زلزلہ آگیا ہے۔ اور لوگ گڑگڑاہٹ کے شور سے پریشان ہو کر باہر نکل آئے۔ وہ کوٹھی ایک

انگریز کرنل کی تھی۔ آصف بہت ڈرا کہ کہیں وہ آصف کے افسروں
سے اس کی شکایت نہ کر دے۔ لیکن عین موقعے پر اس بوڑھے کرنل
کی لڑکی جس کی خواب گاہ کے روشندانوں کے اوپر سے آپ گذر رہے
تھے آپ کے عشق میں مبتلا ہوگئی۔ اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

پونا سے آصف کو ایک دم کناڈا بھیج دیا گیا۔ سمندر پار جانے سے
پہلے وہ ہم سب سے رخصت ہونے کے لئے گھر آیا۔ پپا کا تبادلہ لاہور سے
ہوچکا تھا اور ہم سب لکھنؤ آ گئے تھے۔ ممی اور خالہ بیگم نے اس کے
بہت سارے امام ضامن باندھے۔ اور عثمان اور عارف نے ڈھیروں
پھولوں سے لاد دیا۔ ہم نے اس کی پسندیدہ ڈرمر بوائے ٹافی کا ایک
بڑا سا ڈبہ اس کے اٹیچی میں رکھ دیا۔ چلتے وقت اس نے کہا ــــ "شاہرخ
پیاری! اپنے آپا حبیب علی گڈھ سے آئیں تو ان سے میرا سلام کہہ دینا۔
اور اگر سو شاسٹ بھائی سے صبیحہ نے شادی کر لی تو یاد رکھنا میں چپکے
سے ایک رات آ کر ان کے گھر پر بم گرا جاؤں گا۔"

ہم برامدے کی سیڑھیوں پر سے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے۔

"شاہرخ ــــ صبیحہ ڈارلنگز"

"آصف! ہم ہمیشہ بہترین دوست رہیں گے نا؟"

"ہمیشہ ــــــ!"

"اور تم کناڈا سے بہت سارے پکچر پوسٹ کارڈ بھیجو گے؟"

"بہت سارے"

"اور وہاں جتنے گانے سیکھو گے ان کی ٹیونیں لکھ لکھ کر بھیجا کرو گے۔"

"بالکل۔"

"اور ہوائی جہاز اتنا نیچا نہیں اُڑاؤ گے۔ کہ لوگوں کے گھروں کے ایریل اور انگریز لڑکیوں کے دل ٹوٹ جائیں۔"

"قطعی نہیں۔"

پھر وہ چلا گیا۔

بہت دنوں سمندر پار رہنے کے بعد وہ پچھلی جنوری میں رخصت پر گھر آیا۔ اب وہ اس قدر Ace اور شاندار ہوا باز بن چکا تھا کہ جب وہ اپنی گرجتی ہوئی امریکن کار میں سے اتر کر ہری کین کے بگولے کی طرح کمرے میں داخل ہوا تو ہم سب کے سب بے انتہا مرعوب ہو گئے۔

"So the boy Comes home" صبیحہ نے خوشی سے چلا کر کہا۔ اور اس نے جھک کر صبیحہ کو ایک ہلکی پھلکی گڑیا کی طرح اٹھا لیا۔

"اوہ ڈارلنگز ——— میری ننھی خرگوشیو۔" اور امینہ آپا بیہوش ہوتے ہوتے رہ گئیں۔

رخصت ختم ہونے کے بعد وہ پھر اپنے مستقر پر چلا گیا۔ اور وہاں سے جرمنی کے فضائی محاذ پر بھیج دیا گیا۔ کچھ عرصہ تک حسبِ معمول اس کے ایئرگراف باقاعدگی سے ہمارے اور اس کے اپنے گھر والوں کے پاس آتے رہے۔

اور پھر ـــــــ

ــــــ میں نے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں ۔ لیکن خوابوں کا پھیلتا ہوا دھندلکا سمٹ چکا تھا ۔ وہ مانوس اور پیاری آوازیں اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں ۔ باہر سرو کے جھنڈ میں تیز ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں ۔ مئی کی رات کا زرد اور بیمار چاند اس خوابیدہ ـــــــ فریب خوردہ ـــــــ خستہ دنیا پر اپنی اداس کرنیں برسا رہا تھا ۔ یورپ کی جنگ ختم ہو چکی ۔ دوسری منزل پر ریڈیو میں شکرانہ کی سروس ہو رہی تھی ۔ آرگن کی مدھم گونج اور مقدس و بلند خدا کی حمد کے نغمے فضا میں لہرا رہے تھے ۔ کاش ـــــ کاش آصف نہ مرتا ـــــ کاش آصف نہ مرتا ـــــــ یا اللہ ـــــ !

میں نے آنکھیں بند کر کے تکیوں میں منہ چھپا لیا ۔ صبح بریگیڈیر اسٹینلی ممی اور صبیحہ سے فون پر کہہ رہے تھے " بیگم صاحبہ آپ کا بھانجہ ـــــــ مس احمد آپ کا منگیتر انتہائی بہادری سے لڑا اور اس نے شاندار جوانمردی سے جان دی ـــــ ہمیں اپنے ایسے لڑکوں پر کتنا فخر و غرور ہے ـــــ بیگم صاحبہ ـــــــ میری دلی ہمدردی قبول کیجیئے "

دلی ہمدردی ـــــ امینہ آپا اپنے کمرے میں ٹائپ میں مصروف تھیں ۔ کھٹ کھٹ کی آواز بے ترتیب اور منتشر ہوتی جا رہی تھی ۔ مئی کی خشک ہوائیں بہار کے بادلوں کو برسائے بغیر اڑا لے گئیں ۔

درختوں کی زرد پتّیاں شہد کی مکھیوں کی اُداس بھنبھناہٹ کے ساتھ ساتھ فضا میں بکھر رہی تھیں۔

وہ دوپہر کا غمگین وقت تھا ــــــ میں پچھلے برامدے کے ایک ستون کے طویل سایہ میں فرش پر بیٹھی تھی۔ وہ باتیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ جو آصف کا ایک ساتھی عثمان کو رو رو کر سُنا رہا تھا ــــــ یا اللہ ــــــ!

اللہ ــــــ وہ ایک انتہائی سرد صبح تھی۔ اور غضب کا کہرہ پڑ رہا تھا۔ جب رائن کے دوسرے کنارے پر بمبارڈ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بہت خطرناک کام تھا۔ پوچھا گیا کوئی آفیسر اس وقت جانے کو تیار ہے۔ آصف نے خود کو فوراً والنٹیر کردیا۔ کہرہ اس قدر گہری تھی کہ سامنے چند گز کا فاصلہ نظر نہ آتا تھا۔ وہ اپنی مشین لیکر طیارہ گاہ سے نکلا ہی تھا کہ خطرے کے سائرن بجنے لگے۔ کہرے کے اس پار رائن کے دوسرے کنارے پر جرمن طیاروں کا ایک زبردست بیڑہ پہنچ چکا تھا آصف بہت اونچے بادلوں میں سے ڈائیو کرکے اپنے ساتھیوں کا انتظار کئے بغیر سیدھا رائن پر پرواز کرنے لگا۔ اور چند لمحوں کی سخت فضائی جنگ کے بعد جرمن طیارہ شکن توپوں کا نشانہ بن کر نیچے دریا کے ایک پُل پر گر پڑا۔ اس کی مشین میں آگ لگنے سے پہلے ہی کئی امریکن اور انگریزی ہوائی جہاز اس جنگ میں حصّہ لینے کے لئے پہنچ چکے تھے۔

ــــــ لیکن موت ــــــ وہ کسی کا انتظار نہیں کرتی

وہ شاید وائرلیس سے اپنی طیارہ گاہ کو پیام بھیجنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ جس کے پہنچتے ہی فوراً آفیسرز کی ایک امدادی پارٹی دوسرے ہوائی جہاز پر اس کے پیچھے گئی۔ اور پُرسکون اور سرد رات کے ایک ٹوٹے ہوئے پُل کے قریب اس کے مبارک کو چُورچُور اور جلا ہوا پایا۔ وہ مشین سے کچھ فاصلہ پر بے جان پڑا تھا۔ اور اس کے چہرے اور جسم پر کوئی خراش تک نہ تھی۔ بالکل جیسے وائلن بجاتے بجاتے سبزے پر تھک کر سو گیا ہو ــــ اللہ ــــ آصف اور موت ــــ کیسی غلط، ناقابلِ یقین، غیر ممکن بات تھی ــــ لیکن وہ وہاں شبنم آلود گھاس اور ستارۂ سحری کے مرجھائے ہوئے پھولوں پر پڑا تھا۔ خاموش اور سرد ــــ

پھر جنوبی انگلستان کے اس کے فضائی مستقر سے اس کا سامان گھر بھیجا گیا ــــ کتابیں ــــ پکچر پوسٹ کارڈ ــــ ڈرمر بو اسئے ٹافی کے ڈبے، ڈھیروں تصویریں جو اس نے مختلف مقامات پر اتاری تھیں ــــ وہ ادھورے خط جو کبھی پوسٹ نہ کئے جا سکے۔

ہوا کا ایک تیز جھونکا ایک نیلے کاغذ کے چند چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اُڑاتا ہوا بہت دور افق کی تنہائیوں میں کھو گیا۔ خاموش ستاروں اور دھندلی کہکشاں کے رُوپہلی راستوں سے پرے ــــ بہت دُور سے ایک مدھم آواز آہستہ آہستہ آرہی تھی ــــ امینہ آپا ــــ کاش امینہ آپا ــــ تمھیں معلوم ہوتا کہ میں تم سے ــــ تم سے کس قدر محبت کرتا تھا ــــ کتنا دیوانہ وار تمھیں چاہتا تھا۔

چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش —— کیسی طفلانہ حماقت تھی —— تم نے ہمیشہ میرا مذاق اڑایا۔ کاش امینہ آپا تم مجھے اتنی اجازت دیتیں کہ میں تمہیں صرف ایک بار ڈارلنگسٹ کہہ کر پکار سکوں اور پھر مر جاؤں —— ڈارلنگسٹ —— اس فضول اور انتہائی سستے سے لفظ میں میری روح، میری جان سمٹ کر آجاتی۔ تم کہتی تھیں —— محبت —— محبت —— محبت —— کتنی تھرڈ ریٹ اور بیکار افسانوں کی سی باتیں ہیں۔ اپنی نظر اپنے خیالات کو بلند کرو اپنی ذہنی صلاحیتوں کو سنوارو —— طوفانوں سے لڑو —— یہ کرو —— وہ کرو —— امینہ آپا تمہارے لکچر —— آج رات کے سرد پانیوں پر زرد اور بھاری کہرہ چھا رہا ہے —— ستارے جھلملا کر بجھتے جا رہے ہیں۔ پائن کے اونچے درخت —— شمالی سمندر پر سے آتی ہوئی برفانی ہواؤں کے جھونکوں سے جاگ اٹھے ہیں —— میرا بمبار اپنے مہیب جمود اور خاموش گرج کے ساتھ میرے قریب شیڈ میں آنے والی صبح کا سکون کے ساتھ انتظار کر رہا ہے —— امینہ آپا! میں اپنی اس زندگی، کائنات کی اس پیہم اور یکرنگ جدوجہد سے تھک چکا ہوں —— سرچ لائٹ کی تیز لکیریں پچھلی رات کے کالے بادلوں کو کاٹتی ہوئی افق میں گرتی جا رہی ہیں —— میری اس دُنیا سے بہت دور —— بہت علیحدہ، تم اس وقت نہ جانے کیا کر رہی ہوگی —— کیا

سوچ رہی ہوگی ـــــ امینہ آپا! کاش میں تمھیں سمجھ سکتا ـــــ تم مجھے سمجھ سکتیں ـــــ پھر اونچے اور نیلے آسمانوں پر ایک ملکوتی نغمہ بلند ہوا ـــــ اور محبّت کے فرشتوں کے بربط کے نقرئی تار ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے ـــــ زندگی کا آخری گیت ختم ہو چکا تھا۔

ٹوٹتے تارے

انجیر اور زیتون کے درختوں اور ستارۂ سحری کے پھولوں سے گھری ہوئی کسی جھیل کے خاموش اور پُرسکون پانیوں میں زور سے ایک پتھر پھینکنے سے لہروں کا لحظہ بہ لحظہ پھیلتا ہوا ایک دائرہ سا بن جاتا ہے نا! یا جب کوئی تھکا ہارا مطرب رات کے پچھلے پہر اپنے رباب پر ایک آخری مضراب لگا کر ساز کو ایک طرف رکھ دیتا ہے اور اس کے نقرئی تاروں میں سے جو لرزتا، دم توڑتا ہوا آخری نغمہ بلند ہوتا ہے۔ یا پھر جیسے سفید یاسمین کی معصوم کلیوں کی مہک کی تیز لپٹوں میں ملفوف ہوا کا ایک جھونکا صبح ہوتے دریچے سے اندر داخل ہو کر شمع

کو بجھا اور پھر اس بجھی ہوئی شمع میں سے جو ہلکا سا غمگین سا دھواں لہراتا ہوا اوپر کو اٹھتا ہے نا ــــ

لیکن ٹھیریئے بھئی ۔ اس قدر شاعری کی ضرورت نہیں ۔ بس یونہی سمجھ لیجئے کہ ایسی ہی کچھ ناقابلِ اطمینان ، ناقابلِ تشریح سی کیفیت اس وقت شاہینہ پر چھائے جارہی تھی بلکہ حاوی ہو رہی تھی ۔ ایسی محسوس ہو رہا تھا ۔ نہ جانے کیا کیا محسوس ہو رہا تھا ۔ کیونکہ ہماری اس احمق سی دُنیا میں بہت سی باتیں ایسی عجیب سی ہو جاتی ہیں ۔ جن کی تشریح نہیں کی جاسکی ۔ اور نہ ان کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں آتی ہے ۔ جانے کیوں ۔ پر ایسا ہوتا ضرور ہے ۔ ہمیشہ ۔ کہ جب ــــ لیکن خیر، کہانی بے ربط ہو جائے گی ۔ اور پھر آپ عقل مندوں کے نزدیک اس زندگی میں بہت سے گہرے گہرے اور اونچے اونچے نشیب و فراز ہیں ۔ اور یہ زندگی ایک دوراہا ہے ۔ ایک چھوٹا سا المیہ ہے یا طربیہ ۔ یا المیہ اور طربیہ دونوں ــــ یا ایک ــــ خیر ــــ افوہ ــــ !

کیونکہ یہ رخشندہ کا خط تھا ۔ جسے وہ اب تک کم از کم پچیس مرتبہ پڑھ چکی تھی ۔ اور اب اسے خوف ہو رہا تھا کہ کہیں اسے ڈاکٹر عارف سے اپنی سائیکو انالسس نہ کروانی پڑ جائے ۔

زندگی بھی واقعی کیسی عجیب چیز ہے ۔ بے انتہا عجیب ۔ بالکل بے سر و پا ۔ رخشندہ کا خط اسی طرح قالین پر پڑا ہوا تھا ۔ بھئی اللہ

یہ کرسمس کی صبح تھی۔ کیرل گانے والی ٹولیاں دور نکل چکی تھیں۔ اور پہاڑی خوبانیوں کی ڈھلوان کے پرے کتھیڈرل کی دوسری طرف سے بیگ پائپ کے تیز اور مدھم سُروں کی لہریں برفانی ہوا میں تیرتی ہوئی دریچے کے شیشے سے ٹکرا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہر سال یہ بیگ پائپ بجانے والے ۲۵۔ دسمبر کی صبح کو اسے اسی طرح جگا دیا کرتے تھے۔ اور وہ جھنجھلا کر پھر تکیئے میں منہ چھپا لیتی تھی۔ مگر اب —— اب تو ساری کہانی ہی ختم ہو چکی ہے۔ توبہ —— اُفوہ —— ہوا کے ایک جھونکے سے رخشندہ کا خط اڑتا ہوا آتشدان میں جا گرا۔ اس نے اٹھ کر دریچہ بند کر دیا۔ اور دیوان پر گر گئی۔ صبح کی ہلکی ہلکی قرمزی روشنی دیواروں پر پڑ رہی تھی۔ کتھیڈرل کا گھنٹہ بجے جا رہا تھا۔ اور Gainsborough کا "بلو بوائے" دیوار پر سے جھانک کر مسکرا رہا تھا۔

"بلو بوائے"! شاہینہ نے آنکھیں بند کر لینی چاہیں۔ لیکن تصویر کے شیشے پر بہت سی دھندلی رنگین پرچھائیاں ناچنے لگیں۔

"جب میں بڑا ہو کر ڈیڈی کی طرح میجر بنوں گا اور رری شی سے شادی کر دوں گا تو تم اور سلیم ہمارے ہاں مہمان آنا۔ میں راجپور میں یوکلپٹس کے جنگلوں میں ایک بہت بڑا اور اونچا سا چاکلیٹ اور کیک کا گھر بناؤں گا۔ پھر اس میں رری شی اسنو وائٹ کی طرح رہا کرے گی۔"

"ہشت ندیدے، کہیں ہر وقت چاکلیٹ کھاتے کھاتے بیمار ہو

پڑجاؤ گے تو جناب عالی میں تو کبھی آپ کو دیکھنے بھی نہیں آؤں گی۔ اور ڈبل فیس لوں گی ہمیشہ ۔ سلیم تم بھی کبھی نہ جانا ۔ ان لالچی خرگوشوں کے گھر ۔ میاں عمر بھر پڑے رہیں گے یوں ہی ۔ اور ہم تو اپنے ٹھاٹ سے ہوائی جہاز میں اڑا پھریں گے ۔ صبح کو چاند میں جا کر چائے پی ۔ دوپہر کو میکسیکو پہونچ گئے ۔ رات کو گھر ۔ اہا کیسے مزے کی زندگی ہوگی۔

لیکن رخشندہ نے لکھا تھا ۔ خدارا شی شی میرا خط پڑھ کر اپنے آپ کو غمگین مت کر لینا ۔ میں تم کو پورے چھ سال بعد لکھ رہی ہوں کتنی طویل مدت ہے ۔ اور میں کس قدر احسان فراموش ۔ یقیناً مجھے تم سے معافی مانگنی چاہیئے ۔ ایک یتیم اور کمزور لڑکی جس نے تمہارے گھر پر تمہارے گھر والوں کے رحم و کرم پر پرورش پائی ہو ۔ اور وہ ایسی باغی اور سرکش نکل جائے ۔ سوچو تو شی شی میں ہمیشہ ہنسنے والی ری شی ، کیسی عجیب باتیں لکھ رہی ہوں ۔ کیونکہ زندگی نے مجھے رونا بھی سکھا دیا ہے ۔ شاید میں اب بھی تم کو خط نہ لکھتی اور تم کو معلوم نہ ہونے پاتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہی ہوں ۔ لیکن گزشتہ ہفتے پُونا سے بنگلور آتے ہوئے میری ایمبولینس کار ایک اور فوجی لاری سے ٹکرا کر کھڈ میں گر گئی ۔ اور میری یونٹ کے آفیسر کمانڈنگ کو مجھ سے پوچھ کر تمھیں میرے زخمی ہو جانے کی اطلاع دینی پڑی ۔ کیونکہ اس وسیع دنیا میں میری Next of kin تم ہی ہو ۔ پریشان نہ ہونا اب میں اچھی ہوتی جا رہی ہوں ۔ کرسمس آنے والا ہے ۔ اور نہایت

سرگرمی سے اس کے استقبال کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ کاغذی ربن اور رنگین جاپانی قندیلیں، مصنوعی سکراشیں اور لالہ کے پھولوں سے بھرے ہوئے گل دان۔ کینٹین میں رات گئے تک گیتوں اور قہقہوں کا شور رہتا ہے۔ اپنے گھروں سے ہزاروں میل دور پڑے ہوئے امریکن اور آسٹریلین فوجی ہر وقت خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر وقت چیخ چیخ کر گاتے رہتے ہیں۔ انسان اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا رکھنے کا کتنا شوقین ہے۔ "ایلس بلو گاؤن" کا ریکارڈ تیزی سے بج رہا ہے۔ یاد ہے "بلو بوائے" کون تھا۔ اللہ!

اچھا اب ختم کرتی ہوں۔ ہمارا نیا میجر ابھی اپنا راؤنڈ لینے کے لئے آنے والا ہے۔ اس نے ابھی مجھے لکھنے پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ یا اللہ! میں اس قدر احمق سی کیوں ہوتی جا رہی ہوں۔ صبح وہ مجھ پر جھکا ہوا میرا ٹمپریچر لے رہا تھا۔ اور میرا جی چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً وہاں سے ہٹ جائے۔ میرے راستے سے الگ ہو جائے۔ اور وہ پھر نئے راگ سُنانے پر نظر آتا ہے۔ اس کی نیلی آنکھیں دیکھ کر مجھے وہ گزرے دن اور پُرانی باتیں اس قدر تیزی سے یاد آنے لگتی ہیں کہ جنھیں میں اس چھ سال کے عرصے میں بھولنے میں خاصی کامیاب ہو چکی ہوں۔ خدا کے لئے شی شی سکراؤ۔"

دس برس پہلے کرسمس کی ایسی ہی برفانی صبح تھی۔ جب رخشندہ بھاگی بھاگی اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اور اس سے کہا تھا "کاہل

بلی اٹھو۔ مہمان آ گئے ہیں۔" اور شاہینہ یہ خبر سنتے ہی لحاف پرے پھینک کر برش سے جلدی جلدی بالوں کو ٹھیک کر ابا جان کے کمرے میں پہونچی تھی جہاں وہ مہمان بیٹھے تھے۔ جو اپنے بچوں کو سینٹ جوزف اکیڈمی میں داخل کرنے کے لئے آئے تھے۔ برامدے میں ڈھیروں اسباب پھیلا پڑا تھا۔ اور ان بچوں کی گوری سی ممی سیاہ فر کے بادے میں لپٹی اس کی امی سے باتیں کر رہی تھیں۔ ان کے ڈیڈی بھی باتوں میں مصروف تھے۔ اور دو بیحد شریر بڑی بڑی نیلی آنکھوں اور بھورے بالوں والے لڑکے بے حد مسکین اور غمگین صورت بنائے ایک ہونڈال پر چڑھے بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک برابر ٹانگیں ہلائے جا رہا تھا۔ اور دوسرا جس کی ناک سردی اور زکام کی وجہ سے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہی تھی رخشندہ کے ہاتھ سے چائے دانی گرانے کی فکر میں تھا جو میز پر جھکی ہوئی چائے بنا رہی تھی۔

"تم نے اپنی بہنوں کو سلام نہیں کیا۔"

"ہم نہیں کیا کرتے لڑکیوں کو سلام۔ ہونھ، احمق گاہریاں۔"

"ہائیں اسلم بری بات۔" ان کے ڈیڈی نے ڈانٹا۔

"اچھا ہم سے دوستی نہیں کرو گے؟ بٹل بوائے بلو۔"

"تمھیں اسکیٹنگ آتی ہے؟ باکسنگ کرو گی؟ ہمیں اپنی بیوقوف گڑیاں دکھاؤ۔" اور بہت جلد وہ چاروں کیڈبری چاکلیٹ کے البم، مکینو، لیڈی سیلنڈ، مکی ماؤس اور ریل کے انجنوں کے ڈھیر میں منہمک

ہو گئے ۔ جیسے ہمیشہ کے ساتھی تھے ۔ اور زندگی بھر اسی طرح ایک ساتھ خوبصورت اور رنگین کھلونوں سے کھیلتے رہیں گے ۔

اسلم نے سینئر کیمبرج فرسٹ گریڈ میں پاس کیا ۔ "بولو ۔ کیا انعام لو گے بتاؤ ؟" رخشندہ نے پوچھا ۔

"ہونہہ بہت انعام دینے چلی ہیں ۔ ذرا شکل تو اپنی آئینہ میں ملاحظہ فرما لیجئے ۔ میں خود تم کو نہ دے ڈالوں گڑیا یا ٹیڈی بیئر گولبن ۔ مانگ کیا مانگتی ہے لڑکی ؟"

"سرتمہارا گدھے کی دُم کہیں کے ۔"

"سر تو فی الحال نہیں دے سکتا ۔ اس کی مجھے خود کافی ضرورت ہے ۔ اور جو چاہے لے لو ۔ اسکیٹس کی بالکل نئی جوڑی خریدی ہے لو گی ؟"

"جی میرے پاس خود ہیں اسکیٹس ۔ آپ اپنے پاس ہی رکھئے اپنے ۔"

"واللہ کیا آپ کے اسکیٹس ہیں ۔ نیلام میں خرید ے تھے نا ۔ اور اسکیٹنگ آپ کس قدر نفیس کرتی ہیں ۔ گویا ۔ موری نیا ڈگمگ ڈولے رے ۔ کرکٹ کھیلتی ہیں تو کرکٹ سکھا کر آپ نے میری جان پر کیا احسان کر دیا ۔ آپ تو مر کر بھی ایک پل اوور نہیں بن سکتے ۔"

"اگر ہمیں پل اوور بننے ہوتے تو پھر خدا نے لڑکیاں کس مصرف کے لیے بنائی تھیں ۔"

نیلوفر اور نرگس کے شگون سے گھرا ہوا راستہ اسی طرح طے ہوتا رہا۔ لیکن اگر منزلیں مختلف نہ ہوتیں تو ستاروں کی راہوں کا یقین کیسے آتا۔

اور اب اتنے برسوں کے بعد شاہینہ پھر اسی سایہ دار روش پر آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی۔ جس پر اس کے دل کا ساتھی کمل اس لئے اس کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا کیونکہ وہ اس کے طبقے اور اس کے فرقے سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ اور اسلم بے دلی سے سیٹی بجاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ اس لئے آ رہا تھا کیونکہ وہ ایک نائٹ کی لڑکی تھی۔ اور وہ اس کے منگیتر کی حیثیت سے کرسمس گذارنے دہرہ دون مدعو کیا گیا تھا۔ پھر وہ آلوچوں کی ٹہنیوں کے نیچے چلتے چلتے یکلخت رک گئی اور اس کی طرف مڑ کے کہنے لگی۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا تم واقعی میرے ساتھ خوش رہ سکو گے"

"کوشش تو کروں گا"۔ اس نے بے تعلقی سے ایک پتہ توڑ کر کہا۔

"اسلم! میں تم سے التجا کرتی ہوں بنگلور واپس چلے جاؤ"

"او ہو رخشندہ پر کرم کرنا چاہتی ہیں آپ۔ بہت جلد اس کا خیال آیا۔ اطمینان رکھو، وہ تم سے ایک اور احسان کی آرزو مند نہیں ہے۔ وہ پوری طرح تندرست ہونے سے پہلے ہی ہسپتال چھوڑ کر کہیں تھک رہے"۔ اسلم نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ ہوا کا جھونکا پتوں مکینیوں لیڈی۔ آتا ہوا نکل گیا۔

اسلم یکایک نہایت تلخی سے بولا "مجھے تم سے نفرت ہے۔ تمہارے گھر والوں سے نفرت ہے۔ سچ کہتا ہوں مجھے اس دن سے تم سے سخت نفرت ہے جب میں نے پہلی مرتبہ بچپن میں تم کو رخشندہ کے ساتھ ایک خادمہ کا سا برتاؤ کرتے دیکھا تھا۔"

وہ پھاٹک تک پہونچ گئے "اچھا اب اجازت ہے۔ خدا حافظ۔"

وہ اپنی ڈاج میں بیٹھا اور وہ زناٹے سے ڈھلوان پر سے اترتی ہوئی کیتھیڈرل کے دوسری طرف جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اور پھر بیگ پائپ اسی طرح بجتا رہا ہوا نے دریچے کا پٹ کھول دیا تھا۔ شاہینہ نے اٹھکر دوبارہ اسے بند کر دیا۔ باہر بارش کے پہلے قطروں سے بھیگی ہوئی سڑک دور تک خاموش اور سنسان پڑی تھی۔ یہ اجنبی راستے نہ معلوم کیوں شروع ہوئے اور کہاں جا کر ختم ہوں گے۔

لیکن گومتی بہتی رہی

نشاط محل ہوسٹل کے ڈرائنگ روم میں پیانو بہت مدھم سُروں میں بج رہا تھا۔ ادما "پنکھڑیوں" کے لئے گربا کی مشق کرواتے کرواتے اچھی طرح تھک چکی تھی۔ سندھ کے کنارے اب توجیون ہارے۔ اب توجیون ——— اکتاہٹ کی انتہا۔ نشاط کا سارا اپر فلور (Upper floor) بالکل خاموش تھا۔ نیچے صرف پیانو بج رہا تھا۔ یا مس لینڈرم اپنے کمرے میں ٹائپ میں مصروف تھیں یا بارش کی ترچھی ترچھی پھواریں اور ہوا کے ریلے گل داؤدی کے پودوں کو جھکائے ڈال رہے تھے۔ اور پھر اسی وقت چیپل (Chapel) کا بھاری سفید دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اور مادرِ مقدس کے مرمریں قدموں

میں روشن شمع کی لَو ہوا کے جھونکوں سے ایک ثانیہ کے لئے بھڑکی اور بجھ گئی۔ لیکن تم ایسے دُنیا جہان سے بیزار کیوں بیٹھے ہو ـــــ کھو خوب بکھ رہی ہو ـــــ خوب بکھ رہی ہو "

"یوں نہیں، واہ۔ ٹھیک سے تعریف کرو"

"ٹھیک سے تعریف کرتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ اللھم زد فزد۔ ان اللہ مع الصابرین ـــــ"

"کتنے گدھے ہو واقعی۔ اب مجھے تم پر غصہ آجائے گا"

"یہ تو تم مجھے ایک لاکھ پندرہ ہزار مرتبہ بتا چکی ہو"

"جی چاہ رہا ہے اٹھا کے کھڑکی سے باہر پھینک دوں تمہیں۔ جانتے بھی ہو کس قدر نفیس افسانہ لکھ رہی ہوں"

"جانتا ہوں وہی ہزاروں برس پرانی لغو داستان۔ ابھی چیپل Chapel کا دروازہ کھلا ہے۔ یقیناً ہیروئن صاحبہ اس میں داخل ہوں گی۔ پھر آپ کچھ میڈونا Medona کی تقدیس، مونالیزا Mona Lisa کے تبسم یا اسی قسم کی خرافات کا تذکرہ کریں گی کہ پڑھنے والے بچارے مرعوب ہو جائیں۔ اس کے بعد کچھ تحلیل نفسی ہوگی۔ کچھ چاندنی لہروں کے ساز پر ایک انگریزی گیت گایا جائے گا۔ ورنہ پھر ادیلے، ہمیلٹن، کلارک ـــــ بیل گاڑیاں ـــــ بنگال ـــــ زوروں پر آرہا ہے غصہ۔ مگر یہ غصہ آنا بھی تو بہت عام بات ہو چکی ہے۔ کوئی جدت پیدا کرو اپنی کہانی میں"

"تو کہاں سے لاؤں جدت؟ دُنیا ہی اتنی پرانی ہو گئی ہے

جو کام یا بات بھی شروع کروں وہ مجھ سے پہلے بچپن کروڑ دفعہ ہو چکی ہو گی۔ اب تمہارے لئے جہانِ نو پیدا کیا جائے۔ بالکل نئے اور انوکھے کردار اس میں آئیں "

"جہانِ نو۔ اووف۔ اس سے زیادہ پرانی بات اور کیا ہو گی روز شام کو یار لوگ کافی ہاؤس میں اکٹھے ہو کر ایک جہانِ نو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں تمہاری سلطانہ آپا تو ایک بے انتہا بصیرت افزا مقالہ اپنی پی، ایچ ڈی کے لئے لکھ رہی ہیں کہ تعمیر بعد از جنگ ———"

"چپو تو، ابھی اپنی اوریجنلٹی originality کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ تمھیں منطق بالکل نہیں آتی ———"

"یہی تو کہہ رہا ہوں بھائی ——— یہ گومتی تو اسی طرح بہتی رہے گی تمہارا انتظام اور تمہارا ماحول تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ تم کتنا ہی اچھلو کودو، قہوہ کی پیالیاں کی پیالیاں ختم کر ڈالو مگر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس پر یاد آیا کہ عسکری ملگرامی اور عزت کے انتقال پر تم لوگ کتنا کتنا روئی تھیں ——— ہائے اب جلوسوں میں ہماری قیادت کرنے کون آئیگا ——— اللہ ذکیہ کیا کریگی بیچاری ——— افوہ! عزت کا نتیجہ صرف ایک ہفتہ بعد نکلا۔ میڈیکل کالج کی برجیوں کی طرف تو دیکھا ہی نہیں جاتا اب تو یہ ——— وہ ——— کیا ——— وہ شعر بھی تو موزوں کیا گیا تھا ——— ع "تذکرہ عسکری مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ ——— اور اگلے سال

cousin

افوہ! کس قدر مغالطہ فائڈ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تمہارے کزن لوگ۔ حد کی حد۔ پارے نے بیزاری کے ساتھ کہا۔ لان پر بیٹھی ہوئی لڑکیاں برامدے کی باتیں سُن سن کر جل رہی تھیں۔ اس وقت کچھ رومان کی موڈ سے نہیں، ورنہ تمہارے ان کمال بھائی کا دماغ ٹھیک کر دیا جاتا۔ خدا کی قسم۔

کمال صاحب کیا کچھ نہ تھے۔ ماہرو گلعذار، وجیہ و شکیل۔ اپنے اندازے کے مطابق جلو میں سینکڑوں ملاحتیں، صباحتیں اور قیامتیں لئے ہوئے بالکل مثنوی بدر منیر دے بے نظیر کا جدید آکسفورڈ یمفلٹ ریڈیو اسٹیشن پر ایک دن ادما سے ملے تو عرض کرنے لگے: "آہ مس شیرا لے۔ آپ کے نقرئی گھنگروؤں کی جھنکار کی خوابناک گونج سے ستارے جھلملا اٹھے شبستانِ حیات کے مدھم اجالے میں ایجنٹا کی ـــــ" ادما گھبرا گئی۔ یہ اسی طرح بولتے چلے جائیں گے اور سعیدہ آپا سمجھیں گی کہ ابھی ریہرسل ختم نہیں ہوئی ثریا۔ رفعت۔ فرخ۔ ادما۔ شیل سب سخت جلتی تھیں اُن سے اپنی Gallantry کا مظاہرہ کرنے کے لئے ہر جگہ موجود ہو جاتے تھے۔ ہسٹری سوسائٹی کی ہفتہ وار میٹنگ، کیمسٹری کلب کا جلسہ، نیو الائف یونین کی پارٹی، افوہ!

اور پھر خاور ـــــ بہت خاموش، بہت سنجیدہ، لڑکیوں کی موجودگی میں ذرا گھبرا جانے والا۔ چائے کے وقت سب کا ایک دوسرے سے بہت پُرتکلف طریقے سے دوبارہ تعارف کرایا گیا۔ تمھیں یاد ہے ثریا

ہمارے دور کے رشتے کے ایک بھائی تھے جو دہرہ دون میں چھٹیاں گزارنے ہمارے ہاں آیا کرتے تھے۔ بیچارے باتیں بہت کرتے تھے۔ لیچپیان چڑ اسنے پر مالی سے پٹ بھی گئے تھے۔ ایک دفعہ ہر بات میں دلچسپی لینے اور دخل دینے کو مستعد رہتے تھے۔ بڑے ہو کر کپتان بننے کی شدید خواہش تھی۔ زو کی سیر کے سخت شوقین تھے۔ ہمارے بھائیوں نے ان کے لئے ایک شعر بھی کہا تھا۔

کریما بہ بخشائے بر حال ما
کہ مرغی کا میجر تو مجھ کو بنا

رفعت کی بدقسمتی سے آپ انڈین پولیس کے مقابلہ میں کامیاب ہو کر یکایک بعید قریبی عزیز ثابت کر دیئے گئے ہیں۔ اور کرسمس بسر کرنے کے لئے انھیں الہ آباد سے پکڑ کر منگوایا گیا ہے۔ ان سے ملو، یہ ہمارے مرغی میجر بھائی ہیں۔

اخاہ، آپ ہیں ثریا بیگم۔ آیئے، آیئے فرخ اور رفی تو آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ثریا بیگم یہ کریم رول تو لیجئے۔ ثریا بیگم سبزے پر جھکے ہوئے گل داؤدی کے گچھے کتنے حسین لگ رہے ہیں۔ ثریا بیگم آپ کا پسندیدہ سٹار رابرٹ ٹایلر تو نہیں۔ ثریا بیگم ـــــ

اُف یہ بیچاری لڑکیاں، اور ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ آپ خود ہی نشانہ بننے کا مکمل ذوق اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور تیر اندازوں سے احتجاج کیا جاتا ہے کہ اگر آپ اس مشغلے سے باز آئیں تو دنیا میں امن قائم ہو جائے

رفعت مرغی میجر بھائی کی ہمیشہ قصیدہ سرائی کرتی رہتی تھی۔ ہمارے کزن جو الہ آباد میں ہیں اس قدر مزیدار ہیں کہ کیا بتاؤں۔ گھر آتے ہیں تو لگتا ہے کہ طوفان آگیا۔ ہر وقت قہقہے، ہنسی مذاق۔ کرکٹ بےحد عمدہ کھیلتے ہیں۔ گورنرز
Philadelphia World's Olympics
الیون میں رہ چکے ہیں۔ ورلڈز اولمپکس میں فلیڈیلفیا گئے تھے۔ اس کے علاوہ بہترین ترقی پسند ادیب ہیں۔ افسانوں کی تعریف میں ان کے پاس لڑکیوں کے اتنے خطوط آتے ہیں کہ اُفوہ۔ اور ڈیٹنگ تو اس قدر ہیں بھئی بس آل راؤنڈر ہیں بالکل ——

مُرغی میجر بھائی گویا قصہ مختصر کسی اپالو کی قسم کے یونانی دیوتا کا پنگوئن ایڈیشن تھے۔ اے میرے نیلے کنول کے دیوتا۔

اس وقت ثریا کو سچ مچ رونا آگیا۔ اس تمہارے مرغی میجر بھائی نے کیوں بھیجا مجھے عید کارڈ۔ کیا سمجھتے ہیں یہ حضرت۔ عید کی رات کو خالہ بی کے گھر سب جمع تھے۔ ثریا بہت دیر سے کوشش کر رہی تھی کہ طوفانی ندی کے اس ریلے کو روک سکے جو کہیں اس کے اندر اُبل رہا تھا۔ جی ہیں محض یہی سمجھا تھا کہ اگر اپنے دوستوں کے ساتھ سائیکلوں پر دلکشا میں مون لائٹ پکنک منانے کے لئے جایا جا سکتا ہے تو ——

—— اووف —— اللہ، اللہ میرے، ثریا ڈریسنگ روم میں جا کر قالین پر منہ چھپا کر اتنا روئی کہ اس کا جی چاہا کہ سارے ٹب اور ساری بالٹیاں اس کے آنسوؤں سے بھر جائیں۔ اور وہ روتی رہے روتی رہے۔ خاموشی سے۔ یہ برداشت سے باہر تھا۔ برابر کے

کمرے میں مرغی میجر نے کیا کہا تھا ابھی ابھی ۔ وہ کمرہ قہقہوں کے شور سے اب بھی گونج رہا تھا۔ علی گڑھ سے راز بھائی آئے ہوئے تھے ۔ اور اٹھلا اٹھلا کر اپنی تازہ غزل سنا رہے تھے ۔

چلا ہوں انھیں قصۂ غم سُنانے
مرے ہوش شاید نہیں ہیں ٹھکانے

مرے ہوش شاید ——— اُف اللہ ان سب لوگوں کے سامنے اس کیلئے کہا گیا ۔ اکرام بھائی اور فرخ اور یہ راز بھائی جنھوں نے اس کی Definition کی تھی کہ اماں اس لڑکی میں شعریت کس قدر ہے ۔ اُف شعریت کی دُم کہیں کے ۔

اور پھر جانتے ہو تا یہ ہندوستانی بورژوا کی ایک Boring سی بے معنی سی داستان ہے ۔ جس میں سماج کا کودنا لازمی اور رٹے شدہ بات ہے ۔ لہٰذا اجناب عالی " سماج " بڑے ٹھاٹھ سے عین موقع واردات پر کود پڑا ۔

کیونکہ پھولوں کی اس رنگین وادی میں رہتی ہوئی ثریا نے نارنجی شگوفوں کے تبسم کی سی آہستگی سے کہا " آؤ " یہ بھول کر کہ اس کی مری ہوئی فرانسیسی ماں کا ماضی کیا تھا ۔ اور یہ بھی کہ معصوم مسرتوں کی یہ ننھی سی بستی اگر اس سخت اور بے حس کرۂ آب و گل سے ٹکرا گئی تو اس کا نتیجہ بہت زیادہ خوش گوار نہ ہوگا ——— اور رخاور آیا ——— یہ جانتے ہوئے کہ ———

خیر ــــ اور افسانہ ڈویلپ منٹ کے تمام مدارج نہایت تیزی سے طے کر کے بہت جلد اینٹی کلائمکس پر اتر آیا۔ اور اینٹی کلائمکس قاعدے کے مطابق ہمیشہ بہت ہی بے مزہ اور ناخوشگوار سی ہوتی ہے۔

وہ دیر تک اندھیرے میں آنکھیں کھولے پڑی رہی۔ آدھی رات کی خنک سی ہوا کے جھونکوں سے دروازوں اور دریچوں کے پردے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے ــ سارا کیمپس سرد چاندنی میں ڈوبا خاموشی کے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اسٹڈی ہال سے واپس آکر برابر کے پلنگ پر آکر ربیکا سونے سے قبل کی دُعا میں مصروف تھی ــــ اے ہمارے آسمانی باپ ــــــ تیری مرضی پوری ہو ــــــ تیری بادشاہت آئے ــــــ!

تیری مرضی پوری ہو۔ اس نے سوچا کہ آسمانی بادشاہت کے دروازے تو اب شاید اس کیلئے ہمیشہ کے واسطے بند ہو جائیں گے۔ اسے ہنسی بھی آگئی کہ وہ کیسی جذباتی بن گئی ہے۔ پھر اسے اپنے اوپر دفعتہً غصہ آگیا۔ تم ہنس کیوں رہی ہو ثریا بیگم؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ تم صحیح الدماغی سے کام لے رہی ہو۔ صحیح الدماغی، افوہ! کتنا بڑا لفظ استعمال کیا ہے۔ تم بہت احمق ہو۔ لیکن ثریا بیگم مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ اس نے بے چینی سے دیوار کی طرف کروٹ لے لی۔ تمہیں تو Adventure کی تلاش تھی۔ اور یہاں وہی پامال شدہ پٹے ہوئے واقعات شروع ہو گئے۔ چاندنی کا ایک ترچھا سا راستہ قالین پہ بچھ گیا

چاندیوکلپٹس کے جھنڈ پر سے تیرتا ہوا نونہال ہوسٹل کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ نیلے جاپانی وازکے برابر رکھا ہوا وینس ڈی میلو کا مجسمہ کرنوں میں جگمگا اٹھا۔ تم اس سفید مجسمے کی طرح بجیں کیوں نہ رہیں؟ کیا ہو گیا تمہیں حقیقت خوفناک طور پر واضح ہوتی چلی گئی۔ وہ کیا کرے —— وہ کیا کرے —— اللہ!

صبح کے دھندلکے میں لینٹرن سروس میں شامل ہونے کے لئے ہاتھوں میں رنگین کاغذی قندیلیں اور للی کے سفید پھول لئے کرسمس کیرل گاتی ہوئی لڑکیاں سارے کالج کیمپس کا چکر لگا کر چیپل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ کرسمس کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ جس میں خدا کے نقرئی پروں اور سرخ ہونٹوں والے فرشتے رحمتوں اور برکتوں کے خوبصورت تحفے لے کر نیلے آسمانوں سے نیچے اترتے ہیں۔ رحمتیں اور برکتیں! ثریا اسی طرح بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ رات بھر وہ سوچتی رہی اور جاگتی رہی۔ جاگتی رہی اور سوچتی رہی اور اب اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔

بہترین نسخہ یہ ہے میرے یار کہ فی الفور کمیشن لے لو اور ٹکٹ کٹاؤ یہاں سے۔ گومتی کے کنارے آم کے سایہ میں بندھی ہوئی ناؤ میں کمال صاحب بیٹھے اپنی زریں رائے کا اظہار کر رہے تھے۔ سر مہاراج سنگھ ابھی نہیں آئے تھے۔ اس لئے ریس شروع ہونے میں دیر تھی۔ کنارے پر بوٹ کلب کے سالانہ Regatta کے ایٹ ہوم کیلئے زور شور سے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ واٹر پولو کے مجاہدین لڑکیوں کو نہایت

بے نیازی کے ساتھ ایک نگاہِ غلط انداز سے دیکھتے ہوئے مشق کے لئے پانی میں کود رہے تھے ۔ شکنتلا علی جعفر صاحب سے دماغ کھپاتے کھپاتے تھک گئی ۔ اور اپنی ناؤ میں آ کر بیٹھ گئی تھی ۔ اور بےفکری سے پانی اچھال رہی تھی ۔ کچھ دیر بعد اکرام بھائی اس کے پاس آ گئے تھے " ہلو مس اچپال کہئے آج کل کی تازہ ترین Gossip کیا ہے ؟ "

شکنتلا کا دل نہ چاہا کہ وہ ثریا کے متعلق اس قسم کی باتیں کرے ۔ اکرام بھائی کو مسکراتا دیکھ کر اسے نہ جانے کیوں ناقابلِ برداشت تکلیف ہوئی

" لیکن کامریڈ اکرام ثریا تو بہت Sensible لڑکی تھی "

" جی ہاں قطعی ۔ آپ کو معلوم ہے حماقت اور عقلمندی کی حدیں بہت ہی اہم سیاسی مقامات پر ملتی ہیں "

" اچھا چلیے اور باتیں کریں ۔ احمد علی دہلی سے آئے ہوئے ہیں ان سے ملئے "

" مجھے نہ بھیجو ندی کنارے ــــــ " یکلخت نہایت تیزی سے لاؤڈ اسپیکر پر ریکارڈ بجنے لگے ۔ فرخ کیمرہ لئے ہوئے سر مہاراج سنگھ سے باتیں کر رہی تھی ۔ صوفے کے پیچھے سے مسعود بھائی گزرے ۔ وہ بوٹ کلب کے کیپٹن تھے ۔ انھوں نے فرخ کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں ۔ فرخ بی بی جانتی ہو کیا ہو رہا ہے ۔ فرخ نے بےچینی سے کیمرے کا فیتہ اپنے ہاتھوں میں لپٹنا شروع کر دیا ۔ اور وائس چانسلر کی میز کی طرف جھک گئی ۔ جیسے اس نے کہا کہ ہاں مسعود بھائی میں جانتی ہوں ۔

بھئی ۔ اللہ کرے مرغی میجر بھائی کو ڈاکو پکڑ لے جائیں اور اکرام بھائی ۔۔۔ اکرام بھائی قہوے کی پیالی میں ڈوب کر خودکشی کر لیں ۔ چند کہیں گے۔

دیوار میں سرخ روشنی جل اٹھی اور ریہرسل شروع ہو گئی ۔

پکچرز سے واپسی پر مرغی میجر بھائی نے ذرا تنبیہاً اس سے کہا کہ یہ تم لوگ کیسے کیسے فضول امیچیوں اور لفنگوں سے ملنے لگی ہو تو رفعت کو بہت ہی برا لگا ۔ اس نے ذرا تیزی سے جواب دیا کہ اکرام بھائی قطعی فضول اور اینچی اور لفنگے نہیں ہیں حالانکہ جس روز اکرام بھائی یہ کہتے ہوئے پائے گئے تھے کہ کامریڈ سلطانہ کی بہنوں میں سب سے زیادہ Chic لڑکی رفعت ہے ۔ باتیں کرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے ستار پر امین کلیان کا الاپ بج رہا ہے ۔ ہنستی ہے تو کلیاں کھل جاتی ہیں ۔ جنتا کی بجید ہمدرد ہے ۔ ہر ہفتے قومی جنگ خریدتی ہے ۔ وغیرہ ۔ تو اس کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی تھی کہ دوتارہ بجاتی ہوئی جنگلوں کو نکل جائے ۔ اس روز نیو انڈیا کافی ہاؤس میں یوم استالین گراد منانے کے سلسلہ میں ایک پارٹی تھی ۔ جہاں سلطانہ آپا نے پہلی مرتبہ اس کا تعارف اس سے کرایا تھا ۔ اور رفعت کے اندازے کے مطابق وہ اعلیٰ درجے کے Bore ثابت ہوئے تھے ۔ جن کی موجودگی یہ احساس دلاتی تھی کہ کہیں سے مار کھا کے یا چوری کر کے آئے ہیں ۔ اور اب کورٹ مارشل ہونے والا ہے ۔ نہایت خزاں دیدہ ستم رسیدہ، دنیا جہان سے بیزار ۔ روس و چین میں مبتلا ۔ شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی پٹ کر

آئے ہیں یا پٹ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود قومی جنگ کا پروپیگنڈا کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ اور اب —
مرغی میجر بھائی نے حضرت گنج کے چوراہے پر کار کی رفتار دھیمی کر کے گیئر بدلتے ہوئے پھر کہا کہ تم نے کبھی ذرا سی عقل بھی استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو اس نے ایک زبردست سی اونہہ کی اور بارش کی پھوار سے بچنے کے لئے کھڑکیوں کے شیشے چڑھانے میں مصروف ہو گئی۔ مادام حوا کی بیٹیوں نے ورثے میں کتنی بہت سی بیوقوفیاں حاصل کی ہیں۔ وہ جو آدم کے مغرور بیٹوں کا مذاق اڑانا چاہتی ہیں۔

"ایک آپ کی تقدیس مجسم ثریا صاحبہ ہیں جنھیں میں نے محض یونہی تفریحاً عید کارڈ بھیج دیا تو ——"

"خدا کے لئے مرغی میجر بھائی خاموش رہیے۔"

بارش تیزی سے ہونے لگی۔

شدتِ احساس کا بوجھ دبائے ڈال رہا تھا۔ پھر بھی وہ سب خاموش تھے۔ کیا کہیں، کیا کریں۔ زندگی سے کچھ عجیب سی نفرت ہو چلی تھی۔

بارش اسی طرح ہوتی رہی۔ پانی سے لدی ہوئی ہوائیں جھیل کی یخ بستہ سفید دیواروں سے ٹکراتی ہوئی نکل گئیں۔ مادرِ خداوند نے خاموشی سے کہا۔ افسوس میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکی۔ اور انھوں نے اپنی بڑی بڑی معصوم آنکھیں جھکا لیں اور ان کا مجسمہ

دُھندلکے میں ڈوب گیا۔

لیکن سعیدہ آپا نے زیادہ خوبصورت الفاظ میں اس کو خدا حافظ کہا اور جلد ملنے کی امید ظاہر کی۔ اور لندن ہاؤس کے سامنے سے اُتار دیا۔ پھر ان کی سُرمئی بیوک چھینٹے اُڑاتی ایبٹ روڈ کی طرف مُڑ گئی۔
لیکن اصلیت اتنی خوبصورت نہ تھی۔ بارش سے پناہ لینے کے لئے جو امریکن اور گورے لندن ہاؤس میں کھڑے سگریٹ کا بھیگا بھیگا دھواں اڑا رہے تھے ان کی سیٹیاں تیزی سے اس کے کان میں گھُس کر کہہ رہی تھیں۔ ثریا بیگم مسز داس نے اپنے خط میں تم سے درخواست کی ہے کہ تم مہربانی سے اپنے گھر چلی جاؤ۔ (کیونکہ فلسفے عمرانیات اور اخلاقیات کی تمام موٹی موٹی کتابیں اپنے دماغ میں ٹھونس لینے کے باوجود تم نے ایک نہایت ناشائستہ حرکت کی ہے۔ لہٰذا تمہیں ایکسپل کر دیا گیا ہے۔ یعنی تمہیں کالج سے نکال دیا گیا ہے) پھر وہ دیر تک دوکانوں کے آگے کے برامدے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی اور پھر تھک کر انڈیا کافی ہاؤس کے پہلو کے خالی زینے کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ کاش، کاش!
If wishes were horses beggars would ride. اچھا کاش تانگہ ہی مل جائے۔ بس ایک تانگہ۔

"چاند باغ چلئے گا بابا؟ آیئے!"

حالانکہ اس تانگہ والے کو جو ابھی ابھی ایک امریکن کو کافی ہاؤس پر اُتار کر اس کی طرف مڑا تھا۔ یہ معلوم تھا کہ عام طور پر ایسی بھیگی ہوئی سی

خاموش دوپہر کے وقت چاند باغ کی بابا لوگ حضرت گنج میں نہیں ٹہلا کرتیں۔ اور پھر ہوا کے تھپیڑوں کے سہارے تانگہ چاند باغ کی طرف بڑھنے لگا ـــــ آرٹ اینڈ کریفٹس ایمپوریم ـــــ لیلا رام ـــــ پلازا ـــــ نیوانڈیا کافی ہاؤس ـــــ مے فیئر ـــــ بلوشیا کورٹ ـــــ فرینچ موٹرز ـــــ جہانگیر آباد پیلیس ـــــ موتی محل برج ـــــ یونیورسٹی ـــــ اور گھر ـــــ وہ گھر پہونچ گئی۔

لیکن گھر وہاں نہیں تھا۔ یعنی پھوپی اماں تبدیل آب و ہوا کے لئے دہرہ دون چلی گئی تھیں۔ اختلاج قلب کی مریض تھیں۔ اور مسعود بھائی کو امپیریل ٹوبیکو میں نوکری مل گئی تھی۔ وہاں سے تار آیا تھا۔ اور وہ کلکتہ چلے گئے تھے۔ پھوپھا جان تو خیر ہمیشہ رہتے ہی دورے پر تھے۔

جاڑے کی مہاوٹیں تھیں تیزی سے برس کر بہت جلد کھل گئیں۔ اور بادل چھٹ جانے پر دُھلا دُھلایا نیلا آسمان بہار کی آمد کا پیغام دینے لگا۔ چارباغ کے پلیٹ فارم نمبر ۳ پر ٹہل ٹہل کر چوکلیٹ کھاتی ہوئی رخشت یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ پھولوں کا موسم اب زیادہ دور نہیں دہرہ دون میں مالی نے اس کی کوٹھی کے باغ کی بہار کے لئے صفائی ابھی سے شروع کر دی ہو گی۔ پھر مرغی میجر بھائی بھی آجائیں گے۔ پھر سب معاملہ ٹھیک ہے۔ فٹ ـــــ فٹ ـــــ بالکل ـــــ وہ بہت خوش تھی۔ وھیلر بک سٹال پر قومی جنگ کا تازہ پرچہ خرید کر پھر اُسے

وہیں پہنچی آئی تھی ۔ اس میں لکھا تھا کہ کامریڈ اکرام نے کامریڈ سلطانہ کے ساتھ شادی کرلی ہے ۔ اور دونوں بنگال کے دورے سے واپس آکر اب بمبئی میں گاندھی جناح مصالحت کو کامیاب بنانے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کی فکریں ہیں ۔ جزاک اللہ ! رفعت نے اس پرچے کے بجائے اس مہینے کا فلم انڈیا خرید لیا ۔ اور سوچنے لگی کہ سود ا برا نہیں رہا ۔

اور چار رباغ جنکشن کے شور وغل سے دور باہر کی طرف وہ چھوٹا سا پلیٹ فارم خاموشی اور دھند میں ڈوبا ہوا تھا ۔ جہاں سے رات کے اندھیرے میں فوجیوں کی ریلیں اپنی نامعلوم منزل کی طرف روانہ کی جاتی ہیں ۔ اور اس پلیٹ فارم پر سے ایک ٹرین ابھی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی دور دھند لکے میں کھوچکی تھی ۔ اور بجلی کے کھمبے کا سہارا لیئے تین پنجابی سپاہی سگریٹ کا دھواں اُڑا رہے تھے ۔ اور لایعنی باتیں کرکے یا اپنی پسند کا گیت گنگنا کر اس وقت کو کاٹنا چاہتے تھے جو انھیں اپنی ریل کے انتظار میں وہاں گزارنا تھا ۔ ایک بنگالی فوجی مستری بھی وہاں آبیٹھا تھا

"یار ! مگر ہمارے کیپٹن صاحب نے بھی غضب ہی کر دیا ۔ دل توڑ دیا ظالم نے ہائے ہائے "

"ہاں جی تو شادی شودی اس نے کیا کرنی تھی ۔ یہ تو ان چھوکریوں سے پوچھو کہ اتنا پڑھ لکھ کر یوں بیوقوف بنتی ہیں "

"یس مگر استری کا من بڑا وُنڈرفل چیز ہے ۔ چاہے کیسا ہی کالج

یا ولایت پاس ہو جائے، چاہے بالکل ان پڑھ۔ پر تم اس کا دل کا بات نہیں سمجھ سکتا۔"

"اماں جاؤ بھی بابوجی۔ یہاں تو یہ جانتے ہیں کہ یہ ہم کو اُتو بنانے کی کوشش کرتی ہیں اور خود اُتو بنتی ہیں۔"

"اور پھر آجکل ایک سے ایک کالج گرلیں ماری ماری پھرتی ہیں۔ خود ہمارے کمانڈنگ صاحب ایک دفعہ ——"

اور بہت دور گومتی کے اس پار، نشاط ہوسٹل کے ڈرائنگ روم میں اوما شیرالے نے ناچتے ناچتے تھک کر گھنگرو اتار کر ایک طرف پھینک دیئے اور خود صوفے پر گر گئی۔ اور گریا کے گیت کی لہریں شام کے سناٹے میں کھو گئیں —— سندھ کے کنارے —— اب تو جیون ہارے —— اب تو جیون ——

ستاروں سے آگے

کرتار سنگھ نے اونچی آواز میں ایک اور گیت شروع کر دیا۔ وہ بہت دیر سے وہی ایک ماہیا الاپ رہا تھا۔ جس کو سنتے سنتے حمیدہ کرتار سنگھ کی پنکج جیسی تانوں سے، اس کی خوبصورت داڑھی سے، ساری کائنات سے اب اس شدت کے ساتھ بیزار ہو چکی تھی کہ اسے خوف ہو چلا تھا کہیں وہ سچ مچ اس خواہ مخواہ کی نفرت و بیزاری کا اعلان نہ کر بیٹھے۔ اور کامریڈ کرتار ایسا سوئیٹ ہے فوراً بُرا مان جائیگا۔ آج کے بیچ میں اگر وہ شامل نہ ہوتا تو باقی کے ساتھی تو اس قدر سنجیدگی کے موڈ میں تھے کہ حمیدہ کو زندگی سے اکتا کر خودکشی کرنی پڑ جاتی۔ کرتار سنگھ

گڈو گراموفون تک ساتھ اٹھا لایا تھا۔ ملکہ پکھراج کا ایک ریکارڈ تو کیمپ ہی میں ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن خیر۔

حمیدہ اپنی سرخ کناری والی ساری کے آنچل کو شانوں کے گرد بہت احتیاط سے لپیٹ کر ذرا اور اوپر کو ہو کے بیٹھ گئی جیسے کامریڈ کرتار کے ماہیا کو بے حد دلچسپی سے سن رہی ہے۔ لیکن نہ معلوم کیسی الٹی پلٹی الجھی الجھی بے تکی باتیں اس وقت اس کے دماغ میں گھسی آ رہی تھیں۔ وہ "جاگ سوز عشق جاگ" والا بیچارہ ریکارڈ شکنتلا نے توڑ دیا۔

افوہ بھئی۔ بیل گاڑی کے ہچکولوں سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا۔ اور ابھی کتنے بہت سے کام کرنے کو پڑے تھے۔ پورے گاؤں کے ہیضے کے ٹیکے لگانے کو پڑے تھے۔ توبہ! کامریڈ صبیح الدین کے گھونگریالے بالوں کے سر کے نیچے رکھے ہوئے دواؤں کے بکس میں سے نکل کے دواؤں کی تیز بو سیدھی اس کے دماغ میں پہونچ رہی تھی۔ اور اسے مستقل طور پر یاد دلائے جا رہی تھی کہ زندگی واقعی بہت ہی تلخ اور ناگوار ہے ——— ایک گھسا ہوا، بیکار اور فالتو سا ریکارڈ۔ جس میں سوئی کی ٹھیس لگتے ہی وہی مدھم اور لرزتی ہوئی تانیں بلند ہو جاتی تھیں۔ جو نغمے کی لہروں میں قید رہتے رہتے تھک چکی تھیں ——— اگر اس ریکارڈ کو جو مدتوں سے ریڈیو گرام کے نچلے خانہ میں تازہ ترین البم کے نیچے دبا پڑا تھا زور سے زمین پر پٹخ دیا جاتا تو حمیدہ خوشی سے ناچ اٹھتی۔ کتنی بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو وہ چاہتی تھی کہ دنیا میں نہ ہوتیں تو کیا مزہ

رہتا ــــــ اور اس وقت تو ایسا لگا جیسے سچ مچ اس نے ــــــ
"I dreamt I dwelt in marble halls"
والے گھسے ہوئے ریکارڈ کو فرش پر پٹخ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔ اور جھک کر اس کی کرچیں چنتے ہوئے اسے بہت ہی لطف آ رہا ہے ۔ عنابی موزیک کے اس فرش پر جس پہ ایک دفعہ ایک ہلکے پھلکے فوکس ٹروٹ میں بہتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ بس زندگی سمٹ سمٹا کے اس چمکیلی سطح ان زرد پردوں کی رومان آفریں سلوٹوں اور دیواروں میں سے جھانکتی ہوئی ان مدھم برقی روشنیوں کے خواب آلود دھندلکے میں سما گئی ہے ۔ ــــــ یہ تپش انگیز جاز یونہی بجتا رہے گا ۔ اندھیرے کونوں میں رکھے ہوئے سیاہی مائل سبز فرن کی ڈالیاں ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں میں اسی طرح جھکولے کھاتی رہیں گی ۔ اور ریڈیو گرام میں ہمیشہ پولکا اور رمبا کے نئے نئے ریکارڈ لگتے جائیں گے ــــــ یہ تھوڑا ہی ممکن ہے کہ جو باتیں اسے قطعی پسند نہیں وہ بس ہوتی ہی چلی جائیں ــــــ ریکارڈ گھستے جائیں اور ٹوٹتے جائیں ــــــ

ــــــ لیکن یہ ریکارڈوں کا کیا فلسفہ ہے آخر ــــــ حمیدہ کو ہنسی آ گئی ۔ اس نے جلدی سے کرتار سنگھ کی طرف دیکھا ۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اس کے گانے پر ہنس رہی ہے ۔

کامریڈ کرتار گائے جا رہا تھا ۔ وس وس دے ڈھولنا ۔ ...

اُف ! یہ پنجابی کے بعض الفاظ کس قدر بھونڈے ہوتے ہیں ۔ حمیدہ ایک

ہی طریقے سے بیٹھے بیٹھے تھک کے بالش کے سہارے آگے کی طرف جھک گئی۔ بہتی ہوئی ہوا میں اس کا سرخ آنچل پھڑپھڑائے جارہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اُسے چمپئی رنگ کی ساری بہت سوٹ کرتی ہے۔ اس کے ساتھ کے سب لڑکے کہا کرتے تھے کہ اگر اس کی آنکھیں ذرا اور سیاہ اور ہونٹ ذرا اور پتلے ہوتے تو وہ ایشیائی حسن کا بہترین نمونہ بن جاتی۔ یہ لڑکے عورتوں کے حسن کے کتنے قدردان ہوتے ہیں ——— یونیورسٹی میں ہر سال کس قدر چھان بین اور تفصیلات کے مکمل جائزے کے بعد لڑکیوں کو خطاب دیئے جاتے تھے۔ اور جب نوٹس بورڈ پر سالِ نو کے اعزازات کی فہرست لگتی تھی تو لڑکیاں کیسی بے نیازی اور خفگی کا اظہار کرتی ہوئی اس کی طرف نظر کئے بغیر کوریڈور میں سے گزر جاتی تھیں۔ کمبخت سوچ سوچ کے کیسے مناسب نام ایجاد کرتے تھے: "عمر خیام کی رباعی" "دہرہ ایکسپریس" "بال آف فائر" "*It's Love I'm after*" "نقوشِ چغتائی" "بلڈ بنک"

"گاڑی دھچکے کھاتی چلی جارہی تھی: کیا بجا ہوگا کامریڈ؟"

گاڑی کے پچھلے حصے میں سے منظور نے جمائی لیکر جتندر سے پوچھا۔

"ساڑھے چار ——— ابھی ہمیں چلتے ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا"۔ جتندر اپنا چارخانہ کوٹ گاڑیبان کے پاس پرال پر بچھائے۔ کہنی پر سر رکھے چُپ چاپ پڑا تھا۔ شکنتلا بھی شاید سونے لگی تھی۔ حالانکہ وہ بہت دیر سے اس کوشش میں مصروف تھی کہ بس ستاروں کو دیکھتی رہے

وہ اپنے پیر ذرا اور نہ سکیڑ پی تی لیکن پاس کی جگہ کامریڈ کرتار نے گھیر رکھی تھی۔ شکنتلا بار بار خود کو یاد دلا رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں اتنی سی بھی نیند نہیں گھسنی چاہیئے۔ ذرا دیسی یعنی نامناسب سی بات ہے ـــــ لیکن دھان کے کھیتوں اور گھنے باغوں کے اوپر سے آتی ہوئی ہوائیں کافی خنکی آچلی تھی۔ اور ستارے مدھم پڑتے جارہے تھے "بس بس وے ڈھولنا" اور اب کرتار سنگھ کا جی بے تحاشا چاہ رہا تھا کہ اپنا صافہ اتار کے ایک طرف ڈال دے۔ اور ہوائیں ہاتھ پھیلا کے ایک ایسی زوردار انگڑائی لے کہ اس کی ساری تھکن، کوفت اور درماندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں کھو جائے۔ یا صرف چند لمحوں کے لئے دوبارہ وہی انسان بن جائے جو کبھی جہلم کے سنہرے پانیوں میں چاند کو ہلکورے کھاتا دیکھ کر امر جیت کے ساتھ پنچھی کی سی تانیں اڑایا کرتا تھا ـــــ یہ لمحے جب کہ تاروں کی بھیگی بھیگی چھاؤں میں بیل گاڑی کچی سڑک پر گھسٹتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی ـــــ اور جبکہ سارے ساتھیوں کے دلوں میں ایک بیمار سا احساس منڈلا رہا تھا کہ پارٹی میں کام کرنے کا آتشیں جوش و خروش کب کا بجھ چکا ہے۔

ہوا کا ایک بھاری سا جھونکا گاڑی کے اوپر سے گذر گیا ـــــ اور صبیح الدین اور جتندر کے بال ہوا میں لہرانے لگے۔ لیکن کرتار سنگھ لیڈیز کی موجودگی میں اپنا صافہ کیسے اتارتا ـــــ اس نے ایک لمبا سانس لیکر دوائیوں کے بکس پر سر ٹیک دیا۔ اور ستاروں کو تکنے لگا ـــــ

ایک دفعہ شکنتلا نے اس سے کہا تھا۔ کہ کامریڈ تم اپنی داڑھی کے باوجود کافی ڈیشنگ لگتے ہو۔ اور یہ کہ اگر تم ایئر فورس میں چلے جاؤ تو اور بھی Killing لگنے لگو۔

اُف یہ لڑکیاں ——

"کامریڈ سگریٹ لو۔" صبیح الدین نے اپنا سگرٹوں کا ڈبہ منظور کی طرف پھینک دیا۔ جتیندر اور منظور نے ماچس کے اوپر جھک کے سگریٹ سلگائے۔ اور پھر اپنے اپنے خیالوں میں کھو گئے۔ صبیح الدین ہمیشہ عبداللہ اور کریون اسے پیا کرتا تھا۔ عبداللہ تو بلکہ اب ملتا بھی نہیں۔ صبیح الدین ویسے بھی بہت ہی رئیسانہ عادات کا مالک تھا۔ اس کا باپ تو ایک بہت بڑا تعلقہ دار تھا۔ اس کا نام کتنا اسمارٹ اور خوبصورت تھا۔ صبیح الدین احمد —— مخدوم زادہ راجہ صبیح الدین احمد خاں اوفوہ —— اس کے پاس دو بڑی بڑی چمکدار موٹریں تھیں ایک موریس اور ایک ڈی۔ کے۔ ڈبلیو۔ لیکن کنگ جارجز سے نکلتے ہی آئی۔ ایم۔ ایس میں جانے کے بجائے وہ پارٹی کا ایک سرگرم ورکر بن گیا تھا۔ حمیدہ ایسے آدمیوں کو بہت پسند کرتی تھی۔ آئیڈیل قسم کے —— لیکن اگر یہ صبیح الدین اپنی موریس کے اسٹیئرنگ پر ایک بازو رکھ کے اور جھک کے اس سے کہتا کہ حمیدہ مجھے تمہاری سیاہ آنکھیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ بہت ہی زیادہ —— تو وہ یقیناً اسے ایک زوردار تھپڑ رسید کرتی۔ ہونھ۔ دیز ایڈیٹس!

These idiots

صابن کے رنگین بلبلے !

کرتار سنگھ خاموش تھا۔ سگریٹ کی گرمی نے منظور کی تھکن اور افسردگی ذرا دور کر دی تھی۔ ہوا میں زیادہ ٹھنڈک آ چلی تھی۔ جتندر نے اپنا چارخانہ کوٹ کندھوں پر ڈال لیا۔ اور پرانی پرال میں ٹانگیں گھسا دیں۔ منظور کو کھانسی اٹھنے لگی "کامریڈ تم کو اتنے زیادہ سگریٹ نہیں پینے چاہئیں" شکنتلا نے ہمدردی کے ساتھ کہا۔ منظور نے اپنے مخصوص انداز سے زبان پر سے تمباکو کی پتی ہٹائی۔ اور سگریٹ کی راکھ نیچے جھٹک کر دور باجرے کی لہراتی ہوئی بالوں کے پرے افق کی سیاہ لکیر کو دیکھنے لگا —— یہ لڑکیاں —— !! طلعت کیسی فکرمندی سے کہا کرتی تھی "منظور تمھیں سردیوں بھر ٹانک استعمال کرنے چاہئیں اسکاٹس ایملشن یا ریڈیو مالٹ یا آسٹو مالٹ —— طلعت ایرانی بلی! پہلی مرتبہ جب بوٹ کلب کے Regatta میں ملی تھی تو اس نے۔ "اوگوش! تو آپ جرنلسٹ ہیں —— اور اوپر سے کمیونسٹ بھی۔ اوفوہ!" اس انداز سے کہا تھا کہ ہیڈی لیمار بھی رشک کرتی۔ پھر، آخری بار، جب خوابوں کی بستیاں بس کے اجڑ چلی تھیں۔ اس نے دور سے منظور کو مرمریں ستون کے پاس بام کے پتوں کے نیچے بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ اور اس کی طرف آئی تھی —— کتنی ہمدرد تھی وہ ——

یقیناً اس نے پوچھا تھا —— !

"ہلو چائلڈ۔ ہاؤ از لائف ؟

"Aske me another" منظور نے کہا تھا۔

"اللہ! لیکن یہ تم سب کو آخر کیا ہو گیا ہے" فکر جہاں کھائے جا رہی ہے۔ مرے جا رہے ہیں۔ سچ مچ تمہارے چہروں پر تو نحوست ٹپکنے لگی ہے —— کہاں کا پروگرام ہے ——؟ مسوری چلتے ہو پُرلطف سیزن رہے گا اب کی دفعہ —— بنگال ——؟ ارے ہاں بنگال۔ ٹھیک تو ہے۔ ہاں میری بہترین خواہشیں اور دُعائیں تمہارے ساتھ ہیں —— پھر زچلوگے؟ "جین آئر" اس قدر غضب کی ہے گوش!" پھر وہ چلی گئی۔ پیچھے کافی کی مشین کا ہلکا ہلکا شور اسی طرح جاری رہا۔ اور دیواروں کی سبز روغنی سطح پر آنے جانے والوں کی پرچھائیاں رقص کرتی رہیں۔ اور پھر کلکتہ آنے سے ایک روز قبل منظور نے سُنا کہ وہ اصغر سے کہہ رہی تھی —— "ہونہہ —— منظور ——؟"

صبیح الدین ہلکے ہلکے گنگنا رہا تھا —— "کہو تو ستاروں کی شمعیں بجُھا دیں" ستاروں کی شمعیں بجھا دیں —— یقیناً! بس کہنے کی دیر ہے —— حمیدہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ بکھر کے رہ گئی —— دور دریا کے پُل پر سے گھڑگھڑاتی ہوئی ٹرین گزر رہی تھی۔ —— اس کے ساتھ ساتھ روشنیوں کا عکس پانی میں ناچتا رہا۔ جیسے ایک بلوری میز پر رکھے ہوئے چاندی کے شمعدان جگمگا اٹھیں۔

چاندی کے شمعدان اور انگوروں کی بیل سے چھپی ہوئی بالکونی ——
آئس کریم کے پیالے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور برقی پنکھے تیزی
سے چل رہے تھے۔ پیانو پر بیٹھی ہوئی وہ اپنے آپ کو کسی طربیہ کی ہیروئن
سمجھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ Little Sir Echo how do
you do, Hello, hello wont you come
over & dance with me. پھر رافے اسٹیرنگ پر
ایک بازو رکھ کر رابرٹ ٹائیلر کے انداز سے کہتا تھا "حمیدہ تمہاری یہ
سیاہ آنکھیں مجھے بہت پسند ہیں —— بہت ہی زیادہ ——"
یہ "بہت ہی زیادہ" حمیدہ کے لئے کیا نہ تھا۔ اور جب وہ سیدھی
سڑک پر پینتالیس کی رفتار سے کار چھوڑ رہی I dreamt
شروع کر دیتا تو حمیدہ I dwelt in marble halls.
کو یہ سوچ کر کتنی خوشی ہوتی اور کچھ فخر سا محسوس ہوتا کہ رافے کی ماں موزارٹ
کی ہم وطن ہے —— آسٹرین —— اس کی نیلی چھلکتی ہوئی آنکھیں
اس کے نارنجی بال —— اُف اللہ —— ! اور کسی گھنے ناشپاتی
کے درخت کے سایہ میں کار ٹھہر جاتی اور حمیدہ جام کا ڈبہ کھولتے ہوئے
سوچتی کہ بس میں بسکٹوں پر جام لگاتی رہوں گی۔ رافے انھیں کترتا
رہے گا۔ اس کی بیوک پینتالیس کی رفتار پر چلتی جائیگی۔ اور یہ چناروں
سے گھری ہوئی سڑک کبھی ختم نہ ہوگی۔
لیکن ستاروں کی شمعیں آپ سے آپ ہی بجھ گئیں —— اندھیرا

چھا گیا۔ اور اس اندھیرے میں بیل گاڑی کی لالٹین کی بیمار روشنی ٹمٹما رہی تھی۔

ہو لا لا لا ——— دور کسی کھیت کے کنارے ایک کمزور سے کسان نے اپنی پوری طاقت سے چڑیوں کو ڈرانے کے لئے ہانک لگائی گاڑی بان اپنے مریل بیلوں کی دُمیں مروڑ مروڑ کر انھیں گالیاں دے رہا تھا۔ اور منظور کی کھانسی اب تک نہ رُکی تھی۔

حمیدہ نے اوپر دیکھا ——— شبنم آلود دھندلکے میں چھپے ہوئے افق پر ہلکی ہلکی سفیدی پھیلنی شروع ہوگئی تھی ——— کہیں دور کی مسجد میں سے اذان کی تھرائی ہوئی صدا بلند ہو رہی تھی۔ حمیدہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اور غیر ارادی طور پر آنچل سے سر ڈھک لیا۔

جلندرا اپنے چار خانہ کوٹ کا تکیہ بنائے شاید لیڈن کو اور ٹوا ور سو ہو کے خواب دیکھ رہا تھا ——— مائیرا ——— ڈونا مائیرا ——— حمیدہ کی ساری کے آنچل کی سُرخ دھاریاں اس کی نیم وا آنکھوں کے سامنے لہرا رہی تھیں ——— یہ سرخیاں ——— یہ تپتے ہوئے مہیب شعلے ——— جن کی جلتی ہوئی تیز روشنی آنکھوں میں گھس جاتی تھی۔ اور جن کے لرزتے کپکپاتے سایوں کے پس منظر میں گرم گرم راکھ کے ڈھیر رات کے اڑتے ہوئے سناٹے میں اس کے دل کو اپنے بوجھ سے دبائے ڈال رہے تھے ——— مائیرا۔ اس کے نقرئی قہقہے۔ اس کا گٹار۔ اکھڑی ہوئی ریل کی پٹریاں اور ٹوٹے ہوئے کھمبے ——— سانتا کلاوڈ کا

وہ چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن جس کے خوبصورت پلیٹ فارم پر ایک اتوار کو اس نے سُرخ اور زرد گلاب کے پھول خریدے تھے ـــــ وہ لطیف سا، رنگین سا سکون جو اسے مائیرا کے نارنجی بالوں کے ڈھیر میں ان سُرخ شگوفوں کو دیکھ کے حاصل ہوتا تھا ـــــ

وہ تھک کے گٹار سبزے پر ایک طرف پھینک دیتی تھی۔ اور اسے محسوس ہوتا تھا کہ ساری کائنات سرخ گلاب اور ستارہ ہائے سحری کی کلیوں کا ایک بڑا سا ڈھیر ہے۔

لیکن تاکستانوں میں گھرے ہوئے اس ریلوے اسٹیشن کے پرخچے اڑ گئے اور طیاروں کی گڑگڑاہٹ اور طیارہ شکن توپوں کی گرج میں شوبرٹ کے "Rosemonde" کی لہریں اور گٹار کی رسیلی گونج کہیں بہت دور فیڈ آؤٹ ہو گئی۔

اور حمیدہ کا آنچل صبح کی ٹھنڈی ہوا میں پھٹپھٹاتا رہا۔ اس سرخ پرچم کی طرح جسے بلند رکھنے کے لئے جد وجہد اور کشمکش کرتے کرتے وہ تھک چکا تھا ـــ اکتا چکا تھا ـــــ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"سگریٹ لو بھئی"۔ صبیح الدین نے منظور کو آواز دی۔

"اب کیا بج گیا ہو گا ـــــ؟" شکنتلا بہت دیر سے زیرِ لب بھیرو کا "جاگو موہن پیارے" گنگنا رہی تھی۔

حمیدہ سڑک کی ریکھائیں گن رہی تھی۔ اور کرتار سنگھ سوچ رہا

تھا کہ "وس دس دے ڈھولنا" پھر سے شروع کر دے۔
گاؤں ابھی بہت دُور تھا۔

آہ اے دوست

غمِ روزگار کو بھلا دینے کے لئے آؤ اور ینج اسکوئیش پئیں۔ کچھ طلسماتی خوابوں کی باتیں کریں۔ تم یونہی بیٹھے بیوقوف بنتے رہو تو مجھے زیادہ اچھے لگو گے۔ بڑا اچھا مشغلہ ہے۔ ان سبز پردوں کی دوسری طرف انگور کی بیلوں سے ڈھکے ہوئے برامدے میں مہادیو جی اپنی کلاس لے رہے ہیں۔ ایک دو تین چھنن چھنن چھنن۔ کلاسیکل رقص دیکھو گے۔ خداؤں کا اپنا محبوب شغل۔ جگمگاتے تاروں کے پرے۔ ہمالیہ کی بلندیوں پر رہنے والے حسین خداؤں کے کھیل بہت پُرلطف اور انوکھے ہوتے ہیں۔ برج باسیوں میں شام، برج باسیوں میں شام، بنسری بجانے

جا۔ بجائے جا۔ واللہ۔ کیا کیا نظمیں لکھتی ہے، تم لوگوں کی قوم۔ بیٹھے بیٹھے جا رہے ہیں وہی پرانی باتیں۔ سایوں کا ناچ دیکھو گے۔ وہ سامنے دیوار کی روپہلی سطح پر نارنجی اور قرمزی دھبے اندھیرے میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ یہ دریا میں ڈوبتے سورج کی کرنوں کا الوداعی رقص ہے۔ کاش تم سدھیر یا ادیا ماما کر ہوتے۔ ہائے جمالیاتی حس کا فقدان اور بدذوقی کی فراوانی ـــــ کیا کروں ـــــ کہاں جاؤں بیچاری میں ؟

ایک دو۔ ایک دو۔ تال کہروا۔ جمنا کنارے رہا، جمنا کنارے راما ناچیں سُر رنگ بالا۔ ٹٹ ٹٹ۔ چُپ دیوتاؤں کی لڑکیاں جمنا کنارے ناچ رہی ہیں۔ تم مہادیو جی سے ملے۔ مانی پور کی ہری ہری وادیوں کے اپنے بیٹے۔ کہتے ہیں زندگی ایک رقصِ مسلسل ہے۔ فکر کاہے کی۔ چھنن چھنن۔ تیز کر دیئے۔ مہادیو برمن مہاراج اصل فن کار ہیں۔ ہندوستان کے فن کار۔ ٹٹ ٹٹ۔ شانتی نکیتن میں ملازم تھے۔ گورودیو کی موت کے بعد دادا نے الموڑے بلا لیا۔ اور اب تو کلچر سنٹر بھی ختم ہو گیا ہے۔ کاش کہ اپنے دیس واپس جا سکتے۔ پر کوئی فکر نہیں۔ ناچے جاؤ سُر رنگ بالا۔ دادا۔ اور للا دیدی اگر ہندوستان کی بجائے روس یا امریکہ میں پیدا ہو گئے ہوتے تو کیا ہوتا۔ فضول کی باتیں۔ ہائے الموڑے کی پھولوں سے بھری گھاٹیاں۔ کاٹھ گودام سے جب موٹر بل کھاتی ہوئی اوپر چڑھتی ہے۔ اور یوکلپٹس کے جھنڈوں سے چھنتی ہوئی ہوائیں سامنے آ کر ٹکراتی ہیں تو جی چاہتا ہے کہ ـــــ ہش۔ جی کا اس کے علاوہ اور معقول

کام ہی کیا ہے کہ بس دیکھا ہی کرے اِس کو ، اُس کو ۔ فنش ۔ دادا کہا کرتے تھے کہ ہمارے ملک میں جو فنونِ لطیفہ کی مٹی ۔ لاحول ولا قوۃ ۔ یہ کیا فنون اور لطیفہ اور گر ابڑ سڑ بڑ لے بیٹھے ۔ مہادیو جی آپ ناچ جانیے بڑی نالائق لڑکیاں ہیں ۔ ایک ہفتے سے اسی ایک دُھن سے آگے نہیں بڑھتیں ۔ جی ہاں یہ سیزنل ڈانس ہے ۔ پھر اس کے بعد ہاروسٹ ڈانس آپ کو دکھایا جائیگا ۔ پھر فوک ڈانس یا ہندوستان کی پیاری پیاری معصوم بیٹیاں ، دھان کے کھیتوں اور پہاڑیوں کی وادیوں اور ندی کے کنارے اور آم کے باغوں کی رنگین پرچھائیاں ۔ اٹریا پر چور بھابی دیا تو جلاؤ ۔ Put out the blue light sweetee ۔ pre. پاروتی کے اسٹیج پر آنے سے پہلے ایک دم مدھم سا زرد اندھیرا کردو ۔ effect زیادہ خوبصورت رہے گا ۔ مسٹر رولینڈ خود ڈیڈی سے کہہ رہے تھے کہ آپ کی بچیوں کی مدد کے بغیر ہمارا جنگی ہفتہ اس قدر کامیاب نہ ہو پاتا ۔ ہم سب اتحادیوں کی فتح کے لئے کوشاں ہیں ۔ Do your btl please چھنانن نن ۔ چھن چھن چھن ۔ زندگی ایک نغمۂ بہم ہے ۔ ایک رقصِ مسلسل ۔ مہادیو جی آپ نے ہندوستان کی مشرقی زمین میں جنم لیا ہے ۔ اسی لئے ایسے شاعرانہ طریقے سے سوچتے ہیں ۔ آپ برہمپتر کی وادیوں کے لوگ ہر معمولی سے معمولی بات کو لطافت اور خوبصورتی سے ادا کرنے کے قائل ہیں ۔ زندگی آپ کے لئے جل ترنگ ہے ۔ وینا کے نقرئی تاروں میں سے اٹھتی ہوئی ایمن کلیان کی راگنی ۔

یہی باتیں آپ اس طرف کے لوگوں سے کہیں تو ایک زوردار قہقہہ پڑے ۔
دُنیا ان کے لئے بوکسنگ رِنگ ہے یا گروسری شاپ یا پھر کچھ بھی
نہیں ۔ بہت ہی matter of fact قسم کے لوگ ہیں ہم ۔
آپ کسی لڑکی کی تعریف کریں گے تو کہئے گا ۔ کماری تم چاندنی میں تیرتے
ہوئے کنول کا خواب ہو ۔ پاروتی کے مرمریں قدموں میں لرزاں دِیپک
کی جھلملاتی روشنی ۔ میرے ساتھ گنگا کے دھارے پر ناؤ ـــــ افوہ !
سیدھے سادے طریقہ پر کہہ دیجئے کہ ! look here تم مجھے بہت
خوبصورت لگ رہی ہو ۔ میرے ساتھ شادی کر لو یا آج شام کو روشن آرا
یا پکچر دیکھنے چلو ـــــ ایک دو تین چھُن ـــــ
ـــــ آئی ری سائیں کے مندریں دیا بار آؤں کر آؤں سولہ
سنگھار ۔ سمکی دیدی ناچتی تھیں تو ایسا لگتا تھا ۔ ایسا لگتا تھا ۔ یعنی
خیر ۔ مہادیو جی آپ ناچے جائیے ۔ اور اس زندگی میں کیا رکھا ہے
سب ہی ناچتے ہیں اپنی اپنی جگہ ۔ سمکی دیدی کلچر سنٹر کے کلاس روم میں
اور حضور والا سر لئے بہادر وائسریگل لاج کے بال روم کی فلور پر اور
رنگ برنگے پھولوں والے کپڑوں میں ملبوس پناہ گزیں پوش
بچے کاٹھیاواڑ کی سمندری ریتوں پر ـــــ اور ـــــ اور ـــــ اچھا ۔
لیمپ کی روشنی ذرا اور کم کر دو ۔ مالکوس کی لہریں ضرورت
سے زیادہ نرم ہو رہی ہیں ۔ سانجھ بھئی گھر آ ۔ ملنے جاؤ ۔ مجھے تمہاری
مسکراہٹ بہت پسند ہے ۔ یہ روشنیاں کبھی تیز ہو جاتی ہیں کبھی

مدھم ۔ یہی تو سارا فلسفہ ہے بھئی ۔ الموڑے کی چوٹیوں پر مال کے قمقمے جگمگاتے ہیں ۔ اور نیچے وادی میں رقص ہوتا رہتا ہے یا سلام مچھلی شہری کی نظم پڑھی جا رہی ہے ۔

الموڑہ ۔ نینی تال ۔ مسوری ۔ ہائے مسوری ۔ ہائے دہرہ دون میرا پیارا بچپن کا رفیق دہرہ دون ۔ گڈ ۔ ان کے بغیر ہندوستان تمہارے گرم اور پھیکے ملک میں رہنا ایک مستقل مصیبت ہو جاتی ۔ اللہ بڑا مہربان ہے ۔ بڑا اونچا اور عمدہ ۔ کیملس بیک روڈ پر ایک ہز ہائینس کی چمکدار مخملیں رکشا کس قدر خوبصورتی سے بہتی چلی آ رہی ہے ۔ اب تم مارکس اور لینن کا وظیفہ شروع کر دو ۔ یہ تم ہندوستانی ۔ قنوطیت پسندی تو تمہیں لے ڈوبی ۔ کبھی یہ غور نہیں کرتے کہ ہماری Aristo crazy کس قدر شاندار اور خوبصورت ہے ۔ پرنسس کرم جیت اور شہزادی نیلوفر اور مہاراجہ راج پیپلا اور بیگم گوہر تاج اور مہارانی کوچ بہار ایک خاص رومان ہے ان ناموں میں ۔ فنش بیورلی ہوٹس ۔ ان کے غیر ملکی سکریٹریوں سے ملو ، ان کو رنک میں اسکیٹنگ کرتے دیکھو ۔ ان کے بال روم ، سوائے کے کمرے ، ریس کورس ، وہ ڈائننگ ہال جہاں میزوں پر چھوٹی چھوٹی برقی ٹرینوں کے ذریعے کھانا سرو کیا جاتا ہے آسٹریلین گھوڑے ، اسکاچ کتے ۔

کم از کم تم نے میرے کتے کی تو آج تک تکلفاً بھی ذرا سی تعریف نہیں کی ۔ کیسی ایک خاص شاعرانہ انداز سے چاکلیٹ ملنے پر دم ہلاتا

ہے۔ دن بھر پچھلے برامدے کے کونے میں اپنی ٹوکری کے گدّوں میں
سمٹا سمٹا یا غور و فکر میں محو رہتا ہے۔ یا کبھی کبھی محض ازراہ اخلاق
ایک آنکھ کھول کر نرمی سے بھونک دیتا ہے۔ تم سے بہرحال زندگی کے
متعلق اس کا نظریہ زیادہ صحت مند ہے۔

ہائے دہرہ دون۔ گرمیاں آرہی ہیں۔ یعنی کیلے اور فالسے کے
جھنڈوں میں بھنورے گونجنا شروع کر دیں گے۔ ہائے یو۔پی۔ میرا
اپنا پیارا یو۔پی۔ تم نے کبھی یو۔پی کی گرمیاں نہیں دیکھیں۔ آم کے باغوں
میں دوپہر کے سناٹے کی خاموش موسیقی کا بوجھ محسوس نہیں کیا۔
امرودوں کے جھرمٹ میں سے بلند ہوتی ہوئی برہا اور آلہا اودل
کی تانیں نہیں سنیں۔ شاید کبھی ملیح آباد جا کر آم بھی نہیں کھائے۔
اور گومتی کے خربوزے۔ آہ میرا اودھ۔ قیصر باغ کی بارہ دری میں
اندرسبھا ہو رہی ہے۔ میں سبز پری —— نہیں کھول لو آنکھیں۔
پیچھے دیکھنے کے بجائے آگے دیکھنا صحت کے لئے مفید ہے

—— تمھاری حزینت (یہی لفظ ہے نا شاید) یعنی بھئی کبھی
تو زندگی کو خوشگوار رنگوں میں دیکھنے کی کوشش کیا کرو۔ مثلاً۔ مثلاً
میرین ڈرائیور۔ جوہو۔ مالابار ہل۔ درسوا۔ گہرے نیلے سمندر میں
ڈوبتی ہوئی قرمزی شفق اور اودے آسمانوں میں تیرتا ہوا نارنجی چاند
بڑے سے، رسیلے سے سنترے جیسا۔ تاج کا پرتگالی آرکیسٹرا یا پھر
دمشق کے تیز سرخ گلاب۔ بغداد کے رنگین شگوفوں سے بھرے ہوئے

چھوٹے چھوٹے صحن۔ تمہیں معلوم نہیں مجھے زندگی سے کتنا بے انتہا عشق ہے۔ تم نے طہران کے امیروں کی اونچی اونچی دیواروں والی محلسرائیں اور ان کے اندر کے وہ باغ نہیں دیکھے جن میں چھوٹی چھوٹی نہریں بجید الف لیلوی انداز سے بہتی رہتی ہیں۔ اور جہاں سیاہ فراکوں میں ملبوس لمبی لمبی پلکوں والی خانمیں ایک دوسرے سے نرم نرم اس طرح باتیں کرتی ہیں جیسے قہوے کی پیالیوں میں نقرئی چمچوں سے شکر گھولی جارہی ہو ——— افوہ! مجھے بغداد، طہران اور قاہرہ کی یاد مت دلاؤ۔ ورنہ اس روکھے پھیکے ملک اور اس تنگ اور بدمزہ ماحول سے اُڑ جانے کو جی چاہے گا۔ گزرے خوابوں کو یاد کے ایک کونے میں جگہ دینے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ بہت حد تک Compensation کا کام دیتے ہیں۔ ارے! تو گویا قنوطیت پسندی بھی الٹرا فیشن ایبل بنتی جارہی ہے۔

اچھے گیت بھی تو اس وقت نہیں بج رہے۔ سحاب کو خط لکھنا پڑے گا۔ گریسی فیلڈ کا کوئی نیا ریکارڈ لگاؤں۔ اچھا تو تمہیں مغربی موسیقی سے دلچسپی نہیں۔ بدمذاق۔ تو اب کیا باتیں کریں۔ علی گڈھ میرس روڈ۔ سیاہ برقعے۔ نقوی پارک۔ گرلز کالج کی لاری۔ وایا میڈیا۔ اسٹیشن۔ ڈاکٹر ضیاءالدین۔ نہیں کچھ اور سوچو۔ احمد عباس کی تازہ کتاب؟ یا The Brave New World۔ نہیں بھئی بہت زیادہ boring ہوتی جارہی ہے دُنیا۔ چلو امریکہ اُڑ

چلیں ۔ نیلی آنکھیں جانتی ہو میری کمزوری ہیں ۔ یعنی ویک پوائنٹ
میلون ڈگلس نے روشن آرا ایں میلینی کے ساتھ رقص بھی کیا تھا ۔ اور
اسٹال پر پورے ساڑھے چار منٹ تک مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا ۔
افوہ ۔ ذرا خیال تو کرو ۔ کہہ رہا تھا ہالی ووڈ آؤ ۔ ہم ہندوستان اور
امریکہ کا کلچرل اور دوستانہ رشتہ زیادہ مضبوط کرنا چاہتے ہیں ۔ میلون
ڈگلس نے کہے یہ الفاظ اوو ۔
خیر تم کم از کم چیسفورڈ یا روشن آرا کے ممبر بن جاؤ ۔ تمہاری
تندرستی بہت عمدہ ہو جائیگی ۔ یا پھر گاجر کھاؤ ۔ ٹماٹر بھی فائدہ مند ہوں گے
حیاتین کی کمی سے انسان کمیونسٹ بن جاتا ہے ۔ اور راز حیات پر گفتگو
کرنے لگتا ہے ۔ میں اتنی دیر سے کس قدر بصیرت افروز گفتگو کر رہی ہوں
بڑی بڑی گہرائیاں ہیں اس حیات مستعار میں جناب عالی ۔ وہ تو یہ
سمجھو کہ کیا کیا فلسفے ہیں ۔ افوہ کیا ٹھکانا ہے میری قابلیت کا ۔ بہت
قابل ہوں ۔ چین اور روس اور فرائڈ پر ساری کتابیں پڑھ چکی ہوں
گو یہ معلوم نہیں کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ
کہ ہندوستان میں رہ کر تم کچھ نہیں کر سکتے ۔ بہت ہی کم نظری اور رجعت
پسندی اس ملک میں عام ہے ۔ اور سوئز کو پار کر لینے کے بعد ایک نہایت
ہی وسیع قسم کی بلند نظری انسان میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ دماغ کے اندر
بعید اعلیٰ اعلیٰ خیالات آتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہاں قرولباغ
میں بیٹھے بیٹھے اس قدر وسیع نظر ہوں کہ چین تا چین سب دیکھ سکتی ہوں

حالانکہ سوئز کو میں نے بچپن میں پار کیا تھا۔ اس کے اثرات کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔

قابلیت کے علاوہ مجھ میں ایک وصف اور بھی ہے۔ یعنی بہت کافی خوبصورت ہوں۔ بالکل تازہ تازہ میڈیم جین کے بیوٹی پارلر سے نکل کر آ رہی ہوں۔ بہت عمدہ فرم ہے۔ دیانت دار، خوش معاملہ فیسیں بالکل واجبی اور معقول۔ ایک سیٹنگ کے صرف پینتیس روپئے اور بال مستقل ویو کرانے ہوں تو پچھتر روپے۔ کناٹ پلیس کے انر سرکل میں ہے فون نمبر ——

لیکن یہ رقص و سرود اور روشن آرا اور میڈیم جین کا بیوٹی پارلر۔ یہ تعلیم اسلام کے منافی ہیں۔ اور مقتضی ہیں اس امر کے کہ ——— بھئی خوب یاد دلایا۔ میں بہت سخت مسلمان ہوں۔ ملت بیضا پر جان بھی نثار ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سارے ایٹ ہوم ہمارے لان پر ہوتے تھے۔ چاہے جس سے پوچھ لو اور یہاں تو فی الحال تو در اصل بات یہ ہے کہ دہلی میں مکان نہیں مل رہے۔ بڑی قلت ہے مکانوں کی۔ عالم کون و مکاں versus لامکاں۔ اے طائر لاہوتی نہ تو زمین کے لئے نہ آسمان کے لئے۔ ہوا میں معلق رہ۔ اسرارِ خودی پڑھو۔ رموزِ بیخودی پڑھو۔ اگر قرآن پڑھنے کی توفیق نہ ہو تو اقبال کا مطالعہ کرو۔ تمہاری خود آگاہی اس قدر عمدہ ہو جائیگی اور تم میں ایسے بال و پر نکل آئیں گے کہ تم انڈے دیو گے

آجاؤ گے اور فوراً فلائٹ لفٹننٹ بن جاؤ گے ــــــ اقبال ــــــ ہائے اقبال ــــــ یہ ایک بہت بڑا شاعر تھا جس نے قوم کی بدنصیبی کی وجہ سے اس سرائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اور بدنصیب قوم نے اخباروں کے ذریعے اعلان کیا کہ وہ اس کا مزار بے حد گرینڈ بنوائے گی۔ لہٰذا چندہ جمع ہونا شروع ہوا اور فرزندِ کوہستان شاہ افغانستان کی طرف سے بھی شاہی عطیئے کا فرمان جاری ہوا۔ (اچھا اب باقی آئندہ)

ہاں تو مہادیو جی آپ ناچے جائیے۔ مانی پور کے سنہرے مندروں کا ناچ۔ تنخواہ کم ہے تو کیا ہرج ہے۔ رام گوپال نیچے جنوب میں ایک اور سنٹر قائم کر رہا ہے۔ بھارتیہ ناتیہ اور کتھا کلی کے لئے۔ وہاں چلے جائیے گا۔ فی الحال تو ہمیں جنگی ہفتے کے کنسرٹ کے لئے فوک ڈانس کی مشق کرائے جائیے۔ بڑا اسکوپ پڑا ہے۔ ہندوستانی رقص کا فن معراج پر پہنچنے والا ہے۔ تعمیرات بعد از جنگ میں فنونِ لطیفہ کا روس کی طرح خاص درجہ ہوگا۔ عوام کے تھیٹر اور کلچر کیمپ کھولے جائیں گے (وغیرہ)۔

دادا پونا میں ایک انگریزی رنگین فلم تیار کر رہے ہیں۔ رام گوپال کو ایک فلم میں تین منٹ کے رقص کے لئے دس ہزار روپئے ملے ہیں۔ تو مہادیو جی یہی تو دُنیا ہے۔ آپ کے کنول کے پھولوں اور سنہری گھنگروؤں کی جھنکار سے علیحدہ۔ اور ہم بہت پریکٹیکل

لوگ ہیں ۔ چلئے ریہرسل شروع کروائیے ۔ ایک دو تین ۔ چھنن چھنن ۔ پگ گھنگرو باندھ میرا ناچی رے ۔ میرا ناچی رے ۔

ایں دفترِ بے معنی

نہ جانے کیسا پاگل پن تھا ۔ انوکھا اور دلچسپ ۔ پر اب تو کہکشاں کا یہ نقرئی راستہ پریوں کی سرزمین تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے کیسی تھکن ، کیسی اکتاہٹ ، کیسی بے کیفی ——— آدھے جلے ہوئے سگرٹوں کا بجھا بجھا دھواں فرن کے خشک پتّوں کے اوپر سے گذرتا ہوا اندھیرے میں پھیلتا جا رہا ہے ۔ فریڈا بالکونی میں کھڑی شاید چاند کا انتظار کر رہی ہے ۔ فریدہ بانو اندر آجاؤ ۔ ہوائیں خُنک ہوتی جا رہی ہیں ۔ میں بہت زیادہ عقلمند ہوں فریدہ ۔ فریدہ پیاری تم نے رات کو سوآئے کے ڈنر کے لئے ساری کا انتخاب کر لیا ؟ میرا دہ

روپہلی بروکیڈ کا غرارہ نکال دینا۔ اور اس کے ساتھ کی فرنچ ہیل والی جوتی۔ شاید کوئی بزرگ وار رقص کے لئے اصرار فرمائیں۔
—— اور —— اور ہے —— فریدہ تم نے اس سیاہ دوپٹے پر آئرن کرلیا۔ استری کا پلگ اور تار خراب ہوگئے ہیں۔ کام نہیں دے رہی ہے آجکل —— اور فریدہ بانو —— dash it all کہاں تک خود کو فریب میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ فریدہ! ایک کشن میری طرف پھینک دو تاکہ میں اس میں بادام جیسی آنکھیں چھپاکر خوب رووُں —— کیونکہ —— کیونکہ —— ! Hang it your! blessed goose! لیکن نہیں فریدا ڈیر۔ ہم سب کی اسپورٹنگ اسپرٹ ہونی چاہیئے —— فش —— آؤ خوب زور زور سے گائیں۔

It was in the isle of capri that I
found her!
Beneath the shades of an old walnut
tree!

اُووف! اتنا مت چیخو۔ کھڑکیوں کے پٹ بند کردو۔ اب تمہاری بالکونی کے نیچے کوئی سیرینیڈ کرنے کو نہیں آئے گا۔ اُلّو کی دُم۔ ہم چلتے چلتے تھک گئے اور اب آرام چاہتے ہیں۔ سکون اور خاموشی۔
ہم کوہسار کی جگمگاتی چوٹیوں تک پہنچکر ارغوانی اور قرمزی بادلوں میں رہنا چاہتے تھے۔ بلند اور علیحدہ۔ لیکن مذاق تو دیکھو! Bang!

ایک سخت جھٹکے کے ساتھ سب کے سب نیچے آ رہے ۔ کھُردری اور بحسیں زمین کی پستیوں میں ۔ یہ سب ایک بہت بڑا عظیم الشان مذاق تھا ۔ ایک بیحد خوفناک لطیفہ ۔ پر آپنی کبھی تم نے یہ بھی غور کیا کہ تم ہمیشہ ایک ہی سی باتیں کرتی ہو ۔ یعنی بس ، مایوسیاں ! بھائی یہی تو ساری ٹریجڈی ہے ۔ پاگل پن بڑا عجیب سا ۔ جیسے سچ مچ بڑا آرٹسٹ اور انٹلکچوئیل پن پر سوار ہو گیا ہو ۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچ کر ہم سب بہت زیادہ قابل بن گئے تھے ۔ مہم ۔ رومان ۔ خطرے ۔ تیز سُرخ شعلوں کی گرمی ۔ برف کے نرم اور سفید گالے ۔ جاڑے کی راتوں میں آتشدان کے قریب بیٹھ کر جانے کیسی کیسی باتیں کیا کرتے تھے ــــ Cow boy قسم کے فلم دیکھنے کے بعد عجیب عجیب تصورات دماغ میں آیا کرتے تھے ــــ چاندنی راتوں میں خطرناک پہاڑوں میں چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش میں سرپٹ گھوڑا دوڑاتے بھاگے چلے جا رہے ہیں ۔ ٹائرن پاور اور رابرٹ ٹیلر جیسے خوبصورت اور بہادر ہیرو چٹانوں پر چڑھتے ہوئے سُرخ رومال ہلا رہے ہیں ۔ دور ۔ ہسپانوی خانہ بدوشوں کے کاروانوں کی گھنٹیاں بج رہی ہیں ۔ آؤ طوفانوں سے لڑیں شعلوں سے آنکھ مچولی کھیلیں ۔ جنوب کے نیلے آسمانوں اور ستاروں کے گیت گائیں ۔ اور اسی طرح شور مچاتے ، چیختے اور ناچتے ہوئے طوفانی لہروں کے ریلوں کے ساتھ کہیں دُور نکل جائیں ۔ بہت دور ، جانے کتنی دور ــــ

پھر ہمارا ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ جس کی کھڑکیاں پہلو کے باغ میں کھلتی تھیں۔ اور جس کے دروازوں پر بھاری بھاری گہرے سبز پردے پڑے رہتے تھے۔ اس میں ایک آرٹسٹک بے ترتیبی سے ہمارا مصوری کا سامان کتابیں اور ٹوٹے ہوئے مجسمے دیوان اور قالینوں پر بکھرے رہا کرتے تھے۔ ایک کونہ میں وہ پرانا پیانو رکھا تھا جو ابّی اپنی شادی سے بھی پہلے قاہرہ سے ساتھ لائے تھے۔ دوسرے کونے میں ایک بڑا سا تانبے کا پردار گھوڑا سجا ہوا تھا۔ جس پر آپا تو بڑی شان سی چڑھا بیٹھا تھا۔ الماریوں میں رنگوں کے خالی ٹیوب اور ڈبے، ٹوٹے پھوٹے برش، کینوس کے ٹکڑے، نامکمل تصویریں، کتابیں اور جانے کیا کیا بھرا ہوا تھا۔ سبز دیواروں پر ہمارے "شاہکار" اور دوسری تصویریں تھیں۔ اٹھارویں صدی کی روسی اور ہسپانوی شہزادیاں، کنارے رائن کے جنگل۔ میڈونا، آخری ضیافت، ازابیلا اور کیتھرائن۔ ڈکنس اور روسٹی کے پرد فائل۔

اس کمرے کو اسٹوڈیو اور لیٹن کوارٹر کہہ کر کتنی مسرت ہوتی تھی ابّی خوش ہوتے تھے اور ممّی پریشان۔۔ اللہ یہ لڑکیاں کس کے گھر میں نبھ سکیں گی۔

اور ہمارا چھوٹا بھائی اسلم کہتا۔ میں ایسے ایسے خوفناک بم بنایا کروں گا کہ بھئی تمہاری روح خوش ہو جائے گی۔ اے فرانسیسی صوفوں اور ایرانی قالینوں پر عمر بتانے والی بورژوا گلہریو! اجب عالی جناب!

۔۔ صاحب دو دن اسکول میں تقسیم انعامات کے لئے تشریف لائیں گے۔ اور تم اپنے کانونٹ Choir کے ساتھ بڑی مستعدی سے آنکھیں بند کر کے خوش آمدید کے نغمے الاپ رہی ہو گی۔ اور دولھا بھائی خوش خوش سرگرمی سے اے۔ ڈی سی بنے پھر رہے ہوں گے۔ اس وقت یہ خاکسار چپکے سے ایک نہایت نفیس سا ـــــ

چُپ رہو بچو! کیا پاگل پن ہے۔ ہم ریڈ کراس پارٹی کے ساتھ بل کھاتی ہوئی سڑک پر تیزی کے ساتھ چڑھتے کیمپ کی طرف جا رہے تھے زخمیوں اور اطالوی قیدیوں کے لئے تحفوں کی پارسلیں اور ٹوکریاں لئے۔ وکٹر آہستہ آہستہ گنگنا رہا تھا۔ اور بڑے زور سے جھکڑ چلنا شروع ہو گیا۔ اور پھر بادل چھینے لگے۔ فضاؤں پر زرد زرد پتے چھا گئے۔ گو بختی ہوائیں چکر کاٹنے والے خشک پتے۔ وکٹر! دیکھو میرا اسکارف اڑا جا رہا ہے۔ اور تیز کر و رفتار۔ جی چاہتا ہے سامنے اس نقرئی ربن کی طرح پھیلی ہوئی سڑک کو انجن میں سمیٹتے ہوئے سرخ افق میں جا گھسیں۔ فریدیا اتنا کیوں اترا رہی ہو۔ گویا طوفان کی گرج سے ہارٹ فیل فرما جائیں گی آپ۔ خدا غارت کرے تمہیں سرخ سینگوں اور لمبی دم والے شیطان کی نواسی۔ ایک چٹان اور ٹوٹ کر کھڈ میں جا گری۔ اور تیز کرو رفتار۔ یہانتک کہ۔ یہانتک کہ جا کر آسمان کے کنارے ٹکرا جائیں۔ ان سیاہ بادلوں کے پرخچے اڑا ڈالیں چاہے سارا پٹرول ختم ہو جائے۔ اور ہم کیمپ کی طرف قیامت تک

یونہی لڑھکتے چلے جائیں ۔ یہ تیز رفتاری ہی تو زندگی ہے ۔ وکٹر ذرا سوچو تو کتنا مزا ہوگا ۔ اگر ہم اسی زناٹے سے چلتے رہیں ۔ اور کار کے سارے بیرنگ جل جائیں ۔ ٹائر برسٹ ہو جائیں ۔ ساری کائنات میں آگ لگ جائے ۔ سچ مچ کی آگ ۔ اوفوہ ۔ میں تو خوشی کے مارے مر جاؤں بالکل ۔ پھر جب یہ نظام عالم جل بھن کر راکھ کا اونچا سا ڈھیر اور کھنڈر بن جائے تو پھر اس دھواں دھار اندھیرے میں ہم ایک دوسرے کو پکارتے پھریں ـــــ کہاں ہو اسما اور فریدا اور امبریش اور وکٹر ۔ آؤ ہم سب مل کر رقص کریں ـــــ موت اور تباہی کا رقص ۔ بھارت نائیم اسٹائل میں ـــــ اوہو ، واقعی دیکھو انجن میں آگ لگ گئی ۔ انجن میں دھواں اٹھ رہا ہے ۔ اچھا آپ پائپ فرما رہے ہیں ۔ سلمان صاحب ! دیکھئے آپ نے لیڈیز سے پوچھ لیا ہوتا کہ آپ کی موجودگی میں اس خاکسار کو دھواں اڑانے کی اجازت ہے؟ کاش ایک ایسا سیلاب آئے کہ آپ مع اپنے پائپ کے ساری دنیا سمیت اس میں غرق ہو جائیں ۔۔ ایک الو کی دم کا پر بھی باقی نہ رہے ۔

علامہ مرحوم کا شعر کچھ ایسا ہے ؎

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار

اور خاکستر سے اپنی اک جہاں پیدا کرے

تو سلمان بھائی تخریب کے بعد تعمیر ۔ یہی ہمارا پروگرام ہے ۔ ہم ادب اور موسیقی اور چھایا چترا کے ذریعہ جنتا کی خدمت کر رہے ہیں ۔

آپ نے ہمارے اوپن ایئر اور پیپلز تھیٹرز نہیں دیکھے۔ ہمارے افسانے اور نظمیں ملاحظہ نہیں فرمائیں۔ آپ کیا جانیں ہم کمیونسٹ پارٹی کے لوگ کس قدر صاحب نظر ـــــ اور ـــــ اور ـــــ بات یہ ہے بھئی کہ میری اُردو کافی سے زیادہ کمزور ہے۔ بچپن سے کانونٹ میں پڑھا ہے اس لئے ـــــ اور اگر ایسے ہی دوچار بے تکے مضمون یا افسانے لکھ لئے تو کیا ہوا۔ بات بات میں انگریزی کی مدد لینی پڑتی ہے یعنی جملے کے جملے انگریزی کے ٹھونسنے جاتے ہیں۔

"اوہ مس حیدر! آپ تو انکسار کی حد کرتی ہیں۔ اجازت ہے کہ پائپ سلگا لوں؟"

"ضرور۔ آپ کیا کرتے ہیں سلمان بھائی!"

"جی میں موجودہ حالت میں آنے سے پہلے ایم۔ اے کا امتحان دیا کرتا تھا۔ اور آپ؟"

"اور میں ریڈ کراس میں کام کر کے چاکلیٹ کھانے کے علاوہ تصویریں بنا کر اور افسانے لکھ کر ملک و قوم کی خدمت میں دن رات مصروف رہتی ہوں۔"

"اوہ اپنی خدا کے لئے اتنی باتونی کیوں بن گئی ہو اور ان صاحب سے کہو کہ اتنی بدتمیزی سے اپنی ٹانگیں نہ ہلائیں۔"

"چپّو تو فریڈا۔ میں ان سے نہایت اہم مسائل پر تبادلہ خیالات کر رہی ہوں۔ جی تو سلمان صاحب وکٹر سے کہئے کہ رفتار اور تیز کرے

کیمپ میں ہمارا سخت انتظار کیا جا رہا ہوگا۔ ہم بچارے زخمیوں کے لئے خوبصورت تحفے لئے جا رہے ہیں۔ بھلا ہم سے زیادہ ملک و قوم کا ہمدرد کون ہوگا۔ خدا سرکار کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے رات دن برطانیہ کی فتح کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ہماری ایک کوٹھی میں اطالوی قیدیوں کو مہمان رکھا گیا ہے۔ ہم ہندوستانی بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اور کسی بدتمیز نے یہ خبر اڑا دی کہ خدا نہ کرے فریڈا اس نارنجی بالوں والے اطالوی کو جو لیچی کے سائے میں سبز بید کی کرسی پر بیٹھا گٹار بجایا کرتا ہے چیری کے مربے اور مارملیڈ بھیجا کرتی ہے۔ جناب عالی! یہ تو ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ان بچاروں کی میزبانی کریں۔ فتش۔

لیکن فریڈا انہیں وہ اطالوی قیدی یاد ہے جو ایک دفعہ کیاریوں میں کام کرتے کرتے کدال پر ہاتھ ٹیک کر تم سے انگریزی آواز میں بولا تھا:۔

"سینوریتا! اجازت دو کہ میں یہ زرد کلیاں تمہیں پیش کر کے اپنے گھر کے تاکستانوں اور سیاہ آنکھوں والی کنواریوں کی یاد میں ایک چھوٹا سا گیت گا سکوں"

خدا غارت کرے ان سب کو۔ مگر کیسے خوبصورت ہوتے ہیں یہ اور پھر سوچو کہ ایسے ایسے خوبصورت سینوریتاؤں کو جنوبی تاکستانوں کے نغمے سنانے والے روزانہ ہزاروں لاکھوں ختم ہو رہے ہیں۔

ڈیش اِٹ۔ ابھی کل ہی کی تو ...... پر اُڑان

کرتے ہوئے پولو کے طیارے میں آگ لگ گئی۔ اور وہ جل کر مر گیا۔ تو کسی نے کیا کر لیا۔ وہ بھی تو صرف اٹھارہ سال کا تھا۔ اور وائلن پر بلوڈینیوب بجایا کرتا تھا۔

لیکن مس حیدر آپ کو زرد چاند اور نیلا سمندر اور پام کے درخت اور قہوے کی بھاپ۔ یہ سب چیزیں بہت دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ رومان ——— رومان ——— کیا مصیبت ہے ——— جی ہاں قطعی۔ تو آئیے آج سے زندگی کی کھردری حقیقتوں کا مطالعہ شروع کردیں۔ آہ وہ دیکھیے سڑک کے کنارے پہاڑی مزدور تیشہ کوٹ رہے ہیں۔ تاکہ سامراجی مشینیں اور موٹریں ان کو روندتی ہوئی گزریں اُف وہ ——— لیکن! Bang ——— سو آئیے میں آرکسٹرا بجنے لگا۔ کیوں کہ شروع ہونے والا تھا۔ شام کی نیلگوں خاموشی میں کوارٹر ایڈن کے ایک دریچے میں سے مدھم سی سبز اور نیلی روشنی اندھیرے کو کاٹتی ہوئی دور تک جا رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ——— جیسے ——— اوہ! اسما پیاری پردہ گرا دو۔ کیتھڈرل کے میناروں کے پیچھے سے اٹھتا ہوا چاند کا گیت جھیل کی لہروں پر بکھرتا جا رہا ہے۔ کاش کوئی اس وقت اس دریچے کے نیچے اس کہکشاں جیسے نقرئی راستے کے کنارے کھڑے ہو کر سیرینیڈ کرتا۔ لیڈی آف اسپین! میرا نغمہ سنو!

Lady of Spain! I'm hearing of you

Lady of Spain! I'm yearning for you
Lady of Spain! I love you!

لیڈی اوا سپین اپنے بالوں میں سجے ہوئے چیری کے شگوفے نیچے پھینک دو۔ میں وائلن بجا رہا ہوں۔ چاند سیاہ آنکھوں والے پری زادوں کے نغموں میں تیر رہا ہے۔ تمہارے دریچوں میں سبز روشنی کی موجیں خوابوں کی بستی کی طرف بہتی جا رہی ہیں کرنوں کی سیڑھیاں بنا کر پھولوں کی اس وادی میں اتر آؤ۔ جہاں میں سیرینیڈ کر رہا ہوں۔ لیڈی اوا سپین!

اوفوہ اسماء یہ وائلن یونہی بجتا رہے گا۔ پردے ایک طرف کو سمیٹ دو۔ چاند نگار خانے میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہے اس سے کہہ دو ابھی انتظار کرے۔ سنہری بانسریاں بجانے والے پریزاد شاہ بلوط کے جنگلوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ آدھی رات کو جب کیتھڈرل کے گھنٹے کی گونج لرزتی ہوئی خاموشی میں ڈوبنے لگے گی۔ اس وقت ہم، نیلوفر اور یاسمین کے پودوں کے پیچھے پرستان کا راستہ ڈھونڈنے اس وادی میں آئیں گے۔ روشنی بجھا دو۔ چاندنی میں شبنم برس رہی ہے ——— ہمیں سونے دو!

اس کی آنکھیں بھی کہہ رہی تھیں۔ ہمیں ان سبز پردوں اور چیری کے شگوفوں کا خواب دیکھتے ہوئے سو جانے دو۔ فریدا اور اسماء سنتن دھارے کی جانب چڑھتے چڑھتے تھک کر پگڈنڈی کے

کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھیں۔ دوسرا ساتھی آگے جا چکے تھے۔ وہ ان دونوں کا ساتھ دینے کے لیے قریب آگیا۔ "مادموزیل شاید آپ مجھے نہیں پہچانتیں۔ لیکن میں آپ کے ہمراہ رقص کر چکا ہوں۔ میں سگریٹ پی سکتا ہوں؟"

"اوہ۔ یقیناً!"

"شکریہ! آپ؟ نہیں! غالباً آپ کو یاد ہو گا میں پرنس یوجین تھا ——"

"اوہو۔ جی ہاں، بالکل۔ مجھے ماسک میں سے صرف آپ کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اچھا تو آپ ہی طہران سے تشریف لائے ہیں آپ خاصے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔ میری چھوٹی بہن کو جب معلوم ہوا کہ آپ لیٹن کوارٹر میں اتنے دنوں رہ چکے ہیں تو اس کا تو انتقال ہو جائے گا۔"

اور وہ دیوان کے ایک کونے پر آکر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کسی نے اسے نیند سے جگانے کے بعد زبردستی کمرے میں دھکیل کر پیچھے سے دروازہ بند کر دیا ہو۔ فرنڈا کا جی چاہا کہ چپکے سے اسی وقت اپنی اسکیچ بک پر اس کا پروفائیل کھینچ لے۔ اور پھر بعد میں عمر بھر اس میں رنگ بھرتی رہے۔ پھر مسوری میں ایک سب سے بڑی نمائش کرے جس میں صرف اس کی تصویریں ہوں۔ مختلف انداز کی۔ طیارے سے اترتے ہوئے —— پرنس یوجین کے بھیس میں رقص

کرتے ہوئے جھک کر سگریٹ جلاتے ہوئے دھوپ کا چشمہ لگا کر دور پہاڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے ــــــ اس طرح ــــــ اس طرح ــــــ توبہ اللہ!

اور فریڈا کشن پر کہنیاں ٹیک کر بڑی معصومیت سے اس سے پوچھتی ــ "آپ کا کام سچ مچ کتنا خطرناک ہوتا ہوگا۔ اڑتے ہوئے طیاروں اور ڈوبتے ہوئے جہازوں پر سے وہاں کے مناظر کے فلم لینا اور وہاں کی خبریں بھیجنا (بالکل ٹائرن پاور کی طرح) ـ کیسی Adventurous زندگی ہے آپ کی ـ اور آپ آکسفرڈ میں راکا کے ہم جماعت رہ چکے ہیں ـ اوفوہ!

ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نگارخانہ کے کونے میں رکھے ہوئے اپالو کو نیچے گرا کر اس کے آسمانی رتھ پر چڑھ گیا ــ اور ساری کائنات اس کے سوئیڈ کے بوٹوں پہ جھک کر اس کی پرستش میں مصروف ہوگئی ــ

کتنی rash ہوجاتی ہو تم لوگ ـ یعنی یہ انتہا ملاحظہ فرمایئے۔ کہ صاحبزادی ایک رات سوا آئے کے فینسی ڈریس بال میں ان بزرگوار سے ملیں ـ اور اگلے ہفتے آپ کی منگنی کی خبر سوسائٹی میں اناؤنس کردی گئی ـ کچھ پتہ نہیں لونڈا کون ہے ـ کہاں سے آیا ہے ـ کہاں کو جائیگا ـ لیکن یہ عجب لڑکیاں ہیں ـ مغرور ـ ضدی ـ خودسر

خود پسند ـــــــــ [illegible] میں نہیں لاتیں ۔ اپنی کوٹھی کا نام آشیانہ رکھ چھو[illegible] اسے زو کہنا چاہیئے ۔ دُنیا جہان کے خرگوش، پہاڑی طوطے، لنگور اور جانے کیا کیا بلائیں پالی ہوئی ہیں ۔ بنتی اس قدر ہیں جیسے ابھی پیرس سے چلی آرہی ہیں ۔ ابھی پرسوں دوپہر، باہر بوندیں پڑ رہی تھیں ۔ فریدہ بانو نے ریڈیو گرام پر کوئی چیخنے چلّانے والا انگریزی ریکارڈ لگا کر مجھ سے ارشاد فرمایا ۔ آئیے شوکت بھائی لیٹ واک کریں ۔ میں غریب کیسے پوچھتا کہ یہ کس مصیبت کا نام ہے ۔ اور پھر وہ اسی نیلی آنکھوں والے لونڈے کے ساتھ جو طہران سے آیا ہوا ہے ۔ برامدے کے فرش پر اُچھلنے کودنے لگیں ـــــــ لڑکیوں کو اتنی آزادی دینی بھی کیا ضروری ہے ۔

مگر اس وقت ان خود سر اور ضدّی لڑکیوں کے پاس شوکت بھائی کی ان جلی بھنی باتوں پر ناک بھوں چڑھانے کی فرصت بھی کہاں تھی ۔ اسماء بڑی فکرمندی کے انداز میں میز کے کونے پر بیٹھی دانتوں سے ناخون کتر رہی تھی سنجیدگی سے مسئلے پر غور کر رہی ۔ ممی کو کیسے ـــ ? ـــ کریں اور اگر شوکت بھائی نازل ہو گئے ـــ اور ابّی کو کس طرح بتائیں کہ وہاں وکٹر اور نکی ماؤس کے علاوہ امبر بھی ہو گا ۔

امبر سے ابّی کو خصوصیت کے ساتھ چڑ ہے ۔ وہ اس وسیع دُنیا میں یکہ و تنہا بچارہ انسان ۔ امبر بتاؤ میں کیا کروں ۔ ابّی اجازت

نہیں دیتے کہ میں تمہاری میٹنگ [illegible] کھوں۔ ممی کس وقت سونے جاتی ہیں ـــــ [illegible] کہ پُرانی دنیا کے خلاف کس طرح اسکیمیں بنائی جا رہی ہیں۔ [illegible] قومیت سے۔

چار کی میز پر ابی ّ نے عینک اتار کر اخبار پر رکھ دی ـــــ آپ کو یہ کب سے یقین ہو گیا کہ آپ ممی ّ کے بغیر وہاں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ بہتر ہو گا اگر آج کی شام آپ خرگوشوں اور پولی کے ساتھ گذاریں ـــــ اور وہ اخبار اٹھا کر اپنے دار المطالعہ کی طرف چلے گئے ـــــ امبرشیں ـــــ امبرشیں۔

پر امبرشیں کم از کم تم پارٹی میں تو آجانا جو ہم فریڈا کی منگنی کی خوشی میں راجپور میں مسز جیپ مین کے ہوٹل میں دے رہے ہیں۔ تم نے شاید اب تک فریدا کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ـــــ اور نہ مجھے ـــــ

ان دنوں رام گوپال اپنے ٹروپ کی دو لڑکیوں کے ہمراہ ہمارے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ دنیا جیسے گیتوں اور قہقہوں کے جھولے میں جھول رہی تھی۔

ہوٹل کے لان پر اسلم خوش خوش مہمانوں کا ایک دوسرے سے تعارف کراتا پھر رہا تھا۔ خالد صاحب آئیے آپ کو اپنے مہمانوں سے ملائیں۔ آپ انڈین آرٹ آبزرور ہیں۔ ابھی ایران اور اٹلی سے آرہے ہیں ـــــ اور یہ ہیں مسٹر رام گوپال ـــــ ـــــ

— *India's dancing son* ——— اور آپ مس جانکی ہیں ۔ بھارت ناٹیم سٹائل میں ہندوستان کی نمبر وَن ——— پریزیڈنسی کالج مدراس میں جو تیر بی۔ ایس سی میں پڑھ رہی ہیں ——— اور یہ بیگم شاہد اور نینا دیوی ——— ڈیلش اِٹ مسعود ۔ تکلف برطرف ۔ ہم یو، پی والے ہیں ۔ پر آپ ہنستے کھیلتے پنجاب کے باسیوں کے ساتھ تکلف کیا ——— کرسیاں ایک طرف کو رکھ دی گئیں ۔ اور سب گھاس پر بچھے ہوئے قالینوں پر بیٹھ گئے ۔ سرخ مونچھوں والے انگریز اور فرانسیسی سیاہ چشم اطالوی ۔ یہ مشرق و مغرب کا ثقافتی اتحاد تھا۔ *India's dancing son* اسلم گراموفون پر بیٹھ کر چلّایا ۔ ہئی ۔ شروع کر دا اپنا رقص ۔ دھیم تا نا نا نا تا نا دھی ری نا دھیم ——— جانکی بھی اٹھ کر رقص میں شامل ہو گئی ——— آؤ فریدا ، آمنہ ، اسماء اوم ہمارے ساتھ فوک ڈانس میں شریک ہو جاؤ ۔ رقص ہوتا رہا۔ لیکن نینا ایشیائی شہزادیوں کے سے وقار کے ساتھ قالین کے سرے پر بیٹھی سگریٹ کے دھوئیں کے حلقے بناتی رہی ۔ شاید وہ نغمہ و نکہت کے اس طوفان سے دور اپنے مرہٹہ شوہر کا انتظار کر رہی تھی ——— جو دور فلپائن کے جنگلوں میں موت سے لڑ رہا تھا۔

ممی، خالہ ، امی اور ابی مسز حبیب بین کے ساتھ برامدے کی سیڑھیوں پر آ کر کھڑے ہو گئے ۔ ان کے سامنے لان پر اُن کے بچے خوش خوش زندگی کی مسرتوں سے کھیل رہے تھے ۔ چھوٹے چھوٹے

خوبصورت اور شریر بچے۔

پھر سب بچے وادی میں آنکھ مچولی کھیلنے کے لئے اتر گئے۔ راما دھر سے کود جاؤ۔ فریڈا تم چٹان پر سے فوراً گر جاؤ گی۔ امبولینس منگوا کر ہسپتال بھیج دیا جائیگا۔ اطمینان سے۔ نینا ڈارلنگ سگریٹ کا ڈبہ پھینک دینا ادھر۔

وادی میں اندھیرا چھاتا جا رہا تھا۔ مسز چیپ مین نے آخری بار کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔ اور پھر دروازے بند کر کے کونے میں اپنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ وادی میں سے ان شریر بچوں کے قہقہوں کی اور سیٹیوں کی مدھم آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ انھوں نے آتشدان کے اوپر لگی ہوئی میڈونا کی تصویر کی طرف اپنی بھیگی ہوئی بوڑھی آنکھیں اٹھائیں۔ اور آہستہ سے کہا۔ God bless them۔ مسوری کی اونچی چوٹیوں پر سے سرو اور چیڑھ کے درختوں کی خوشبو میں بھیگا ہوا ہوا کا ایک جھونکا مسز چیپ مین کے چاندی کے تار جیسے بالوں کی لٹوں کو ہلاتا ہوا دوسرے دریچے سے باہر وادی میں نکل گیا۔ جہاں آمنہ اسما اور راوم کے گیتوں کی صدائے بازگشت اب تک گونج رہی تھی۔

Under the greenwood tree

Who loves to lie with me

Come hither, come hither, com hither,

There is no enemy

But winter & rough weather.

امبرتم کہاں کھو گئے اور خالد اور فریدہ ـــــ رام، نینا
اور جانگی اسٹیشن ویگن پر سوار ہوکر روز ماؤنٹ واپس جا چکے تھے۔
کیونکہ ایسی رات کو انھیں Forces کو Entertain کرنے
کے لئے رقص کی تیاری کرنی تھی۔

امبرتم ہیمپرز کو پیک کرنے میں میری مدد کرو۔ پارٹی کے بعد کی تھکن
بھاری بھاری آنکھیں۔ تھکے تھکے قدم ـــ امبرشن کیا واقعی تمہیں رنج
ہے۔ لو ان پیالیوں کو اس ٹوکری میں ٹھونس دو۔ فریڈا ـــــ
ہاں وہ وہیں ہے۔ آبشار کے کنارے اب تک؟ اندھیرا ہوگیا
ہے۔ اور وہ بہت خطرناک جگہ ہے ـــــ نہیں اس کا منگیتر
بھی تو اس کے ساتھ ہے۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس کا منگیتر ـــــ
لو یہ چیچے گنتے جاؤ ـــــ زندگی کا راستہ بہت پتھریلا اور کٹھن
ہے۔ اسمارانی ـــــ افوہ حماقت کی انتہا ـــــ

حماقت کی انتہا ـــــ تعجب کی بات ہے نا کہ میں تمہارا پورا نام
نہیں جانتی ـــــ میرا خیال ہے کہ میں خاصا matter of
fact قسم کا انسان ہوں ـــــ شاید تمہیں اس بات سے تکلیف ہو
ـــــ اوہ گوش ـــــ تم نے غالباً اب تک یہ نہیں سوچا کہ
ہماری عمروں میں کتنا فرق ہے۔ میں تمہارے سب سے بڑے
بھائی سے بھی چار سال بڑا ہوں۔ میری بیوی اور بچے ایران میں

ہیں موجود ہیں ــــ لیکن تم تو انھیں طلاق دے چکے ہو ــ ادھر تمھاری بہن اور وہ کمیونسٹ دوست مسز حبیب پین کے وہاں سے تمھیں آوازیں دے رہے ہیں ــــ وہ فریڈا کا بازو تھام کر ہوٹل کی پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ اور فریڈا کو ایسا لگا جیسے وہ آبشار کی گہرائیوں میں گری جا رہی ہے۔

رات کافی آ گئی تھی۔ نینا نے ڈریسنگ روم کی کھڑکی کھولی۔ ہو فریڈا۔ ہاں ہاں آجاؤ۔ فریڈا اندر آ کر سنگھار میز کے کونے پر بیٹھ گئی نینا نے بھویں پلک کرنے کی چمٹی آہستہ سے میز پر رکھ دی اور سگریٹ جلا لیا۔ "رام کب جا رہا ہے؟" فریڈا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں"

"صبح تو وہ فون پر تامس کک والوں سے امریکہ کے passage کے متعلق طے کر رہا تھا"

"ہاں لیکن میرا خیال ہے کہ میں جلد ہی بنگلور واپس چلی جاؤنگی" اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑی اور بھویں اٹھا کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی ــــ آج شام میں خاصی فکر مندسی ہو رہی ہوں۔ میرے شوہر کا خط آئے مدتیں گذر گئیں۔ ادہ فریڈا تم نہیں جانتیں یہ لوگ کیا ہیں۔ سب ایک سے۔ بہت پرانی شکایت ہے۔ مگر بالکل صحیح ــــ ۔ اس نے جھک کر فریڈا کا گلابی آنکھوں والا خرگوش اٹھا لیا۔

اچھا شب بخیر نینا۔ اب تم آرام کرو۔ آج تم بہت کافی تھک گئی ہوگی ـــــ میں دیکھ آؤں میری بہن جانکی پر اپنی مصوری اور افسانہ نگاری کی قابلیت کا رعب جھاڑ کر اس کا دماغ چاٹ رہی ہے یا نہیں۔

لیکن فریڈا جانکی کے کمرے میں جانے کے بجائے ایک مدھم سرخ لالٹین لیکر لیچیوں کا باغ پار کر کے جانوروں کے شیڈ کی طرف چلی گئی۔ اور وہاں ایک اسٹول پر اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک کہ شیڈ کی سرخ ٹین کی چھت پر ٹپکنے والی بارش کی بوندوں اور کینٹارل نے اسے یہ یاد نہ دلایا کہ مہمانوں کے ناشتے کی تیاری کے انتظام میں ممی کی مدد کیلئے صبح سویرے جاگنا ہے۔

سوسائٹی کی دلچسپ ترین Gossip۔ ممی خفا، ابی ناخوش، اسلم پریشان اور شوکت بھائی پر تو بالکل Panic سوار ہوگیا۔ جولائی کا مہینہ بھی گذر گیا۔ فریڈا آرام کی تصویریں بے دلی سے رنگ بھرتی رہی۔ اسما نے جھنجلا کر سارے برش زمین پر پٹخ دیئے اور دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔

Freda darling, I must do some-thing drastic to take the gossip off you!

ہش کیا کروگی تم کمزور گلہری!

امبریش کی بھیگی بھیگی بھاری بھاری سیاہ آنکھیں میز کی بلوریں سطح پر لرزنے لگیں ـــــ زندگی کا راستہ بہت پتھریلا اور کٹھن ہے اسماء رانی!

فریڈا کی نامکمل تصویر میز کے نچلے خانہ میں ڈال دی۔ اور اسماء کے پاس آ گئی۔ آشیانے کی طرف بادل اور طوفان بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ دور گولیاں چلنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے نا۔ ایک دم انھیں کچھ یاد سا آ گیا۔ فریڈا کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اور پھر ماریا ٹریسا کی تصویر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ گولیوں کی گرج میں سے امبر کی آواز کہتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی ـــــ میں تمہاری کہکشاں کی پگڈنڈی سے علیحدہ ہو گیا ہوں اسماء رانی کتنی اچھی ہے کہ میرے ساتھ سفر کرنے کو تیار ہے۔ اس راستے پر جہاں گولیاں برستی ہیں ۔ اس دنیا میں جہاں پولیس ہماری الماریوں کی تلاشی لیتی ہے۔ جہاں ہماری شوق اور محنت سے لکھی ہوئی کتابیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ اور جہاں آخر میں ہمیں تاریک کمروں میں بند کر دیا جاتا ہے ـــــ تم نیلوفر کے شگوفے کی طرح نازک اور کمزور ہو۔ تمہیں حفاظت کی ضرورت ہے۔ تم پُرشور طوفانی ندیوں اور اونچے پہاڑوں اور ریتیلے میدانوں کو طے نہیں کر سکتیں۔ اسماء شاید اس سفر میں کامیاب ہو سکے ـــــ

اگست کی بارشیں اور تیزی سے برسنے لگیں۔ کار نے دھواں

چھوڑا اور ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھنے لگی "خدا حافظ فریدہ، تم خوش گھر واپس آجاؤ" "آشیانہ بجلیوں کی زد سے اچھی طرح محفوظ ہے۔ شوکت بھائی سے شادی کرلو۔ اور پھر اپنے سات آٹھ بچوں کے لئے عمر بھر موزے بنتی رہو۔ اور فریدہ پیاری ممی اور ابی کو میرا لو دینا اور ان سے کہنا کہ سمجھنے کی کوشش کریں"

۹۔ اگست کے فوراً بعد امبر کی گرفتاری کا پروانہ آچکا تھا کار ننانٹے سے ترائی کے میدانوں میں اڑنے لگی۔ اور موہن پاس کے موڑ کے نزدیک ایک بہت بھاری ملٹری پولیس کی مسلح کار سے اسکی ٹکر ہوگئی جو مخالف سمت سے اسی تیزی کے ساتھ آرہی تھی۔ اور امبر کی سیاہ آنکھیں زخموں کے بوجھ سے آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔ اور وہ خاموشی سے سیٹ پر گر گیا۔

اور یہ پرانی دنیا اسی طرح قائم ہے۔ ابی شاہ بلوط کی بھاری میز پر کاغذات پر جھکے اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار میں حد سے زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ نگار خانے میں آتشدان کے اوپر کے شیشوں کے پیچھے سے بلو بوائے اور لیڈی جین گرے ہمیشہ کی طرح جھانک کر مسکرا رہے ہیں۔ رام گوپال کی تصویر میز کے نچلے خانہ میں ادھوری پڑی ہے۔ تانبے کا ایک گھوڑا جس پر یونانی دیوتا سوار تھا گرد میں اٹا ہوا بڑے سکون کے ساتھ اسی کونے میں رکھا ہوا ہے۔ گھوڑے کا ایک کان اور اپالو کے تیر کی کمان ٹوٹ چکی ہے۔ شمران کے پہاڑ پر

کے مناظر کی جو تصویریں فریڈا نے بنائی تھیں ۔ وہ سب کی سب بہت احتیاط سے کینوس میں لپٹی ہوئی الماری کے اوپر رکھی ہوئی ہیں ۔ ——— شمرآن ، جہاں وہ اپنی فرانسیسی بیوی اور چار سالہ بچی کے ساتھ اطمینان سے رہتا ہے ۔

یہ فرن کے خشک پتے اور پینزی کی زرد اور اودی پنکھڑیاں اپریل کی ہواؤں میں اڑی جا رہی ہیں ۔ دروازہ بند کرکے آؤ ۔ اب نیچے چلیں ۔ جہاں لیچی کے سایہ میں شام کی چائے پر ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا اس بوڑھی دنیا میں Serenading اور امبرشن کے لئے قطعی کوئی جگہ نہیں ۔ فریدہ بانو اندر آجاؤ اب تمہاری بالکونی کے نیچے وائلن بجانے کوئی نہیں آئیگا ۔ کوئی بھی نہیں ۔

ہم لوگ

ہاؤ ——— ہوؤہ ——— ہلو لیوٹیننٹ ——— اہم ——ٹٹ ٹٹ
——— فلکس ——— بیپ ——— مے فیئر ——— یاہ ———
اوکے ——— ٹیڈل اوڈو سویٹی پائی ——— چیریو سیم ———
اور دوسرے لمحے ریٹا میری بہن نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔
جیسے آپ ایک بار پلک جھپک کر کہیں "جیک روبنسن" ——— یا
پیکر ڈ۔ میری آٹھ سلنڈرز والی موٹر پانی کے تیز چھینٹے اڑاتی زنّاٹے کے
ساتھ موڑ پر سے گذر کر جنوبی مال کی طویل اور اندھیری خاموشی میں
کھو جاتی ہے۔ اور پیچھے رات کے بھاری کہرے میں ڈوبی ہوئی سڑک

کی اونچی اور زرد اور دھندلی روشنیوں کی قطاریں بے بسی سے جھلملاتی رہیں۔ ریٹا اور پیکرڈ اور ہم رائل انڈین نیوی کے گلفام "سب لیوٹ" اور تھکی ہوئی ساون اور آرام کی خواہاں یہ خوابیدہ جنوبی مال جو ہم کو مے فیئر لے جا رہی ہے۔ آج رات تمام سڑکیں مے فیئر کو جا رہی ہیں۔
کیونکہ وہاں گالا نائٹ ہے ایک روسی اوپیرا کی نقل ـــــ سمجھے؟
کم وَن، کم آل ـــــ ہم نے اسٹیج اور بار اور گیلریاں اور گرین روم سب کے سب ہتوڑے اور درانتوں والے سُرخ کاغذی پرچموں سے سجائے ہیں۔ پچھلی مرتبہ جب ہم نے مے فیئر کی اسٹیج پر ہندوستانی رقص پیش کئے تھے تو نیلی اور سُرخ دھاریوں اور ستاروں اور لکیروں والے جھنڈے سارے میں آراستہ کئے تھے۔ سمجھے کامریڈ۔ اوہو معاف کرنا تم تو کامریڈ نہیں ہو بلکہ آر۔ آئی۔ این کے ایک بیحد گلفام سے سب لفٹننٹ ہو۔ جنرل اسٹل ول کا جامِ صحت تجویز کرنے کے بعد" فارہی از اے جولی گڈ فیلو" خوب زور زور سے اس لئے گاتے ہو کیونکہ ہم ہندوستانیوں کا امریکہ اور امریکنوں سے بہت ہی گہرا قلبی تعلق ہے۔
لیکن کیسی فضول سی اور اکتا دینے والی باتیں ہیں یہ۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ اور میری بہن ریٹا بھی۔ مگر میری آٹھ سلنڈرز والی کار کبھی نہیں تھکتی۔ اس کے ٹائروں کے نیچے کہر آلود لیمپوں کی مدھم روشنی میں مال تیزی سے بہہ رہی ہے۔ مے فیئر ابھی بہت دور

ہے۔ میرا اچھوٹا اور خوبصورت سا نیند سے بوجھل سر اپنے شانوں پر رکھ لو۔ جنوبی مال تک۔ صرف شمالی مال سے لیکر جنوبی مال تک۔ یعنی کس قدر مختصر یہ شرح زندگی ہے۔ سوچو تو۔

اور ہماری دنیا ذرا اعلیٰ پیمانہ پر کتنا کارآمد پیٹ مینز شارٹ ہینڈ انسٹیٹیوٹ۔ ریٹا خاموش ہے۔ ریٹا بہت سے اہم مرحلے اسی شارٹ ہینڈ میں طے کر لیتی ہے۔ اور پھر اطمینان سے چوئنگ گم کھاتی رہتی ہے۔ اور اپنی بڑی بڑی سبز آنکھیں اس طرح جھپکتی ہے جیسے پوچھ رہی ہو معاف کیجئے گا۔ لیکن کیا آپ کو زندگی بسر کرنے کا فن آتا ہے۔ اگر نہیں تو پھر سے جا کر کنڈر گارٹن میں داخل ہو جائیے ورنہ میرے ساتھ آ کر ناچیے۔

ارے آپ کو ناچنا بھی نہیں آتا۔ اور سوسائٹی میں یونہی داخل ہو گئے آپ۔ ٹچ ٹچ اچھا آپ مادام دالگا کے اسکول میں داخل ہو جائیے۔ جو نیو انڈیا کافی ہاؤس کے اوپر ہے۔ اور آپ نے اس نکتے پر بھی غور نہیں فرمایا جسے امریکن بہت اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ (فش! یہ امریکن تمہارے اعصاب پر کب سے سوار ہو گئے ہیں بھئی) یعنی زندگی تجارت ہے تجارت اشتہار بازی ہے اور اشتہار بازی زندگی۔ یہ سب اچھی طرح مکس کئے ہوئے کاک ٹیل کی طرح ایک دوسرے سے لازم وملزوم ہیں۔ دیکھیے مادام دالگا کے رقص کے اسکول کا اشتہار کس خوبصورتی سے صرف ایک سطر میں میں نے

آپ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ فن میں نے یونیورسٹی کی تعلیم ختم کرنے کے بعد کمرشل کالج کی شام کی کلاسوں میں شغل بیکاری کے طور پر سیکھا ہے۔ آپ حضرات بھی اس طرف توجہ فرمائیے اور گھر بیٹھے ہزاروں روپیہ کمائیے۔ اس کے علاوہ ہماری فرم سے آپ امریکن یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگریاں بذریعہ خط و کتابت حاصل کر سکتے ہیں۔ فیس بالکل واجبی۔ پھر آپ دیکھئے ڈبلیو اے سی (آئی) کی زندگی کس قدر دلچسپ ہے۔ اور ہندوستانی شاہی بحری بیڑے کو اس وقت آپ جیسی لڑکیوں کی کتنی ضرورت ہے۔ یہ مس معینہ امام ہیں اور یہ سیلیبز کمانڈر للیتا کا برجی۔

چنانچہ ہماری ریکارڈ اسی طرح تیز رفتاری سے مے فیئر کی طرف بڑھتی جا رہی ہے اور ہم بہت مطمئن ہیں۔ ہمیں تھکن کبھی محسوس نہ کرنی چاہیئے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ "منزل" مے فیئر کی ان نیلگوں روشنیوں سے بہت دور کہیں دھندلکوں کے پرے چھپی ہوئی ہے منزل ——— فش بہت ہی لغو اور بے معنی لفظ ہے یہ۔ زندگی ذوقِ سفر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خصوصاً جب یہ سفر ایک ریکارڈ میں کیا جا رہا ہو۔

لیکن ریٹا اسلام احمد تم جو زندگی کی شارٹ ہینڈ میں ماہر ہو اور اپنی انسٹیٹیوٹ کا بہترین اشتہار ——— آہستہ آہستہ مت ناچو ——— کیونکہ برسات کی یہ کالی راتیں بہت جلد گذرتی جا رہی ہیں

اور بادلوں کے اوپر تاریک آسمانوں میں نقرئی ستارے تیزی سے گھوم رہے ہیں۔

اور صبح صبح جب کھڑکی کے نیچے پھیلی ہوئی کچی رس بھری کی مدھم خوشبو ناک میں گھستی ہے تو سبزے کے پرے رہنے والے کیپٹن عثمان اپنے دریچے میں کھڑے ہو کر یونہی بے فکری اور بے نیازی سے سیٹی بجانے لگتے ہیں۔ (یہ ایک اہم سائیکلوجیکل نکتہ ہے کہ ان کھڑکی میں کھڑے ہو کر سیٹی کیوں بجاتا ہے) اس وقت ریٹا میری بہن کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور چند لمحوں تک اپنی بڑی بڑی سبز آنکھیں کاہلی سے جھپکانے کے بعد وہ دوسری کروٹ لیکر خوابوں کے نقرئی تار کو وہیں سے ملا دیتی ہے جہاں سے کیپٹین صاحب کی سیٹی نے اسے توڑ دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ بجھتے تاروں کی چھاؤں میں جنم لینے والے سپنے ہمیشہ خوش گوار اور سچے ثابت ہوتے ہیں۔ رس بھری کی سوتی ہوئی خوشبو کی لپٹوں جیسے۔ ان دھندلے سنہری پانیوں میں اپنی خوابوں کی کشتی کھیتی رہو۔ ریٹا رانی انجانی چٹانوں اور اجنبی ساحلوں سے بچا کے۔

دیکھتے ہو کامریڈ۔ اس بورژوا لڑکی، اس جاگیردارانہ نظام اور ذہنیت کی فروزاں قندیل کا وجود کتنا فضول اور بے مصرف ہے۔ اٹھو او خوبصورت کاہل عورت، تجھے اسکیٹنگ ہاکی ٹورنامنٹ کی شیلڈ حاصل کرنے کے حد سے زیادہ لغو اور غلیظ خواب دیکھنے کا

کیا حق ہے جبکہ — جبکہ — جاگ کہ سُرخ سویرا آتا ہے۔
("سُرخ سویرا" اور دیگر تمام کمیونسٹ لٹریچر آپ کو قومی کتاب گھر
مقابل پلازا سینما مل سکتا ہے) گومتی کے پار نارنجی افق پر صبح کی
پہلی کرنیں بکھرنے لگی ہیں۔ اور ریٹا میری بہن ہلکی ہلکی سیٹیوں کی
آوازوں کے سہارے خواب میں مسوری کی رنک کی سطح پر شیلڈ
کی جانب بڑھتی جارہی ہے۔ اس کے نئے اوبیرائے کے اسکیٹس ہر
سال اسی طرح اسے جیتنے میں مدد دیتے ہیں (ہمیشہ اوبیرائے کے
اسکیٹس اور ہاکیاں استعمال کیجئے) اور مسوری کا چمپین این کے
خواجہ جسے ریٹا نے پچھلے سیزن میں ہرایا تھا، کہتا ہے کہ ایک سخت
میچ کے بعد روزیز اسکویش کا ایک گلاس مجھے ہمیشہ بیحد ریفریشنگ
ثابت ہوا ہے۔ روزیز اسکویش کے علاوہ اگر آپ ہوٹل برلنگٹن
کے نیلگوں کیفے میں تشریف لائیے تو ہم آپ کو رس بھری کی بہترین
خوشبو سُنگھوائیں گے۔

اس لئے بھائی ریٹا اب جاگ اٹھو۔ اتنی آہستگی سے رقص نہ
کرو۔ سمجھیں۔ کیونکہ زندگی بہت مختصر ہے۔ اور ہم بہت مصروف۔
اور ابھی ہم کو کتنے بیحد ضروری کام کرنے باقی ہیں۔ تمہیں این
کے خواجہ کو ہرانا ہے۔ میں ہندوستانی کلچر سوسائٹی کے ایٹ ہوم
میں مانی پوری رقص پر انگریزی میں جو تقریر کرنے والی ہوں۔
اس کے لئے کتابوں میں سے خوبصورت جملے چھانٹنے میں

مشغول ہوں۔ (کیونکہ ابھی ہندوستان میں فن تقریر سکھانے کے کالج قائم نہیں ہوئے) اور کیپٹن عثمان کے سپر بینڈ بیکار جا رہے ہیں۔ اب جاگو راد ھارانی!

کیونکہ صبح ہوگئی ہے اور سنہری مشغلوں کے راستے تمہارے منتظر ہیں۔

صبح نو۔ اُفوہ۔ صبح نو!

پھر ایک اور صبح اور ایک اور شام ——— یہ دن اور یہ راتیں ——— حماقت کے افسانوں کے کارواں ——— بے بس و بے معنی

آئیے کامریڈ میں آپ کو ایک نئی داستان سناؤں۔ امید ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ میں ایک بڑی سحر طراز افسانہ نگار ہوں۔

جی ہاں۔ جی ہاں ——— خوب! مس حیدر آپ کی تو نثر میں نظم کی سی حلاوت، روانی اور لچک ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے تازہ ترین قطعات آپ کے گوش گذار کروں جو میرے نئے مجموعے "چھیڑ" میں بھی شامل ہیں۔

عرض کرتا ہوں کہ ——— مجھ کو منظور نہیں چاند ستاروں کا سفر!

میرے کھوئے ہوئے ———

اُفوہ ——— بہت بہت شکریہ ——— واقعی کس قدر خوبصورت نظم ہے آپ کی۔ لیکن اب مجھے باہر جانا ہے۔ اگر آپ کسی اور

دن تشریف لائیں تو کیسا رہے۔ خدا حافظ! کامریڈز۔ کھم الانگ

کیپٹن:

اُف یہ سرمایہ دار !

اُف یہ لڑکیاں !!

اُف یہ لوگ !!!

عثمان، عثمان، سچ مچ میں بہت تھک گئی ہوں۔ سچ مجھے منظور نہیں چاند ستاروں کے سفر، بالکل سچ ——— مجھے منظور نہیں ——— میں نے صاف جھوٹ بولا تھا کہ مجھے ان سرمایہ دار خاموش سکون بخش راستوں اس سوتی ہوئی موسیقی، اس تیسرے درجہ کی پٹی ہوئی رومان پرستی سے شدید نفرت ہے۔

نہ جانے کیا کیا کہتی رہتی ہو۔ کبھی مجھ سے افسانوں والی کے علاوہ جو دوسری اُردو ہوتی ہے اس میں بولا کرو۔ سمجھیں؟ لیکن وہ جانتا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتی۔ نہیں سمجھنا چاہتی۔

پھر گومتی کے کنارے آموں کے سائے میں رُکی ہوئی پیکارڈ کے فٹ بورڈ پر بیٹھے بیٹھے کیپٹن عثمان دُنیا جہان کی باتیں کرتا رہتا کہ شبنمی خوابوں کی باتیں قطعی غیر ضروری اور بالکل بے معنی جن کی کوئی اہمیت نہیں۔ جنھیں سنجیدگی سے لینے کا ذرا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی آموں کے سائے بڑھتے جاتے ہیں۔ گومتی بہتی رہتی ہے اور یہ باتیں ختم ہونے میں نہیں آتیں۔

زندگی کے سوال کو اب تک ہم حل نہیں کر سکے ہیں۔
لیکن وہ متجسس اور متلاشی اور حساس آنکھوں اور بوجھل پلکوں والی زرد رو عیسائی لڑکی جو بھائی میاں کے پاس ریڈیو کی ملازمت کی درخواست لے کر آئی تھی بہت آسانی اور صفائی سے اس سوال کو حل کر چکی ہے۔

وہ سوتی ہوئی سی لڑکی جو اس روز برامدے میں پہنچ کر بھائی میاں کے سامنے جانے سے قبل ہیٹ ریک کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے کے لئے ایک لمحہ کو ٹھٹک گئی تھی جیسے اندر آرام کرسی پر "لائف" کے صفحوں میں ڈوبا دیکھ کر جیسے اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں تم رولنگ چیئر پر جھولتے رہو مگر یقین کرو کہ میں تم سے زیادہ عقل رکھتی ہوں۔ حالانکہ میرے پاس بھی ایک بہترین ساری ہے جسے میں نے انٹرویو کے لئے اتنے دنوں سے سنبھال رکھا ہے۔ اس سے بھائی میاں نے پوچھا تھا آپ کو پہلے بھی کوئی کام کرنے کا تجربہ رہ چکا ہے؟ اور اس کی سایہ دار پلکیں لرز اٹھی تھیں۔ کیسا کھوکھلا اور غیر ضروری سوال ہے۔ وہ ہمیشہ سے کچھ نہ کچھ کرتی آئی ہے اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتی رہے گی۔ کیونکہ اسے زندہ رہ کر زندگی کے سوال کا حل تلاش کرنا ہے۔ اور زندہ رہنا رولنگ چیئر پر جھولنے والوں کے علاوہ دوسروں کے لئے خاصا مصیبت کا کام ہے۔
پھر بھائی میاں نے اس سے پوچھا تھا۔ آپ کس قسم کی ملازمت

زیادہ آسانی اور دلچسپی سے کرسکیں گی ●

ٹیلی فون آپریٹر ۔ ڈرامہ آرٹسٹ ۔ ریسپ شنٹ ـــــ
Any thing, Any thing ۔ بھائی میاں نے اس کے الفاظ دوہراتے ہوئے اس کا نام کاغذ پر بے فکری سے گرا دیا۔ اور چلتے وقت اس نے بھائی میاں پر شکریہ کا ایک تبسم پھینکا جو کہہ رہا تھا کہ تم نہیں جانتے زندگی کے پٹ مینز شارٹ ہینڈ انسٹیٹیوٹ کا ایک اشتہار میں بھی ہوں ۔ جو گھر بیٹھے ایک ہزار ماہوار کمانے کی دعوت دیتا ہے ۔ لیکن یہ اشتہار ہیکارڈ کے کُشنوں اور اسکیٹنگ رنگ پر پھسلنے والی نفاست کا حامل نہیں ۔ بلکہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر شائقین کو مخاطب کرتے ہوئے "چترا" اور "بیسویں صدی" میں شائع ہونے والے اعلانوں کی قسم میں سے ہے جس کو نہایت آسانی اور بے تکلفی سے پڑھ سکتے ہیں ۔ اور جو زندگی سے زیادہ قریب اور زیادہ صحیح ہے ۔

لیکن ہم اس عیسائی اور سوتی ہوئی سی لڑکی سے شکست ماننے کو تیار نہیں ہوسکتے ہم جو چار ہیں ۔ اور اس سے بہت بلند اور اعلیٰ و ارفع ہیں ۔

ہم لوگ جو ستاروں سے پرے رہتے ہیں ۔ شیشے کے رنگ محلوں میں ۔

اور شیشے کا رنگ محل بہت جلد ٹوٹ سکتا ہے ۔

مگر ہم چاروں نیچے زمین کی پستیوں میں بسنے والوں پر پتھر پھینکتے رہتے ہیں۔ اور چوئنگ گم کھاتے رہتے ہیں۔

شکنتلا وارشنے جو ہیڈی لیمار کی طرح آنکھیں نیم وا کئے فرصت کے لمحوں میں سوچا کرتی ہے۔ کہ جب وہ فلائٹ لیفٹیننٹ روجرز کے ساتھ شادی کر کے زمانہ بعد از جنگ کے بین الاقوامی تعلقات استوار کرتی ہوئی فلاڈیلفیا یا میامی جائیگی تو کس قسم کا بالوں کا اسٹائل بنایا کریگی۔

اور طلعت جو کمیونسٹ ہے اور ہندوستان کی قومی مشترکہ زبان کے لئے صبح سے شام تک فکرمند رہتی ہے۔ اور جب سے ہمارے صوبے میں "قومی جنگ" پر پابندی عائد کی گئی ہے اس کا وزن پورا آدھ پونڈ کم ہو گیا ہے۔ پارٹی کے حکم کے مطابق مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد سے اس نے بےحد مستعدی سے پاکستان کی اقتصادیات اور حکومت الٰہیہ پر کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔ روزانہ ہمیں فرسکو اور شملہ کانفرنس کے متعلق ضروری باتوں سے واقف کراتی ہے۔ اس قدر مخلص اور سوئیٹ بچی ہے۔ خدارا آپ ہی اس سے شادی کر لیجئے۔

اور رٹیا جو میری ماموں زاد بہن ہے جس کی آنکھیں شاہ بلوط کے جنگلوں کے کنارے کسی جھیل کے پانی کی طرح گہری سبز ہیں اور جب وہ سیٹی بجاتی ہے تو کائنات زیر و زبر اور فضائیں تہ و بالا ہو جاتی

ہیں۔ اور بربط دل کے تار لرز اٹھتے ہیں۔ اور نیلی آنکھوں والے امریکن اپنی چمکیلی ڈاج یا نیش کے بریک دبا کر اسے لفٹ دینے کو رک جاتے ہیں۔ اسی طرح جیسے اس کی بلونڈ ماں میری آنٹ ربیکا کے گرم یہودی خون کی کشش سے مجبور ہو کر میرے ماموں میاں نے استفسارانہ سیٹی بجا کے بین الاقوامی نسلی مسائل کی گتھی میں ایک اور چھوٹی سی کبھی نہ کھل سکنے والی گرہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ آنٹ ربیکا جو برلن کے ایک دہکتے جھکتے ہوئے قہوہ خانہ کی ویٹرس تھیں اور میرے ماموں میاں جنھوں نے اعلیٰ طبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرمنی مراجعت فرمائی تھی اور وہاں سے واپس آکر ہندوستان میں آفتابی اور بنفشی شعاعیں پھیلانے کے بجائے ایک میڈیکل کالج میں محض تھرڈ گریڈ لیکچرر ہو گئے تھے اور جو برے جرمن خیالات رکھنے کے جرم میں اب تک نینی تال میں نظر بند ہیں۔ آنٹ ربیکا عرصہ گذرا اسی میڈیکل کالج کے ایک انگریز پرنسپل کے ساتھ بھاگ چکی ہیں۔ اور ان کی سبز آنکھوں والی بیٹی ریٹا سیٹیاں بجاتی ہے اور تاروں کی چھاؤں میں رس بھری کی ٹھنڈی کونپلوں کے خواب دیکھتی ہے، اپنی ماں جیسے۔ اور اس کی ماں کی ماں نے بھی یوں ہی ہلکی ہلکی سیٹیاں بجائی ہوں گی۔ میرا مطلب ہے کہ یونہی ہوتا آیا ہے نظام عالم کی تشکیل و تنظیم اسی طرح ہوتی ہے بھئی!

لیکن حماقت دیکھئے کہ فرسکو کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ نسلوں کے اختلاف سے منتج مسائل کے حل کے لئے انٹرنیشنل ہیلتھ بیورو اور

اور لیگ آف نیشنز قائم کی جاتی ہے۔ لڑائیاں لڑی جاتی ہیں حالانکہ اس ساری دردسری کے باوجود ان پرو بلمز کو نہایت آسانی سے اور اطمینان کے ساتھ نہایت نفاست سے انڈیا گیٹ کے آس پاس تاج کے سوٹوں اور درسوائی کا بجٹوں میں حل کر دیا جاتا ہے۔ غور فرمایئے کہ انہی سیٹیوں اور جوابی مسکراہٹوں کے نقرئی اور غیر مرئی تار کے سہارے یہ دُنیا برقرار ہے۔ ورنہ ہم سب کب کے ختم ہو چکے ہوتے۔ کرۂ ہیں حرارت کی نارمل ڈگری برقرار رکھنے کے لئے یہ ساری باتیں بیحد ضروری ہیں۔ اور اس نکتے کو وہ زرد رو عیسائی لڑکی، اور میری بہن ربیٹا اور شاہدہ اکرام جو چند ماہ میں جونیر آفیسر سے ایک دم سینئر کمانڈر ہو گئی اور میری آنٹ ربیکا سب اچھی طرح سمجھ چکی ہیں۔

چنانچہ یہ ہم لوگ ہیں۔ غور فرمایا آپ نے؟ اگر غور نہیں فرمایا تو اور بھی اچھا کیا۔

مجھ سے ملئے۔ میں جو اپنی گوناگوں قابلیتوں پر بہت نازاں ہوں بچپن میں کونونیٹ میں تھوڑی سی فرنچ سیکھی تھی۔ اب وہ بالکل یاد نہیں رہی۔ مگر ہتّے کے رومینٹک تلفظ کے ساتھ انگریزی کے چند خاص خاص الفاظ اس طرح استعمال کرتی ہوں جیسے مجبوراً انگریزی بولنی پڑ رہی ہے۔ بچپن میں ایک دفعہ والدین کے ہمراہ یورپ گئی تھی شاید دو مہینے کے لئے۔ اب جو کسی نئے شخص سے تعارف ہوتا ہے تو میں اسے Continent کہتی ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے شاید میں نے

میں کہیں آپ کو دیکھا تھا۔ وہ بیچارہ فوراً مرعوب ہو جاتا ہے۔ دیگر اوصاف حمیدہ یہ ہیں کہ بہترین Conversationalist ہوں۔ پہلے جب ٹینس کا بیحد شوق تھا تو آپ پر ثابت کرسکتی تھی کہ ابھی ابھی ممتاز مصرا کو ہرا کر چلی آرہی ہوں۔ اب کچھ عرصہ سے افسانہ نگاری شروع کردی ہے۔ اور اپنے ہر افسانے میں ہیکارڈ یا ایک اسٹوڈیبیکر کار کا ذکر کردینا ضروری خیال کرتی ہوں۔

اور ان چمکیلے دنوں اور سنہری راتوں کا کارواں اس طرح گذر رہا ہے۔ ہم بڑھتے جاتے ہیں اسی منزل کی جانب جو مے فیئر کی نیلی روشنیوں سے کہیں آگے چھپی ہوئی ہے۔ طلعت کی "قومی جنگ" اور دیہاتی گیتوں کے مجموعے، شکنتلا کا تان پورہ، ریٹا کی اسکیٹس —— میرے ٹینس ریکٹ، —— ہم سمجھتے ہیں جیسے ان چیزوں نے ہماری گہرائیوں کو پالیا ہے۔ یہ ہماری شخصیتوں، ہماری طبیعتوں کی نمائندگی اور رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ ہمیں ان چیزوں سے بھی اتنی ہی نفرت ہے جتنی دُنیا کی کسی اور معمولی چیز سے ہوسکتی ہے۔ لیکن ہم اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنی ہار ماننے کا خیال بھی نہیں کرنا چاہتے۔ دنیا کتنی بے انتہا اکتا دینے والی گھسی ہوئی اور گھٹیا جگہ ہے۔

طلعت "ذہن پرست" ہے (اس اصطلاح سے میں ابھی چند روز ہوئے اشک کے ایک ڈرامے کے ذریعے واقف ہوئی ہوں) یونیورسٹی میں بھی سب اسے انٹلکچوئل اور جانے کیا کیا سمجھتے ہیں لیکن

اس وقت میں اس سے کہوں کہ اگر وہ مستقل اس پوز سے اکتا گئی ہو تو کوئی دوسرا دلچسپ مشغلہ شروع کر دے۔ تو وہ یقیناً رو پڑنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرے گی۔ حالانکہ وہ کہتی ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔

وہ "قومی جنگ" پر پابندی کے خلاف ایک زوردار احتجاجی مقالہ لکھنے میں محو ہے۔ شکنتلا تان پورے کو ٹیون کرنے کی کوشش میں مشغول اور میں اس پر مُصر کہ چونکہ میں موسیقی کے میرس کالج میں سکنڈ ایر تک رہ چکی ہوں اس لئے تان پورے کے درست کرنے کا حق قانوناً مجھ تک زیادہ پہنچتا ہے۔ خصوصاً جبکہ بارش میں لالہ کے پودے نکھر رہے ہیں اور کیپٹن عثمان کی سیٹیاں برساتی ہواؤں میں تیر رہی ہیں۔ آسمان پر ایک طویل و وسیع اکتاہٹ طاری ہے۔

روم جھوم بدروا برسے۔ روم جھم!

شکنتلا وارشنے جو تان پورے کے سے سر ٹیک کر گوڑ ملہار کا خیال گاتی ہے۔ طلعت جو سامراج اور فاشیت کے خلاف قہوے کی پیالیوں کے ذریعے لڑ رہی ہے۔ اور ریٹا جس کی آنکھوں کی سبزی میں ہمیشہ سکون اور خاموشی جھلکتی ہے —— محمد شاہ پیا سدا رنگیلے۔ محمد شاہ پیا سدا رنگیلے —— اُن بن جیرا ترسے —— جیرا ترسنے کا ساون کے مہینے سے کیا خاص تعلق ہے۔

ہیولاک ایلس کا مطالعہ کرو۔

اووف ـــــ اے خدا ـــــ کاش وہ سارے بکھرے ہوئے نغمے ایک مضراب سے جاگ اٹھیں جو صدیوں سے تان پورے کے تاروں میں سمٹے ہوئے ہیں ۔ وہ پرانے تار جو ہندوستان کے رنگیلے پیاؤں کے درباروں میں چھیڑے جاتے تھے ۔ وہ رنگیلے پیا جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ کو اتنا ضخیم بنا دیا کہ مقابلہ کے امتحانوں میں ان کے متعلق جواب لکھ کر پی ۔ سی ۔ ایس بنا جا سکے ۔

دیکھا آپ نے ہم چاروں کو سیاسیات میں بھی دخل ہے ۔

مجھے تمہارے میر قاسم اور تمہارے سراج الدولہ اور تمہارے جانعالم سے قطعی کوئی ہمدردی نہیں ۔ طلعت بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا سوچتے ہوئے یکلخت کہہ اٹھتی ہے ۔ وہ عوام کی کہاوتوں اور گیتوں کی ریسرچ کر رہی ہے ۔

برسو رام دھڑا کے سے ۔ بڑھیا مر گئی فاقے سے ۔

کتنا زبردست اور عظیم الشان انکشاف ہے کہ عہد زریں میں ، سامراج اور بنگال سے پہلے بُڑھیاں فاقے سے بھی مرا کرتی تھیں ۔

ونش ـــــ کیپٹن عثمان ـــــ

ایک نقطے پر ہم ہر پھر کے آتے آتے رک جاتے ہیں ۔

جہنم میں جائیں تمہارے کیپٹن عثمان اور جانعالم پیا ـــــ سب کے سب اور میری بادام جیسی آنکھوں میں پانی چھلک آتا ہے مجھے اپنی بیکار تاریخ ، اپنے مردہ بادشاہوں سے عشق ہے میں انہیں

موردِ الزام ٹھہرتے دیکھنا برداشت نہیں کرسکتی ۔ اودھ کے وہ پُرانے بادشاہ جن کی عطا کی ہوئی جاگیروں کی آمدنی اور معجونیں کھاتے میرے سارے بزرگوں نے سہری پر انتقال کیا ۔ وہ بزرگ جن کی خلعتوں والی روغنی تصویریں ڈرائنگ روم کی شان میں اضافہ کرتی ہیں ۔ اور پکار پکار کر کہتی ہیں کہ اے آنے والے تم ایک تعلقہ دار کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہے ہو جس کے پردادا کے پاس پینتالیس گاؤں تھے ۔ اور جس کے پرپوتے نے فروخت اور ضبطی کے سلسلے کی آخری چوالیسویں کڑی تک پہنچ کر آخری گاؤں کے روپیہ سے ایک رولس خریدی جس کو "Village on wheels" کہلا کر وہ اتنا خوش ہوتا تھا جیسے وہ خود جانعالم کا بھتیجا ہے ۔ اس جانعالم کا بھتیجا جس کا ملک ویلزلے اور ڈلہوزی کی کوچ کے پہیوں کی رگڑ سے ترش ترشا کے سات سمندر پار کے جگمگاتے تاج کا کوہِ نور بن چکا ہے ۔ اور وہ ملک جس پر کبھی غروب نہ ہونے والے آفتاب کی کرنیں دو سو سال سے مستقل برس رہی ہیں جن کی تمازت سے کھیت اور وادیاں سونا اگلتی ہیں ۔ اور انسان سڑک کے کنارے پٹریوں پر سوتے ہیں اور اکثر وہیں مرتے بھی ہیں ۔

اور "مدر انڈیا" کے گردپوش والی دیوداسی کے پازیب کی جھنکار گونج اٹھتی ہے ۔

ریٹا چُپ چاپ مے فیئر کے نئے رقص کے متعلق سوچ رہی ہے

کیپٹن عثمان کی کوٹھی میں ریڈیو گرام بجتا رہتا ہے۔ ایف کیسا نوو ا کا آرکسٹرا اور اس کے ساتھ ساتھ پنج ملک کا گیت ـــــ پران چاہیں۔ نیناں نہ چاہیں ـــــ پران چاہیں۔ ـــــ کیپٹن عثمان جنہیں اپنی خوبصورتی اور قابلیت کی وجہ سے مغالطہ ہے کہ سارے جہان کی لڑکیاں ان پر ایک ساتھ جان دیتی ہیں۔ کیپٹن عثمان آئی۔ اے۔ ایم۔ سی میں ہیں ایک دفعہ ایکٹنگ میجر رہ چکے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بہت جلد لفٹننٹ کرنل ہو جائیں گے۔ جو یقیناً بہت بڑی بات ہے۔ کیونکہ میڈیکل کالج سے نکلے ابھی پورے تین سال بھی نہیں ہوئے۔ ان کے باپ بھی فوج میں تھے اور دادا بھی اور پردادا بھی۔ ان کا راجپوت خاندان جان لارنس کے زمانے سے دولتِ انگلشیہ کا جاں نثار و وفادار رہا ہے۔ اور پنجاب میں ستلج کے کنارے کنارے ان کے بہت سے چک ہیں۔ جو غالباً انھیں بھی کسی پرچے پر خون سے لکھے ہوئے الفاظ میں ان کے پردادا کی غدر کی فوجی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں ملے تھے۔ (ستلج کے وہ کنارے جہاں الاؤ کے گرد اور بیریوں کے نیچے اور چوپال میں بانسریاں بجتی ہیں اور احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کی قسم کے رومان جنم لیتے ہیں۔) کیپٹن عثمان دلاور سور ماؤں کی اسی زرخیز سرزمین کے فرزند ہیں۔ وہ جاپانی شہنشاہیت اور فسطائیت کے خلاف نہایت تندہی سے سرگرمِ عمل ہیں۔ زخمیوں کو تندرست کر کے دوبارہ محاذ پر بھیجتے ہیں۔ اور اپنی یونٹ کی سرخ ہونٹوں اور نارنجی بالوں والی

ویلفیئر ورکرز سے فلرٹ کرتے ہیں۔ ان کا بیٹا بھی اپنی خاندانی بہترین روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آئندہ پچیس سال بعد بین الاقوامی سیاست کی لیبوریٹری میں تیار شدہ کسی نئی "ازم" کے خلاف لڑے گا اور فلرٹ کرے گا۔

تو آپ کپٹن سے ملیں گے؟ مے فیئر تشریف لائیے۔ یہ آپ کے ساتھ بہترین پولکا کریں گے۔ اور رومیا اور فوکس ٹروٹ اگر آپ کو واپس گھر لوٹنے میں خنکی کی وجہ سے زکام ہوگیا ہو تو یہ آپ کو ہسپتال سے دن میں پندرہ مرتبہ فون کر کے یقین دلائیں گے کہ آپ کے زکام کی وجہ سے انھیں فکر کے مارے رات بھر نیند نہیں آئی۔ اور آپ رات بھر چاندنی میں رس بھری کی خوشبوؤں کے خواب دیکھتی رہیں گی۔ پر ان چاہیں ممکن ہے اخلاقی جرأت کی کمی کی وجہ سے نینا نہ چاہتے ہوں اسی وجہ سے طلعت پوسٹ وار ورلڈ کے مضامین کے ڈھیر پر چڑھی بیٹھی رہتی ہے یہ بھی بقول شکنتلا ایک بڑا اہم سائیکالوجیکل نکتہ ہے۔

لہٰذا اے میرے گمنام سب لیوٹ ہم سارے کے سارے رات کے کہرے میں چھپی ہوئی اس مال پر رواں ہیں۔ ایک دوسرے کی نظروں سے بچتے ہوئے میں اور رہتم۔ اور ریٹا میری بہن اور ریجرڈ میری کار۔ اور ہمارے پیچھے پیچھے ان کہی پہیلیوں اور جانے بوجھے سوالیہ نشانوں کا عظیم الشان کارواں دبے دبے قدموں سے گرتا پڑتا چلا آرہا ہے۔ ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ مڑ کر اسے دیکھ سکیں۔ ہم اس سے چھپنے کے لئے

مے فیئر کے نیلگوں دھندلکوں میں پناہ لیتے ہیں۔ بال روم کے ٹیرس
پر کھلے آسمان اور چمکیلے ستاروں کے نیچے اپنی بلندی پر سے جھک کر دیکھئے
زندگی کا یہ مارچ پاسٹ۔ تازہ ڈالس نمبر کے یہ اُداس نغمے۔ رنگا رنگین
برقی قمقموں جاپانی قندیلوں اور کاغذی ربنوں کے رقصاں و لرزاں سائے
تلے آہستہ آہستہ ناچ رہی ہے۔ نیچے تلے تھکے تھکے قدموں سے آج فتح
برلن کے جشن کی رات ہے۔ ڈالس کے دوسرے نمبر کے لئے اپنے پارٹنر
کا انتظار کرتے کرتے ٹیرس کے ریلنگ کے سہارے مجھے مدھم سی نیند
آجاتی ہے۔ یہ ٹھنڈی ریلنگ کتنی پُرسکون جائے پناہ ہے۔

ہم لوگ ——— !

بیچارے ——— !!.

رقصِ شرر

پارٹ وَن - کشتی پر

جبیومرایا — !

ہُمم - جبیومرایا !! (بالکل ولایتی ہو)

اوہ - ادھر دیکھو - چھتر منزل کے نیچے نیچے درختوں کے سائے میں

گومتی کا رنگ کتنا گہرا سبز نظر آرہا ہے -

تمھاری آنکھوں کا رنگ بھی تو ایسا ہی ہے - دُھندلا سا سبز !!

چھلکتا ہوا جیسا۔

ہوں ۔

کیسی —— میرا مطلب ہے کہ —— نفیس بات ہے (دراصل مجھے اس سے بہتر اردو بولنی نہیں آتی ۔)

بہت نفیس —— (افسوس کہ مجھے بھی نہیں آتی)

کیونکہ ہم دونوں ہندوستان کے ہو کر بھی ہندوستان کے نہیں ہیں ۔

نہیں ہیں !

کس قدر بُری بات ہے یہ !

بے انتہا ۔

غروبِ آفتاب کی خاموش قرمزی موسیقی کے ساتھ ساتھ کشتی کھینا تمھیں پسند آرہا ہے ۔

خاصا ۔ (اے میرے گیتوں کے ملّاح)

اجازت دو کہ عرض کروں کہ کاش شفق کی سُرخی پانیوں پر مچلتی رہے شام کی دبیز ہوائیں تمہاری خوبصورت بال اسی طرح پریشان کرتی رہیں ۔ اور یہ کشتی ان نامعلوم آبی راستوں پر یونہی رواں رہے (ٹیمز کی لہروں پر میں انہی الفاظ کا بہترین انگریزی ترجمہ کردیا کرتا تھا)

میرا خیال نہیں ۔

اور جب میں نے تمہیں پہلی مرتبہ ۱۹۴۰ء کے جاڑوں میں مے فیئر

بال روم کی اسٹیج پر سفید پھولوں کا تاج پہنے جنوبی اطالیہ کے ساحلوں کا رقص کرتے دیکھا تھا۔ (جہاں تمہارے کالج کا ڈرامہ "ماہی گیر کی لڑکی پرل"، کھیلا جا رہا تھا) اور پھر پچھلے ہفتے جب تم پھلوں کے ڈبے سنبھالے کینٹین سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

بیحد طویل عبارتیں زبانی کہہ ڈالتے ہو۔ ذرا مختصر الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرو۔

ار —— میں یہ کہہ رہا تھا کہ چھتر منزل کے سائے دریا پر پھیلتے جا رہے ہیں۔ اور میں بے انتہا خوش قسمت ہوں۔ ظاہر ہے ——

شپ —— شپ —— شپ —— شپ !

تمہیں میرا شہر کیسا لگا ؟

اچھا ہے —— خصوصاً نیوانڈیا کی بالکونی اور امبیڈر۔ یہ پرسکون ندی۔ اور وہ دوسرے کنارے پر بندھی ہوئی لمبی ناؤ کا سلہٹ۔

اور اس کے سائے میں چھپا ہوا پھونس کا گھر ——

جناب ! وہ ہمارے ہاں کا بوٹ کلب ہے۔

تمہارے ہاں کا ؟

جی یونیورسٹی کا ہماری۔

اور وہ بیحد شاندار سائیل ؟

موتی محل برج۔

اسی پر سے رومان خوابوں کے گیت گاتا ہوا گذرتا ہے !

معلوم نہیں۔

شپ۔ شپ۔ شپ۔ چاروں طرف یہ سائے طویل ہوتے جا رہے ہیں ــــــ فطرت کے یہ مبہم، بے معنی سے اشارے ایک نظم سنو گی ــــــ ہم تین دوست ہیں۔ میں اور میرا سایہ اور زرد چاند ــــــ شنتو فوکی رات میں جب ستاروں کے دیوتا فیوجی کو کا مقدس بربط بجاتے ہیں تو میں چیری کے نیچے بیٹھ کر یاما شیٹا کے چاولوں کی سرخ شراب پیتا ہوں۔ لیکن چاند اور میرا سایہ شراب نہیں پی سکتے:۔ پھر میں شاما کورا کے مندر میں واپس چلا آتا ہوں ــــــ ہم تین دوست ہیں۔ یہ جاپانی نظم تھی۔ چینی نظم سناؤں یا روسی!

اُف خدا کے لئے چپ رہو۔

شپ۔ چپ۔ شپ۔

کیا سوچ رہی ہو؟

کچھ نہیں۔ اے یہ کون؟

کہاں ــــــ؟ آنکھوں کے پپوٹے بھاری۔ ہونٹوں پہ نشے کی دھاری۔ یہ کون آیا۔ یہ کون آیا؟

بیحد لغو ہو!

لیکن اس طرف اتنی دلچسپی سے کیا دیکھ رہی ہو۔ اس پھونس کے گھر کے نیچے سے کوئی رومال ہلا رہا ہے۔ ہوگا کوئی۔ وہ ہسپانوی نغمہ سنو جو سترھویں صدی کی ــــــ

ارے وکٹر ___ قطعی وکٹر ہے ___ ویو آ ڈوٹ کر رہا ہے

بیچارہ اتنی دیر سے ___

کون ہیں یہ بزرگ ؟

وکی ___ وک ___ ٹر ___ ہیلو ___ شی ___ شی ___ شو ۔

اس نے تمھاری آواز نہیں سنی ۔ ہُنہ !

وکی ___ آئی سے ___ شوشوشو (وہ بھی سیٹی بجا رہا ہے ۔ بہترین سیٹی بجاتا ہے)

آخر یہ کون صاحب ہیں جن سے آپ اتنی بے تکلف ہیں ۔

وکٹر رونلڈ اجیت کمار سنگھ ___ لا مانیٹر میں میرے ساتھ پڑھتا تھا ۔

بہرحال ایک تھرڈ کلاس اینگلو انڈین لڑکے کا تمھیں اس طرح رومال ہلانا میری نظروں میں سخت نامناسب اور معیوب بات ہے۔

کیا فرمایا آپ نے ___ تھرڈ کلاس ___ جناب والا وہ سر مہاراج سنگھ کا خالص سکھ ___

فوہ ___

شپ ۔ شپ ۔ چپ ۔ شپ ۔

فوہ ___ شوہ ___

للّٰہ !

فرمائیے ۔

میں تم سے صمیم قلب سے معافی چاہتا ہوں۔
اور میں آپ کو اسی صمیم قلب سے معاف کرتی ہوں۔
اچھا تو باتیں کرو۔
گومتی کے پانیوں میں اڑنے والے نیلے پرندے دیکھے ہیں تم
نے ـــــ (جنرل قسم کے Topic پر گفتگو کی جائیگی)
ہُم ـــــ زولوجی جھیل میں دیکھے تھے۔ اور سارس ـــــ
اس کے علاوہ بطخ بھی نہایت عمدہ اور مفید پرند ہوتا ہے۔
کس قدر زبردست بور ہیں آپ۔

لالہ:

ارشاد!
کبھی تم نے یہ بھی غور کیا (قطع نظر اور باتوں کے) کہ محبت کتنا
شیریں، خوبصورت اور پیارا خیال ہے۔
رشی۔ (بطخوں سے محبت پر آپ خوب پہونچ گئے۔)
لالہ! ایسے خوبصورت وقت میں (جبکہ آئینۂ آب پر، موجِ
شاداب پر، سایۂ مہتاب پر، منظرِ شب تاب پر ــــــ ہے مری
کشتی رواں اور میں ہوں نغمہ بار) اگر تم نے اپنی فلسفیانہ زندگی چھوڑ
کر تھوڑی دیر رومان کی باتیں نہ کیں تو یقین جانو ان تمام چیزوں
کے ساتھ (جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے) سخت زیادتی ہوگی (لہٰذا
محبت کے متعلق اپنی رائے مفصل بیان کرو)

رَوٹ ۔

ایں ۔

ہوّہ ۔

(جاپانی زبان میں بولتی ہو) تو یہ افواہ درست تھی کہ آپ انتہا سے زیادہ میٹر آف فیکٹ ہیں ۔

قطعی درست ہے ۔ تم سے کس نے کہا تھا ۔

عارف کہہ رہا تھا بچارہ ۔ حالانکہ اس کا خیال تھا کہ یہ اس کی پسند کی منگنی ہے ۔

پسند کی منگنی ! اس سے زیادہ تو کاروباری اور کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی ۔ جیسے دُنیا کی اور بہت سی باتیں ایک خالص پروگرام کے ماتحت چل رہی ہیں ۔ رات کا سونا ، صبح کی چائے ، دوپہر کو یونیورسٹی کے لیکچر ۔ شام کو کافی ہاؤس ـــــــ اور اس وقت تمہارے ساتھ یہ کشتی رانی !

ایں ـــــ ! لیکن اس رومان آفریں ـــــــ

اس سے آگے پہنچ کر سارا رومان کوچ کر جائے گا ـــــ

پر اگر تم میرا یقین کرو ـــــــ

تم جیسوں پر یقین کرنا کس ـــــ گدھے نے بتایا ہے ۔

میرا خیال ہے ـــــــ تمہیں اپنی زبان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے ۔

بہرکیف آپ اطمینان رکھئے ــــ میں دہلی کلاتھ ملز کے کپڑے
کے کوپنوں اور پولسن مکھن کے ڈبّے کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتی۔
لیکن آپ اور عارف اور آپ کے سارے قبیلے والے گلنار شفق کی
سرخی اور شبنم کے گیت پر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔

اور اگر اس وقت تمہیں بتاؤں کہ میں تم پر بالکل ــــ مرتا
ہوں تو تم کیا کروگی ؟

میں فوراً یہ کشتی الٹ دوں گی تاکہ ڈوب کر تم زیادہ آسانی سے
مر سکو۔

کشتی الٹ دوگی۔ خدا کی قسم ــــ اُفوہ غالب نے یا شاید
ذوق نے خوب کہا تھا ؎

احسان ناخدا کا اٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

مسز احسن اس کے علاوہ جذبی کہتا ہے۔

جب کشتی ثابت وسالم تھی . . .

ہائے اللہ! کس قدر برجستہ اور باموقع شعر پڑھتے ہو، واقعی!

تسلیمات تسلیمات۔ عرض کیا ہے کہ ــــ گیتوں کا طوفان
اٹھا ہے اپنی بلیا تیز کرو ــــ یعنی غور کرو کہ ان الفاظ میں طوفان
ــــ ریڈیو آرکیسٹرا اور شاعر کے جذبات کی باہم چپقلش کو کس
خوبی سے پیش کیا گیا ہے ــــ محبت کے فلسفے پر نوٹ لکھتے ہوئے

اس دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ ــــــ

خدا کے لئے تم چپ بھی ہو گے یا نہیں ۔ محبت ۔ محبت ــــ!

واللہ ۔ خوب ! محبت کا افسانہ اور ان لبوں سے ــــــ خوشا

آں زبانے زہے آں بیانے !

خوشا آں ــــــ راز بھی بھئی بڑے پایہ کا شاعر ہو گا ایک

دن علی گڑھ میں میرا کلاس فیلو تھا ــــــ اور سنو ــــــ کہتا ہے کہ

ــــــ ارے تم تو واقعی اس قدر کنارہ ہو رہی ہو جیسے ــــــ

اتنے بکواسی ہیں آپ خدا کی قسم ــــــ اب میں سچ مچ رونا

شروع کر دوں گی ۔

اچھا تو پھر آؤ تمہارے مطلب کی کاروباری باتیں کریں ۔ بھیتی

مارکیٹ میں پچھلے تین گھنٹے میں دکھنی کپاس اور خاندیش کی ہولڈنگ

ساڑھے سینتالیس فی صدی کے بھاؤ سے گر گئی ــــــ اور

گنیش فلور ملز کے پریفیرنس شیئرز ــــــ

شپ ۔ شپ ۔ چپ ۔ شپ ۔

ہائے اللہ اگر میں تمہیں قتل کر سکتی ــــــ تم اتنے بُرے

کیوں ہو ؟

اور تم اتنی پیاری سی گڑیا کیوں ہو ؟

کاش تم میں عقل ہو ۔

کاش تم اتنی عالم فاضل نہ ہوتیں ــــــ ورنہ میں تم سے

ضرور شادی کر لیتا)

پارٹ ٹو ــــ کینٹین میں

جیسو مرایا!

ہا ــــ جیسو مرایا!!

سیلما ــــ چاندنی رات کا گیت، موسمِ گل کے نغمہ زاروں کی شراب ــــ

اندر آجاؤ ــــ میری نیلی آنکھوں والی سینوریتا ــــ اور آج کی رات کو محض آج کی رات سمجھو۔

سیلما ــــ تمھیں کونسی شراب پسند ہے ــــ اسکوچ ــــ شیری ــــ ورموتھ ــــ کوک ٹیل بناؤں؟

دونٹ مائنڈ اے لٹل شری

اور آپ ــــ مس ــــ ار ــــ مس

ــــ لالہ رُخ ــــ

مس لالہ رُخ ــــ دونٹ یو لائک ٹو ــــ

نیو تھینکس، کرنل ــــ آئی ڈونٹ ڈرنک ــــ اوہ۔

اوہ ــــ

ــــ فرالین سیلما ماریتا فرٹز برگ ــــ

مس لالارُوخ ــــ

ڈیلائیٹڈ ٹو میٹ یو!

یقین جانو ہم بہترین دوست ثابت ہوں گے۔

سیلما ماریناــــــ کیسا رومانٹیک اور جلیبیوں جیسا نام ہے (میری انتہائی ٹوٹی پھوٹی فرینچ کا سارا زور لگا دینے پر بھی تم محض مسکرا رہی ہو۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔)

تمھارے کیوٹیکس کا شیڈ بہت پیارا ہے۔

نارچ کے تہوار کے بعد بھی ہم ملا کرینگے نا۔ تم لکھنؤ ہی میں رہی ہو نا؟ لا پلاز میں ـــــ مجھے تم بہت اچھی لڑکی معلوم ہو رہی ہو۔ حالانکہ عموماً غیر ملکی مجھے ذرا نہیں بھاتے۔ (کیونکہ ہم لوگ سخت قوم پرست ہیں) میرا بھائی بھی تمھیں بہت پسند کرتا ہے۔

تمھارا بھائی؟

ہاں بہترین لیڈی کلر ہے ــ اس کینٹین کا ٹھیکہ اسی کے پاس ہے۔

میں اس سے مل کر بہت خوش ہوئی

ــــــ سیلما ـــ آج کی رات ـــ آج کی رات ــــــ

کتنی بیوقوفی کی باتیں ہیں یہ ساری کی ساری ـــــ جبکہ ـــــ جبکہ خاموش ہوا پام کے پتّوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی ہے۔ اور باہر سبز آسمان پر روپہلے ستارے جھلملا رہے ہیں۔ اور کل جب میں یہاں سے سیکڑوں میل دور جا چکا ہوں گا یہ پتّے اور یہ ہوائیں یونہی

گاتی رہیں گی۔

سیلما!

ہوں ——

کیا سوچ رہی ہو؟

وہ کون ہے؟

میرا منگیتر۔ آفیشل فیانسے ——

آفیشل فیانسے ——

یپ ——

اور وہ دوسرا؟

وہ کمال ہے — انتہائی باتونی آدمی — اور یہ میں ہوں —
لالارُخ (میرا اصل یہ نام نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس نام میں رومان
زیادہ نظر آتا ہے اس لئے میں اپنے آپ کو یہی کہلوانا زیادہ پسند کرتی
ہوں — اور تم! — محض سنڈریلا سی بال روم ڈانسر ——
اور — یہ اپریل کی رات ہے — اور ہم کینٹین کے باہر پائن
کے سائے میں سبز بید کی کرسیوں پر بیٹھے انتہائی بے معنی باتیں کر کر
کے بے حد خوش ہو رہے ہیں۔ اور پہلی مئی کے جشن بہاراں کی شام کو
تم نیلے ڈنیوب کے سبزہ زاروں کا ناچ دکھلاؤ گی جس کے لئے
تم کو ساڑھے تین سو روپے جنگی فنڈ میں سے دیئے جائیں گے۔

سیلما ——

ہاں !

کیا خیال ہے تمھارا ؟

بہت خوب ۔

تمھیں میرا منگیتر پسند آیا ؟

نہیں ۔

اور کمال ؟

نہیں ۔

میرا بھائی ؟

وہ بھی نہیں ۔

اوہ ۔ پھر تمھارے لئے کیا کیا جائے ؟

کچھ نہیں ۔ شکریہ !

تمھیں ہندوستان کے لڑکے اچھے نہیں لگتے ؟

بہت اچھے لگتے ہیں ۔

کیونکہ بہت ویل ڈریسڈ ہوتے ہیں ۔ بڑی عمدہ انگریزی بولتے ہیں ۔ بیحد اسٹائل سے پیار کرتے ہیں ۔ انتہائی احمق ہوتے ہیں ۔ لیکن انتہائی عقل مند نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ تمھارے ملک کے لڑکے ایسے نہیں ہوتے ۔

نہیں ۔

——— فرالین سیلما !

ہاں۔

تمھاری ماں کون تھی؟

اس کنٹریکٹ میں میری ماں کا ذکر بھی ضروری ہے۔

نہیں، یونہی پوچھ رہی ہوں، ازراہِ ہمدردی۔

اچھا، شکریہ — بوڈاپسٹ میں ٹوپیاں بیچتی تھیں — مرگئی —

اوہ، چچ چچ چچ — اور باپ؟

اس سے بھی ہمدردی ہے؟ وہ برلن کے ایک لوہے کے کارخانہ میں فورمین تھا۔

نازیوں نے مار ڈالا؟

نہیں — خود ہی مرگیا — خودکشی کرکے۔

اوہ۔ ہاؤ ریئلی سیڈ — برلن واپس جانا چاہتی ہو؟

نہیں۔

کیوں؟

وہاں کے نائٹ کلب اجڑ چکے ہیں۔ اور یہاں روز ایک نائٹ کلب قائم ہو رہا ہے۔

تو تمہیں ہمارا ملک پسند ہے گویا!

بہت۔

— سیلما —

تم نے پولٹ گوڈرڈ اور این شیریڈن کو دیکھا ہے۔؟

نہیں ــــ تم نے دیکھا ہے ؟

ہاں ــــ دہلی کے روشن آرا کلب میں۔ دونوں ہالی ووڈ سے ہندوستانی فوجوں کو محظوظ کرنے کے لئے آئی تھیں۔ (جی چاہتا ہے بیورلی نکولس کو پکڑ کر کھا جاؤں)

بیورلی نکولس کون ؟

ارے تم بیورلی نکولس کو نہیں جانتیں۔ اس نے ہمارے متعلق ایک سخت بیہودہ کتاب لکھی ہے۔

اچھا ــــ میں کتابیں نہیں پڑھا کرتی۔

ارے ــــ پھر کیا کرتی ہو ؟

کچھ نہیں۔

اوہ !

ــــ ہلو چکو ــ ٹچ ٹچ ٹچ۔

سیلما یہ کس کا اتنا سوئٹ بچّہ ہے۔

میرا۔

تم ــــ ہا ــــ را ؟

ہاں۔ کوئی اعتراض ؟

یقیناً نہیں۔

(تم ایک زبردست سماجی انقلاب کی قائل ہو)

ـــــــ بھئی اللہ ـــــ واقعی ـــــ افوہ ـــــ

کیا ہو رہا ہے ؟
فلسفۂ حیات کی تفسیر۔
اہم ـــــ کب سے ؟
یہ میں ایک جدید ترطرز کی نظم لکھ رہی ہوں (ایک سفید فام بال روم ڈانسر سے متاثر ہو کے)
فرمایئے۔
یہ ـــ آسیلما ماریتا ـــــ آج کی رات (جیسے محض آج کی رات سمجھو)
اے اجنبی عورت ۔
ٹھیرو ۔ اس رفتار سے بہت دیر لگے گی ۔ لکھو :-
یہ دنیا ایک کینٹین ہے ۔
یا میونسپلٹی کا دفتر
اور زندگی
ایک آرمی کنٹریکٹر کے بھاری ٹرک کا گھومتا ہوا پہیہ
گو الیا رپوٹری کا
خوبصورت شکردان جس کا
چینی کا روغن بہت جلد اتر
جاتا ہے ۔

چنانچہ میں چُپ کھڑا ہوں زندگی کے موڑ پر
اور آ مری جان مرے پاس دریچے کے قریب
یہ ڈرائنگ روم ہے۔
اور یہ پائپ ہے مرا
اے اجنبی عورت
ٹھہرو۔ یہ تو تم چُرا رہے ہو صفا
چپ چاپ سنتی رہو ——— آگے سنو:۔
ساقی کی اک نگاہ پہ لہرا کے پی گیا۔
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا
ارے میاں گھبرا کے پی گیا۔ اجی ٹھکرا کے پی گیا۔
۲ یہ راشد کی مشہور غزل ہے۔
اچھا آپ میری جان پر کرم کیجئے۔
لیکن مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے
ارشاد!
کیا آپ واقعی عارف سے، اس نامعقول سے جس کے آگے
سارے کافی ہاؤس ڈینڈی پانی بھرتے ہیں (اور جو بے انتہا شائل
سے ہرکالا کرتا پہنے ہوئے خالص ولایتی انگریزی بولتا ہے)
شادی کر رہی ہیں۔
جی (اور کل تک آپ اس کی ترجمانی اور رہنمائندگی فرماتے تھے)

لیکن —

اچھا کمال صاحب ایک کام کیجئے ۔ یہاں سے تشریف لے جائیے فی الحال ——

اوہ لالا ۔ یہ کتنے خوش رنگ پیارے سے پھول ہیں ۔ کہاں سے خریدے ؟

شکریہ ۔ ہمارے ہاں پھول خریدے نہیں جاتے ۔ میرے منگیتر نے اپنے باغ سے صبح بھیجے تھے ۔ (ہماری دکانوں میں صرف مصنوعی پھول بکتے ہیں ۔)

اوہ — تمہارا منگیتر — آفیشل نیا لنسے آئی ہین ۔

ہاں — اس سے ملو ۔ دفتر سے آکر صوفے پر بجید اکتایا ہوا سا بیٹھا ہے ۔ جوائنٹ مجسٹریٹ ہے یا اسی قسم کا کوئی بڑا سا کام کرتا ہے ۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ پر ایسا رعب ڈالنا چاہتا ہے جیسے مجھ سے شادی کر کے مجھ پر بڑا عظیم الشان احسان کئے دے رہا ہے ۔ سلی گوس ۔

ہماری منگنی کی اطلاع گزشتہ مہینے آفیشیل طور پر اخباروں میں چھپ چکی ہے ۔ لیکن ہم نے اب تک بہت کم باتیں کی ہیں ۔ (موسم اور سینما کے متعلق) ہم دونوں اپنی اپنی جگہ پر بہترین قسم کے منگیتر ثابت ہوئے ہیں ۔ کرکٹ اور مثالی ۔ وہ ستر میل کی رفتار سے کبھی ڈرائیو نہیں کرتا ۔ پن اپ گرلز کی تصویروں سے اسے کوئی دلچسپی

نہیں ۔ پکچرز کو موویز یا فلیکس کہتے اسے نہیں سُنا گیا ۔ چار آنہ پوائنٹ سے بھی برج نہیں کھیلتا ۔ صبح بہت جلد اٹھ جاتا ہے ۔ سگریٹ کے دھوئیں کے حلقے ہرگز نہیں بناتا ۔ (اور کمال صاحب جو کچھ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہے) میں اور نوکو ہیپ اور نوپ نہیں کہتا ۔ ہم دونوں کا جب کسی دوسری جگہ پر ملنا ہوجاتا ہے تو دونوں فوراً ازراہِ اخلاق تھوڑا سا شرما کر دوسروں سے مختلف بحد ضروری باتوں میں مصروف ہوجاتے ہیں ۔ (اسی لئے میں تم سے یہ باتیں کر رہی ہوں ۔)

مجھے انتہائی مسرت ہوئی تمہارے منگیتر سے مل کر ۔

اور یہ کمال صاحب ہیں ۔ آپ چار یا پانچ لڑکیوں سے بیک وقت عشق فرماتے ہیں ۔ اور ہر تیسرے منٹ پر شعر پڑھتے ہیں ۔

شعر!

ہاں! ہمارے ہاں کے ڈون جون شاعروں اور کتابوں کے حوالے پہلے دیتے ہیں ۔ اور اپنا مطلب بعد میں بیان کرتے ہیں ۔

اس کم عمری میں خاصا وسیع تجربہ رکھتی ہو ۔ یہ بھی تمہارے ملک کی خاصیت ہے ۔

دراصل ہمارے خطۂ زمین کی گرم ٹراپیکل آب و ہوا کی وجہ سے ——

قطعی ——

تم لپ سٹک کیوں استعمال کرتی ہو ؟

تم بھی تو ——

لیکن میں محض ایک بال روم ڈانسر ہوں ۔ ہمارے ہاں کوئی اعلیٰ خاندان لڑکی میک اپ کا استعمال نہیں کرتی ۔

تم نے زندگی کو جمالیاتی احساسات سے علیحدہ کر دیا ہے ۔ اور ہم جذبات و احساسات پر مرتی ہیں ۔ آرٹ اور خوبصورتی کے پرستار ہیں ۔ (تم نے لکھنؤ آرٹ اسکول کی نمائش دیکھی ہوگی ۔)

یقیناً ۔ یہی وجہ ہے کہ تمھارے کافی ہاؤس آرٹ اور خوبصورتی کے پرستاروں سے پُر ہوتے ہیں ۔

اوہ سیلمانہ جانے تمھارے کیسے خیالات ہیں ۔ تمھارے علاوہ کوئی اور غیر ملکی خصوصاً یہ امریکن جب ہم سے ملتے ہیں ایک ایک چیز کی تعریف میں بس مرے جاتے ہیں ۔ ہماری رنگ برنگی ساریاں ، ہمارے سیاہ لمبے لمبے بالوں میں سجے ہوئے کنول اور یاسمین کے پھول .. ہمارے ماں پوری رقص ۔ وہ کہتے ہیں کہ چغتائی کے نقوش اور ہمارے ہیں جان پڑ گئی ہے ۔ (اس اتوار کو ایسٹ اینڈ ویسٹ فرینڈشپ کی میٹنگ میں چلنا ۔ تمھارے خیالات ٹھیک ہو جائیں گے ۔)

اور یہ میرا بھائی ہے ۔ فوج میں تھا ۔ لیکن جب ہمارے یہاں گٹھیلوں کا نام حد سے زیادہ بڑھ گیا تو وہ کسی ترکیب سے ملازمت چھوڑ کر گھر آ گیا ۔ بڑی بڑی تجارتی اور قومی فائدے کی اسکیمیں ہیں ۔ اس نے

اس کے دماغ میں ۔ علی گڈھ میں میڈیکل کالج قائم ہو جانے پر وہاں
ایک کافی ہاؤس کھولے گا ۔ (تاکہ ملّت کے فرزندوں کو اسٹیشن جانے
سے نجات ملے) اور پھر اعلیٰ کاروباری تجربہ حاصل کرنے کے واسطے
امریکہ جائے گا ۔

پارٹ تھری ـــــ فائنل

اپنے نیلے پردوں والے دریچے میں سے صرف ایک بار
اور جھانک لو ـــــ آخری بار ـــــ پھر جب تمھیں نیند آجائے گی
اس وقت ساحل بہت پیچھے رہ چکا ہوگا ۔ اس گیت کی لہریں تمھیں
فراموش کر دیں گی، جن کے سہارے بہار کا چاند آسمان کا
چکر لگاتا ہے ۔ آہستہ آہستہ قدم رکھو ۔ سمندر کی موجیں ریت پر اپنے
نشان چھوڑتی ہوئی گزر رہی ہیں ـــــ بہت دور تمھاری خوابوں
کی کشتی سمندر کی ایک اجنبی کرخت چٹان سے ٹکرا کر ڈوب چکی ہے ۔
اس کے ٹوٹنے کی آواز، لہروں کا غمگین نغمہ اب بھی تمھیں سنائی دے
رہا ہے ۔ دھوئیں کے ان نیلے بادلوں کے پرے سے کوئی تمھیں پکار
رہا ہے ۔ آخری بار انھیں جواب دیدو ۔ پھر وہ آوازیں واپس
چلی جائیں گی ۔ اپنا دریچہ بند کرنے سے پہلے سوچو، وہ لمحے، وہ گیت
جو تم انھیں نہ دے سکیں ۔ وہ بہت آگے نکل چکیں ۔ ان کا پیچھا کرنے
کی تم میں ہمت نہیں ۔ اس شکست کا خیال کو وجو ایک شاہین کو ایک

اونچی چٹان پر سے گرتے ہوئے محسوس ہو سکتی ہے ۔ وہ راہیں کہاں کھو گئیں جن کے سبز کناروں پر سرو قد جوان اور خوبصورت چرواہے اپنی رنگین بانسریاں بجایا کرتے تھے ۔ اور جہاں پہاڑیوں کے پرے سے رو پہلی تلواروں کی جھنکاریں سنائی دیتی تھیں ۔ اپنی آنکھیں اپنے لب بند کر لو ۔ اپنی پگڈنڈیوں پر سے اترتے ہوئے ہم نے چٹانوں کے اونچے ایوان سجائے تھے ۔ ہم ان چٹانوں پر کھڑے تھے ۔ لیکن ہمارے پرچم مخالف طوفانی ہواؤں کا مقابلہ نہ کر سکے ۔ اور آج جبکہ تم زرد بالوں اور نیلی آنکھوں والے سیگفریڈ سے بہت دور ہو جو تمہارے دریچے کے نیچے آتا ہے وہ سیگفریڈ ہوتا ہے ۔ سیلما ، سیلما ــــــ

ــــــ فوۃ ــــــ ہل ــــــ ۔ وہ سنی سی دوغلی چھوکری جو ہماری کینٹین کے ہندوستانی کنٹریکٹر کو پرنس کے اسٹال پر چوکوبارز بیچتی ہوئی مل گئی تھی ۔

ہنری ۔ مجھے پچاس روپے چاہئیں ۔

اہم ــــــ نہیں دے سکتا ۔

ایک ہفتے سے مانگ رہی ہوں ۔

میرے پاس نہیں ہیں ۔ اپنے کالے ہندوستانی دوستوں سے لو ۔

تم بیہودہ سور ہو ۔

اور تم شیطان کی سگی بیٹی ــــــ فانی فانی ــــــ فو ــــــ

(جنگ ختم ہوگئی ۔ ہم فاتح ہیں)

——— فائی ——— فو ——— جنگ ختم ہوگئی ——— خدایا تیرا شکر

آج شام کو ہم چراغاں دیکھنے حضرت گنج چلیں گے ۔ اور پھر امبیڈر ۔

اُفوہ ـــ کتنے خوش ہیں ہم آج ۔ اور سیلما تم چرچ کے لئے اب تک تیار نہیں ہوئیں ۔ چھاونی کی طویل اور چمکیلی سڑکوں پر پولیس کی گارد خاموشی سے ٹہل رہی ہے ۔ کیونکہ گورنر شکرانے کی سروس کے لئے سینٹ پال جانے والا ہے ۔ اور مہاراجہ جہانگیر آباد کی لمبی سیاہ کار کسی انتظام کے سلسلہ میں ان سڑکوں پر سے بار بار تیزی سے گذر رہی ہے ۔ اور ان کی کوٹھی کے پھاٹک میں سے نکل کر کلکتہ لا مارٹینر کے سیاہ پوش لڑکے قطار در قطار سیٹیاں بجاتے چرچ جا رہے ہیں ۔ لفٹ رائٹ ۔ لفٹ ۔ رائٹ ۔ اوہ خدا ۔ ہماری آزمائش کا صبر آزما زمانہ نصرت کے ترانے گاتا ہوا آج آخر ختم ہو گیا ۔ ظلم اور تشدد کی اندھیری طاقتوں کے طوفان کے مقابلہ میں ہم اور ہمارے ساتھیوں نے کتنی عظیم الشان قربانیاں پیش کیں ۔ مصائب کا کیسی بہادری اور مسکراہٹ کے ساتھ سامنا کیا ۔ اور کیا مضائقہ تھا جو ہندوستان کے ایک پست سے طبقے کے چند لاکھ نفوس (جو صدیوں سے چاول کھا کھا کر زمین پر رینگتے آتے تھے اور جنھیں ٹن فروٹ کھانے کی تمیز نہیں تھی) سڑکوں پر لیٹ لیٹ کر مر گئے ۔ یا جنھوں نے دہلی کلاتھ ملز کے دروازوں پر بلوے کر کے غیر ملکیوں کو کتابیں پھینکنے اور کمیونسٹوں کے گوناگوں

تفکرات میں اضافہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ یہ ہماری طرف سے آزادی اور جمہوریت کی قربان گاہ پر ایک معمولی سی پیشکش تھی۔ جسے اکابر ثلاثہ نے از راہ لطف وکرم قبول فرمایا۔ ہم اپنی کوششوں میں اپنے ساتھی ملکوں سے پیچھے نہیں رہے (دیکھو ریڈیو اسٹیشن، کونسل چیمبر، گنج کی اونچی اونچی عمارتوں اور ہماری موٹروں پر ہماری ساتھی قوموں کے پرچم کس خوبصورتی سے لہرا رہے ہیں۔ یہ یونین جیک اپنی کار کے ریڈی ایٹر پر لگانے کے لئے تم بھی خرید لو۔ صرف ساڑھے چار آنہ کا ہے) بہنو ـــــ تم ـــــ تم جو ہمیں چین اور روس کی عورتوں کے کارنامے سُناتے ہو۔ چین اور روس ـــــ چین اور روس ـ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہفتوں ـــــ دن ـــــ دن اور رات ـ رات رات بھر ریڈکراس پارٹیوں کے ساتھ بعض مرتبہ صرف ٹن کے پھلوں اور کریم کریکرز پر گذارہ کر کے ہم نے محاذ پر بھیجنے کے لئے ادنیٰ چیزیں مٹھائیاں اور تحفوں کی پارسلیں تیار کیں۔ اے۔ آر۔ پی کی ریہرسلوں کے بعد گورنمنٹ ہاؤس کی پارٹیوں کا انتظام کیا۔ ہفتے میں صرف ایک بار سینما دیکھا۔ اور باقی کے روپیئے سے رسالے اور کتابیں خرید کر ہسپتالوں میں بھیجیں ـ اس کے علاوہ بنگال ریلیف کے لئے ٹیگور اور شا کے ڈرامے اسٹیج کئے۔ ہوسٹل میں شاندار مشاعرے منعقد کروائے۔ ہم نے دُنیا کو جمہوریت کے لئے محفوظ بنایا ہے۔ ہم ایک نئے دَور کے پیغامبر ہیں۔ یہ امن اور صلح کی خوشگوار دُنیا ہے۔ ایٹم بم کی

نئی دنیا (جس میں پاکستان کے خواب دیکھنا انتہائی حماقت ہے) زندہ باد اخوت انسانی۔ پائندہ باد عالمگیر جمہوریت ——

فائی —— فو —— جنگ ختم ہو گئی —— اف کمال —— مجھے سنبھالو —— میں بیہوش ہوئی جا رہی ہوں —— Horror Horror۔ جنگ ختم ہو گئی —— اس نے کہا۔ اور تم فاتح ہو —— یہ تمہارے جشن فتح کی رات ہے۔ اور تم انگریز ہو اور میں جرمن —— تم میرے پاس رقص کے لئے آؤ گے۔ میں تمہیں پیار کروں گی۔ تم مجھے چوئنگ گم دو گے اور پھر میں تمہیں —— جانتے ہو —— میں تمہیں شوٹ کر دوں گی —— بڑی آسان بات ہے میں تمہیں اس ریوالور کے ذریعے (جو اصل جرمن ساخت کا ہے اور جسے سیگفریڈ نے ہٹلر یوتھ میں شامل ہو کر اپنے قصبے سے رخصت ہونے والی صبح شراب خانہ کے مالک سے خریدا تھا) شوٹ کر دوں گی۔ پھر تم مر جاؤ گے۔ ایک کے بعد ایک۔ اسکوچ کی بوتلیں لنڈھاتے ہوئے —— کینٹین میں کھلبلی مچ جائیگی۔ ملٹری پولیس کی لاریاں اور ایمبولینس کاریں چاروں طرف دوڑنے لگیں گی۔ تمہارا آفیسر کمانڈنگ اس ہندوستانی آئی۔ سی۔ ایس کو جو اس کیمپ کا انچارج ہے۔ اور وہ ہندوستانی آئی۔ سی۔ ایس اپنی منگیتر اس لڑکی کو یہ دہشتناک خبر پھولے ہوئے سانس سے سنائے گا اور پھر وہ بے ہوش ہو جائیگی۔

سب بیہوش ہو جائیں گے ۔ اوخدا ـــــ کس قدر لذیذ، مسرت بخش
خیال ہے ۔ پھر اس نے سچ مچ تین گوروں پر ریوالور سے حملہ کر دیا
اُف کمال ـــــ کمال !

ایں ـــــ جان سے مار ڈالا ۔ اور تم واقعی بیہوش ہوئی جا رہی
ہو ـــــ (کس قدر دلکش انداز ہے ـــــ کاش میں شاعر ہوتا ۔ علاوہ
ازیں تم اس وقت قطعی (ان بے انتہا ترقی پسند خاتون افسانہ نگار
خاتون کی طرح ایکٹ کر رہی ہو ۔ جنھیں پچھلے دنوں ریڈیو اسٹیشن بر سیاہ
رومینٹک برقعے ہیں ملفوف ایک ڈرامہ میں حصہ لیتے ہوئے مائیکرو فون
پر براڈ کاسٹ کے دوران میں ایک مرد آرٹسٹ کی زبانی خود کو لفظ
"پیاری" سے مخاطب ہوتے سُن کر فی الفور غش آ گیا تھا) یقین کرو
تمھاری دوست کی اس سنسنی خیز حرکت سے میرے قلب کو انتہائی صدمہ
پہنچا ۔ (لیکن مشیّتِ ایزدی میں کیا چارہ ہے ۔)
(کتنا لمبا جملہ تھا ۔ اس کے ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی) ـــــ
Shocking ـــــ اور پھر جب عارف معائنہ کے لئے موقعہ
واردات پر پہنچا تو شیطان کا چھوٹا بھائی وہ کمبخت بچہ اسے دیکھتے ہی
پپا پپا کہتے ہوئے چلا چلا کر دیر تک روتا رہا ۔ اف ۔ (فائی فو)
ایں ـــــ (فائی فو) لالہ ۔ تمھاری دھندلی سی سبز چھلکتی ہوئی
آنکھیں آنسو گرانے پر آمادہ نظر آتی ہیں ۔
وہ بچہ ـــــ اور ـــــ عارف ـــــ !

یہ بھی زندگی کے کاروبار کی ایک شاخ ہے (یعنی برانچ آفس)
رومان اور سچائی ——— اور ——— اور یہ تمام خرافات زندگی کے
خالص تجارتی پروگرام میں قطعی نہیں سما سکتیں ۔ (ہٰذا الالہ رُخ پیاری)
اس شاکنگ واقعہ کو بھول کر گومتی کے پُرسکون پانیوں پر چلو جہاں میں
تمھیں وہ جاپانی نظم سناؤں گا جو شنتو فو کی رات میں یا ماشیتا کے سایہ
تلے فیوجی کو مارو کے ساز پر گائی جاتی ہے ۔

ہم تین دوست ہیں ۔ میں اور میرا سایہ اور زرد چاند (فائی فو
شپ ——— شپ ——— چپ ——— شپ ———

یہ باتیں

میرے دماغ میں اتنے بہت سے خیالات تیزی سے رقص کر رہے ہیں ـــــ یہ بے معنی اور بے سر دپا باتیں ـــــ نہ معلوم میرے چھوٹے سے سر میں اتنی ساری باتیں کیسے ٹھونس دی گئیں ـــــ میرا بیچارہ چھوٹا سا سر ـــــ بالوں کی سیاہ لٹوں میں لپٹا ہوا ـــــ میرے سیاہ بال اور نیلی آنکھیں بہت پسند کی جاتی ہیں ـــــ ڈینیوب کے نیلے پانیوں کی طرح جھلکتی ہوئی آنکھیں ـــــ ڈینیوب اور والگا ـــــ اطالوی اور روسی تاکستانوں کے گرم سائے اور سیب کے درختوں کے جھنڈ ـــــ

رومان ـــــ زندگی ـــــ

لیکن میری زندگی پر بڑی قنوطیت سی چھائی جا رہی ہے۔ شاید موسم بدل رہا ہے اس لئے ـــــ بے مزہ اور پھیکی پھیکی ہوائیں ہیں کہ چلے جا رہی ہیں ـــــ پت جھڑ ختم ہونے ہی میں نہیں آتی۔ یہ ویران سبزہ گاہیں۔ اور سڑکوں پر خاموشی سے چکر کاٹتے ہوئے بگولے ـــــ یہ صحرائی جھونکے جب اپنے دامن میں شاہ بلوط اور شہتوت کے خشک پتوں کو سمیٹے ہوئے میرے دریچے کے سامنے سے گذرتے ہیں تو مجھے بڑے زوروں سے غصہ آجاتا ہے ـــــ نہ معلوم بہار کب آئے گی ـــــ

گذشتہ موسم گل میں تو ہمارا گھر گہرے نیلے اور قرمزی رنگ کے پھولوں کی گنجان بیلوں میں بالکل چھپ گیا تھا۔ اور باغ میں شہد کی مکھیاں خوب اونچے سُروں میں بھنبھنایا کرتی تھیں۔ اور خالد ٹینس کھیلتے کھیلتے سیٹیاں بجانی شروع کر دیتا تھا ـــــ لیکن بھئی مجھے اس سے کیا ـــــ

رضیہ مجھ سے ایک دن کہہ رہی تھی کہ تم کتابیں وتابیں بہت پڑھتی رہتی ہو اسی لئے تمہارا دماغ خراب ہو چلا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے ہندوستان کو رومان کی ضرورت نہیں۔ اُسے روٹی چاہیئے ـــــ ٹھیک تو ہے ـــــ ہا! بیچارہ کلرکوں اور مزدوروں کا ہندوستان۔ لیکن میں اکیلی بھلا کیا کر سکتی ہوں

اس کے لئے ــــــــ

پچھلے نومبر کی ایک سرد رات ــــ سینما سے واپسی پر خالد نے میرا تعارف ایک بہت اچھے سے انسان سے کرایا۔ اور میرا خیال ہے کہ پہلی ملاقات میں ہی میں نے اسے بے حد پسند کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے چائے پر بلایا۔ لیکن نہ معلوم وہ کیوں نہیں آیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں بہت رات گئے تک برآمدے میں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہی تھی ــــــ کہرہ اور دھند کا بڑھتا جا رہا تھا اور بارش شروع ہو گئی تھی۔ سامنے سڑک پر بڑی بڑی موٹریں کیچڑ کے چھینٹے اڑاتی ہوئی نکلی چلی جا رہی تھیں۔ اور ان کی پچھلی سرخ روشنیاں تھوڑی دور تک نظر آنے کے بعد دھندلکے میں غائب ہو جاتی تھیں۔ لیکن وہ آیا ہی نہیں۔ اور مجھے اتنی دیر تک ٹھنڈ میں کھڑے رہنے کی وجہ سے زکام بھی ہو گیا۔ اس رات کھانے کی میز پر رضیہ نے مجھے بتایا کہ میں بہت زیادہ بیوقوف ہوں۔

چند روز بعد وہ مجھے ایک کافی ہاؤس میں ملا۔ میں نے اس سے کہا کہ ٹی پارٹی پر میں نے اس کا بہت انتظار کیا۔ شاید بارش کی وجہ سے راستے میں اس کی موٹر خراب ہو گئی اس لئے وہ نہ آسکا ہو گا۔

"میرے پاس موٹر نہیں ہے" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تو آپ نے مجھے فون کر دیا ہوتا۔ میں کار بھیج دیتی"

"میرے پاس فون بھی نہیں ہے"

—— ہا بیچارہ آدمی! —— کار اور ٹیلیفون کے بغیر کیسے زندگی گذارتا ہوگا میرے دل میں اس کے لئے بے انتہا ہمدردی پیدا ہوگئی۔ ؟

اور پھر ہم دونوں میں دوستی ہوگئی۔ اس کے دماغ میں بھی ایسی باتیں ٹھنسی ہوئی تھیں جنھیں انگریزی میں Ideas کہتے ہیں۔ اس نے مجھے چند کتابیں پڑھنے کو دیں —— ان میں روٹی اور زندگی کے متعلق بہت ساری باتیں لکھی ہوئی تھیں جنھیں میں سمجھ ہی نہ سکی۔ وہ مجھے "ماری انطونی" کہا کرتا تھا۔ اسے مصوّری بھی آتی تھی۔ اور میں نے اسے بتایا تھا کہ مجھے لمبے لمبے بالوں والے پائپ پیتے ہوئے آرٹسٹ بالکل چغد لگتے ہیں۔

اس کی باتیں بیحد دلچسپ ہوتی تھیں اور میرا دل چاہتا تھا کہ گھٹنوں کے سہارے بیٹھ کر انھیں سنتی رہوں۔ یہاں تک کہ اس کے سگریٹ کا دھواں ساری کائنات کو اپنے حلقوں میں جکڑ لے اور پھر میں صوفے پر بیٹھی بیٹھی اتنے زور سے ٹھوکر لگاؤں کہ یہ احمق اور بے تکی سی دُنیا لڑھکتی ہوئی دور چلی جائے۔ اور پھر بہت اچھی اچھی سی باتیں ہوں جو نہیں ہوسکتیں اور سب چیزیں ٹھیک ٹھیک ہوجائیں۔

وہ ہمارے یہاں بہت کم آتا تھا۔ نہ معلوم کیوں۔ آخری مرتبہ

وہ چچا میاں کے پاس کسی کام کے سلسلہ میں آیا۔ چچا میاں وائسرائگل لاج کی پارٹی میں گئے ہوئے تھے۔ وہ باہر ہی سے واپس جا رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے اندر بلا لیا ——— ہم دونوں کافی دیر تک آتش دان کے پاس بیٹھے رہے ——— جگمگاتا ہوا ڈرائنگ روم ——— نرم و گرم صوفے اور قالین ——— قہوے کی پیالیوں میں سے اٹھتی ہوئی بھاپ ——— اور ریڈیو کی ہسپانوی موسیقی ———
مجھے اس وقت اپنا گھر اور زندگی بیحد پیاری اور عزیز معلوم ہو رہی تھی۔ اور میرا جی چاہ رہا تھا کہ کاش اس کو بھی اتنی ہی راحت اور خوشی محسوس ہو سکے۔ مجھے یقین تھا کہ ساری دنیا میری طرح خوش و خرم ہے۔
اور چند روز سینما ہال سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سُنا کہ اس کو شاید نمک کے محکمہ میں نوکری مل گئی ہے۔ اور وہ کہیں اور چلا گیا ہے۔ سَوا یا سَوا سَو روپے کی نوکری ——— اور میں سوچنے لگی کہ شاید خدا نے دُنیا اسی لئے بنائی ہے کہ اس میں سَو روپے کی کلرکی کی جائے اور بس۔

لیکن جب میری پیکارڈ سڑک پر ٹھیرے ہوئے بارش کے پانی کو زنّاٹے سے چیرتی ہوئی، جگمگاتی ہوئی تفریح گاہوں کے سامنے سے گذر رہی تھی تو میں نے سوچا کہ جس نظام کے ماتحت ہماری زندگی رواں ہے اسے میں بدل تھوڑا ہی سکتی ہوں۔ جو ہو رہا ہے اور ہوتا آیا ہے وہی ہو گا۔ بھئی خالد جو امپیریل سروس میں آگیا ہے تو اس لئے کہ چچا

میاں "نائٹ" ہیں ــــ اور وہ ــــ وہ ــــ افوہ ــــ

اور موسم خزاں پھر آگیا ــــ رات میں اپنے ڈریسنگ روم کے دریچے سے باہر دیکھ رہی تھی ــــ سڑک کے لیمپوں کی مدھم روشنیوں میں بھیگی ہوئی چھتوں اور گیلے کھمبوں کا غیر دلچسپ سا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا ــــ جس طرح میری زندگی ایک خاموش ہمواری اور یکسانیت سے گزرتی چلی جا رہی ہے۔

لیکن اچھے سے آدمی! ــــ میں اب تک تمہیں بھولی نہیں ہوں ــــ شاید اگلے موسم بہار تک بھول جاؤں ــــ پر بہار کب آئیگی؟

اودھ کی شام

عجیب ـــــ بیحد عجیب ـــــ تو تم میرے ساتھ نہیں ناچو گی ـــــ نہیں ۔ کیونکہ تم انگریز ہو ۔ اور اعلیٰ خاندانوں کی ہندوستانی لڑکیوں کا فوجیوں اور خصوصاً امریکن اور انگریز فوجیوں کے ساتھ رقص کرنا بڑی ویسی بات ہے ۔ اور جو یہ دیو زاد سا فوجی پچھلے آدھ گھنٹہ سے برابر تمھارے ساتھ لڑھک رہا ہے [illegible] تو ہندوستانی ہے اور میرے چچا کا دوست ہے ۔ تم ہندوستانیوں میں آپس میں بڑی محبّت ہے ـــــ اور کیا ہی ـــــ ارے جم تم تو انگریز ہو ۔ فرنگی ـــــ بنئے ـــــ سفید فام ، چقندر یا شلجم ۔ ایک تم خوبصورت

ہو تو کیا ہوا۔ تمھارے بھائی بند تو چقندروں ایسے ہوتے ہیں۔ سارے کے سارے بڑی بے ایمان قوم ہے تمھاری۔ اب تمھیں کان پکڑ کر ہم نکال دیں گے۔ کہ تشریف لے جائیے آپ گھر کو روتے ہوئے۔ کیونکہ بھئی ہم کو تو آزادی ملنے والی ہے۔ سمجھے۔ ارے یہ بال روم میں پالیٹیکس کس بد مذاق نے چھیڑ دی۔ اے جم تم اس کی کچھ مت سُنتا۔ یہ بڑی وہ ہے۔ مسلم لیگر بڑی سخت۔ یہ تمھیں بتائیگی کہ جناح ایشیا کا سب سے بڑا آدمی ہے۔ جم اگر ہندوستان کو سمجھنا چاہتے ہو تو میں تمھیں کتابیں دوں گی پڑھنے کو۔ ٹیگور کی گیتا نجلی اور نیتاجی کی سوانح عمری۔ اس کے علاوہ رامائن اور مہا بھارت بھی کافی مفید ہے۔ اس سے کرما اور زروان اور مکتی کے سب راز عیاں ہو جائیں گے۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے تم پر — اور بھئی جم ہم تو کسی غیر ملکی سے بات بھی کرنا روا نہیں رکھتے۔ اور کیا۔ لیکن تمھاری بات ذرا دوسری ہے۔ اسی لئے تمھیں ہم نے آج مدعو کیا ہے۔ کیونکہ تم ایک لارڈ کے لڑکے ہو۔ اور میرے بھائی کے ساتھ آکسفرڈ میں پڑھ چکے ہو۔ اور اس طرح کے نہیں ہو جس طرح کے تمھارے ہم و[illegible]تے ہیں۔ اور تم بے حد خوبصورت اور دلکش ہو۔ تمھاری سبز آنکھوں میں رومان، افسردگی، بیکسی، شرارت سب کی ملی جلی لہریں تیرتی رہتی ہیں۔ مجھے تمھاری آنکھیں بہت پسند ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں تمھارے ساتھ رقص نہیں کرونگی۔

تمہارا لہجہ بہت عمدہ ہے۔ تم پہلے انگریز ہو جو صحیح اور اچھے تلفظ کے ساتھ انگریزی بول سکنے کے علاوہ کسی ٹھوس اور سنجیدہ موضوع پر دیر تک آسانی سے گفتگو کر سکتے ہو۔ تم سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے اڑاتے ہوئے کورنل وائلڈ کے سے انداز میں کہتے ہو کہ ہندوستان کے دو ہفتے کے قیام میں تم جن تین چار ہندوستانی لڑکیوں سے ملے۔ انھوں نے تم کو بہت زیادہ امپریس کیا۔ وہ بہت عمدہ ہوتی ہیں۔ ان کے دماغ میں Ideas ہیں۔ اور وہ چین کی خانہ جنگی اور کمیونزم اور انڈونیشیا کی آزادی پر لمبی لمبی ثقیل بحثیں اسی خوبصورتی سے کرتی ہیں ــــــــــــــــــ جس خوبصورتی کے ساتھ وہ مانی پوری اور کتھا کلی اور رمبا کرتی ہیں ان کے انداز میں لوچ اور گفتار میں شیرینی ہے۔ ان کے قہقہے جلترنگ جیسے ہوتے ہیں۔ اور ان کے لباس گویا مرقع چغتائی کے نقرئی اوراق کھول دیئے گئے ہوں۔ ہم نے تمہاری ان باتوں کو بہت پسند کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز ہوتے ہوئے بھی تم میں جمالیاتی ذوق اور عقل کافی موجود ہے۔ تم نے بتایا کہ تم نے بال روم میں فلور پر سب سے پہلے میرے رو پہلے غرارے کو نوٹس کیا تھا۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم لکھنؤ میں ہو جہاں شام اودھ ہوتی ہے۔ یہ اودھ در اصل ایک بڑی رومینٹک سی سلطنت تھی۔ تاریخ کے سنہرے صفحات پلٹو تو معلوم ہوگا۔ اور اس کے بادشاہ اوپیرا اور سنگیت سبھاؤں میں راجہ اندر

اور جوگی بنا کرتے تھے۔ بڑے نالائق اور نکمے تھے وہ لوگ جبھی تو یہ جگمگاتی ہوئی پرستان جیسی سرزمین ان سے چھین لی گئی۔ اور یہ جو بیکار اور بے مصرف سے تعلقہ داران کے زمانہ کی یادگار باقی رہ گئے ہیں۔ ان کی ریاستیں اور زمینیں ہماری نئی جمہوری اور نمائندہ حکومت اب بیچارے مظلوم کسانوں کو دے دے گی۔ کیونکہ یہ جنتا راج کا نیا زمانہ ہے۔ آیا خیال شریف میں تمہارے۔ اور تم نے اوما کی مرہٹی اسٹائل کی ساری کی بہت تعریف کی تھی۔ اور کہا تھا کہ اس طرح کی ایک ساری تم اپنی بہن کے لئے ولایت لے جاؤ گے۔ تو وہ بھی کیا یاد کریگی بیچاری۔ اور تمھیں زینت کے جوڑے میں سجے ہوئے زرد اور بنفشئی پھول بے حد آرٹسٹک نظر آتے تھے۔ دراصل بالوں میں پھول سجانے کا ہم لوگوں کو ایک خاص فن آتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان پھولوں، خوشبوؤں اور نغموں کا ملک ہے۔ سمجھے ـــــ ارے کیا ہندوستان ہندوستان چلا رہی ہو ـــــ ابھی گئی تھیں ملک کی واحد قومی جماعت کے خلاف الیکشن میں حصّہ لینے۔ لیگ کی ایجنٹ کہیں کی۔ جم بس تم سے کہہ جو رہی ہوں کہ اس سے پولیٹکس کی باتیں نہ کرو۔ یہ تمہیں اپنے پاکستان کا مطلب بھی نہیں سمجھا سکے گی۔ آج تک نہیں سمجھا پائی۔ اور پاکستان ہو جائے گا۔ مس حیدر تو آپ سے ملنے کے لئے پہلے پاسپورٹ حاصل کرنا پڑے گا۔ یعنی بھئی اگر لاہور جانا ہے تو پہلے پاسپورٹ بنواتے پھرو، پھر محصول ادا

کرو۔ بڑی طوالت ہوگی۔ بیوقوفی کی باتیں مت کرو آننند۔ کتنے چغد ہو ـــــــ یہ تھوڑا ہی ہوگا ـــــــ چلو ناچیں۔ وآلز کے لئے ہال کی روشنیاں مدھم کر دی گئیں ـــــــ پاکستان کے متعلق بعد میں طے کرتے رہیں گے ـــــــ عجیب ـــــــ بے حد عجیب ـــــــ کیا بات ہے جم۔ تمھاری آنکھوں میں پھر وہی جھلک لہرا اٹھی جیسے چڑیا کا ایک معصوم چھوٹا سا بچہ سخت کرب اور بے چینی میں مبتلا ہو۔ اور بے بسی کے مارے تڑپ بھی نہ سکے۔ تم اپنی کرسی پیچھے سرکا کر ایک طرف کو کیوں جھک گئے۔ جبکہ وآلز کا ایک پیارا سا نغمہ اپنی پوری دلآویزی کے ساتھ بج رہا ہے۔ اور مرمریں فلور پر رقصاں جوڑے ہال کے کناروں پر بھری ہوئی میزوں اور کرسیوں کے قریب سے تیزی کے ساتھ چکر کاٹتے ہوئے گذر رہے ہیں۔ غرارے اور ساریاں اور سائے۔ جاؤ تم بھی ناچو اور ناچتے ہوئے انسانوں کے اس متحرک اور رنگا رنگ جوار بھاٹا میں کھو کر بھول جاؤ کہ تم کہاں ہو اور کس سے باتیں کر رہے ہو۔ ہم لوگوں سے ملتے وقت تمہیں سوچنے کی عادت بالکل چھوڑ دینی چاہیئے۔ جب اپنے ویلز کی شکارگاہوں کو واپس جاؤ گے، اس وقت تمھیں کافی فرصت ہوگی کہ ہمارے کمینے پن، احسان فراموشی اور حبشی اور دوسری غلاظتوں کا اپنی عظمت اپنی اعلیٰ تہذیب اور اپنی چاک کی سفید پہاڑیوں اور نیلے سمندروں کی خوبصورتی سے موازنہ کر کے ایک کتاب لکھ ڈالو ـــــــ کہاں تک لڑتے جاؤ گی بھائی

اس سے متعارف ہوئے ابھی تمھیں ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا اور تم لڑتے لڑتے اس کا دماغ چاٹ گئیں ۔ جھکی آدمی ۔ وہ بچارہ اپنے ہم قوموں کی پچھلی نالائقیوں پر سخت شرمندہ اور نادم اور پشیمان ہے اور اس کی سبز آنکھوں میں وہی رومان، غمگینی ہیجی اور شرارت کی ملی جلی لہریں جھلملا رہی ہیں ۔ اور اس کے معصوم اور بہادر برطانوی دل میں صرف یہی ایک خواہش ہے کہ تم اس کے ساتھ ایک آخری والز کرلو ۔ کیونکہ کل صبح ہندوستان کو آزادی ملنے والی ہے ۔ اور اسے کان پکڑ کر تمہارے گھر سے نکال دیا جائیگا ۔ اور رات گہری ہوتی جارہی ہے ۔ اور آرکیسٹرا کی اسٹیج کے نیچے بھاری زرد پردوں کے سائے میں نیلگوں مرمریں فرش پر کیبرے کی دو سفید فام لڑکیوں نے شب کا آخری ناچ شروع کردیا ہے ۔ اور ہال کے بڑے بڑے اور چوڑے دریچوں کے باہر خوابیدہ فضاؤں میں "گڈنائٹ ماری" کے اداس سُر لرز رہے ہیں ۔ جم کی آنکھیں نیند سے جھکی جارہی ہیں ۔ جم تم خواب کیوں دیکھتے ہو تمھیں خواب نہیں دیکھنے چاہئیں ۔ انگریز ہمیشہ جاگتا رہتا ہے ۔ وہ صرف مشین گن چلانا جانتا ہے ۔ تم بھی بڑے جھوٹے ہو ۔ یوزیڑ ہو بڑے زبردست ۔ تم غلط کہتے ہو کہ تمھیں اس پُراسرار سرزمین سے عشق ہے جس میں ٹیگور کے گیت ہیں اور اودے شنکر کا ناچ ہے ۔ اور ہمالیہ کی برفانی بلندیاں اور نیلوفر سے بھری ہوئی

وادیاں ہیں ـــــ اور ـــــ اور جہاں کی سیاہ آنکھوں والی لڑکیاں اپنے بالوں میں زرد اور بنفشئی پھول سجاتی ہیں ۔ اور روپہلے غرارے پہنتی ہیں ۔ یہ سب غلط ہے ، جھوٹ ہے ، دھوکا ہے بہت بڑا ۔ یہاں پر صرف گندگی ہے اور غربت اور بے مزگی اور زندگی کا ناگوار ، ناقابلِ برداشت بوجھ ۔ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ۔ کوئی مصرف نہیں ۔ اس یکرنگی ، اس بے کیفی ، اس خستگی اور اکتاہٹ کے شدید احساس کو تم نہیں سمجھ سکتے ۔ تم مے فیئر کے نیلگوں ایرکنڈیشنڈ بال روم میں بیٹھ کر ہندوستان سے اظہار ہمدردی کرنا چاہتے ہو ۔ تم گدھے ہو بہت اعلیٰ قسم کے ۔ سمجھے ؟ اودہ کی شام بہت کالی اور بہت خنک رات میں تبدیل ہو گئی ہے اور مے فیئر کی گیسٹ نائٹ اختتام پر ہے ۔ تمھاری پلکیں خوابوں کے بوجھ سے جھکی جا رہی ہیں ۔ زینت کے بالوں کے زرد پھول مرجھا کر فرش پر گر چکے ہیں ۔ جنھیں روندتے ہوئے ہم ابھی نیچے چلے جائیں گے ۔ ہم سب کے سب اور یہ جگمگاتا ہوا رقص کا ایوان خالی ہو جائیگا ۔ اور اس کی تیز برقی روشنیاں ایک ایک کرکے بجھا دی جائیں گی ۔ اور آج کی رات کے بعد ہم سب تمھیں بھول جائیں گے ۔ یہ سیاہ فام مدراسی کارٹونسٹ جو ایک کونے میں خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے اپنی اسکیچ بک میں تمھارے بیشمار پروفائل بنا چکا ہے ، اور یہ خوبصورت اور ڈشنگ اور مغرور ہمارے ہاں کے روزانہ

انگریزی اخبار کا ایڈیٹر اور آنند ریڈیو کا یہ پروگرام ڈائریکٹر جو انگریزی میں شاعری کرتے کرتے سب کو بور کر دیتا ہے۔ اور ادما جو ایڈی بیمار کی طرح حسین ہے۔ اور تمھیں پورن برھما کا فلسفہ سمجھانے کی کوشش میں اپنی ساری شام ضائع کر چکی ہے ـــــ وہ کہہ رہی ہے کہ وہ اگلی اتوار کے پائنیر کے میگزین سیکشن میں تمھارے متعلق ایک کہانی لکھے گی۔ اور زینت جو سیرانو ہے اور میرے بھائی کی منگیتر وہ تمہاری یاد میں ایک گیت کمپوز کرنے والی ہے۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا ہے کہ میں تمہاری ایک تصویر بناؤں گی۔ اور اس میں تمہاری آنکھوں کے لئے آسمان کی نیلاہٹ اور کشمیر کی گلیوں جھیلوں کی سبزی اور چاند کی بھیگی بھیگی کرنوں کی جھلملاہٹ کے رنگ استعمال کروں گی۔ اور آنند اپنی انگریزی نظموں کا جو مجموعہ لندن سے شائع کروا رہا ہے اس میں تمہارے اوپر بھی چند شعر شامل کریگا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کل صبح کے بعد جبکہ تم ہندوستان سے جا چکے ہو گے تم اس آسانی اور اطمینان کے ساتھ فراموش کر دیئے جاؤ گے جس آسانی اور اطمینان سے زندگی کی اور بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں اور واقعات بھلا دیئے جاتے ہیں۔ دراصل یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔ تم نے ہماری تصویروں کی تعریف کی، ہمارے رقص دیکھے۔ ہماری موسیقی کو پرکھا۔ لیکن یقین جانو کہ ہماری تصویریں، ہمارے افسانے اور ہمارے ناچ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ جب

زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے تو ان چیزوں کا کیا ہو سکتا ہے ۔ کوئی End ہی نہیں ۔ تو Means کی بہتری یا افادیت میں سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے ۔ تمھارے میٹر آف فیکٹ برطانوی دماغ کے لئے ذرا انوکھی باتیں ہیں نا ؟ ہم سب تمھارے لئے بہت انوکھے ہیں اوما اور زینت اور میں ۔ سارے کے سارے ۔ ہمارا فلسفہ بھی انوکھا ہے ۔ جسے ہم Confusionism کا فلسفہ کہتے ہیں ۔ جو بہترین ہے ۔ اور انتہائی مفید ہے ۔ زندگی جس طرح بھی سامنے آئے اسے اپنا لو ۔ نرالا فلسفہ ہے نا ۔ ہر نرالی چیز ہی تو دلچسپ ہوتی ہے ۔ ورنہ تم اس وقت یہاں نہ ہوتے ۔ یہ انسانیت کی لڑائی بے حد انوکھی تھی ۔ جس کی وجہ سے تم ویلش قلعے اور اپنی پہاڑی شکار گاہوں اور اپنے لارڈ باپ کو کشنوں پر سر ٹیکے بیبر گورنمنٹ کے بجٹ پر نکتہ چینی کرنے کے لئے چھوڑ کر اس وقت یہاں مے فیئر بال روم میں بیٹھے ویدانت کے فلسفے اور پاکستان کے جواز سے الجھنے کی کوشش میں مصروف ہو ۔ یہ زندگی اور یہ شامیں بالکل نرالی ہیں ۔ جن میں آنے والے قحط اور مسٹر ہوور کے اپنے اپنے اندیشے ظاہر کرنے کے بعد اپنی میزوں پر سے اٹھ اٹھ کر رقص میں گھومتے گھومتے متواتر پانچ چھ گھنٹے گذر جاتے ہیں اور ہم بالکل نہیں تھکتے ۔ اوما انتہائی انوکھی لڑکی ہے ۔ کہ اعتقاداً سخت ہندو ہونے کے باوجود ایک مسلمان سے شادی کر کے غرارہ پہن کر سلام علیکم کہتی ہے ۔ اور میں شاید اس سے

بھی زیادہ انوکھی ہوں کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی جے ہند اور ٹمنسکا
کرلیتی ہوں جبکہ تمھیں بتایا گیا ہے کہ ہم لوگ بازاروں میں ایک دوسرے
کے گلے کاٹ ڈالتے ہیں ۔ "گوڈسیو دی کنگ " بجنا شروع ہوگیا ہے۔
جم فوراً کھڑے ہو جاؤ۔ تم میرے ساتھ ان باتوں میں اس قدر محو ہوگئے
کہ تمھیں اس بات کا بھی خیال نہیں رہا ہم لوگ نیچے جا رہے ہیں۔ اپنے
نیشنل انیتھم کے بعد نیچے آکر پورٹیکو میں ہم سے رخصت ہو لینا۔ کیونکہ رات
بھیگتی جا رہی ہے۔ اور سفیدے کے درختوں کے پیچھے سے ابھی چاند
طلوع نہیں ہوا ہے۔ اور تمھیں معلوم ہونا چاہئے جم کہ اندھیری
راتوں میں ہم لڑکیوں کو خواہ مخواہ ڈر لگا کرتا ہے۔ رات خاموش ہے
اور ہماری کار تیزی سے مے فیئر کے پورٹیکو کی نیلگوں اور خنک دھندلی
روشنیوں کو پیچھے چھوڑتی آرہی ہے۔ دور لا مارٹینز کالج کی پرشکوہ
فرانسیسی عمارتوں کا سیاہ عکس ان کی سیڑھیوں کے نیچے سوتی ہوئی
جھیل پر لرز رہا ہے۔ چپ چاپ اور بے حس —— اور سکندر باغ
دلکشا اور بنارسی باغ کے وسیع سبز مخملیں میدان، اور سفیدے کے
جنگل، مدھم چاندنی کے سناٹے میں سائیں سائیں کر رہے ہیں۔ اور گومتی
کے شاندار پل کے کنارے دریا پر جھکی ہوئی سرخ پتھر کی ایک شہ نشین
پر آسمان کے مقابلے میں سلہٹ سا نظر آرہا ہے اور اس کے سامنے
چھتر منزل خاموشی اور غرور سے آدھی رات کے آسمان کی طرف
اپنی طلائی چھتری بلند کئے اپنی رقص گاہ کی روشنیاں اپنے قدموں

میں بہتی ہوئی گومتی کی سطح پر پھینک رہی ہے۔ یہ اودھ کی رات ہے
اور تم چند گھنٹوں بعد ان راتوں سے ہمیشہ کے لئے دور ہوجاؤ گی۔
اور تمہارا ڈیکوٹا طیارہ گومتی اور سرجو اور گنگا کی روپہلی لہروں کے
اوپر سے گذرتا انھیں نیچے چھوڑتا ہوا دور مغربی سمندروں کے اونچے
بادلوں میں کھو جائے گا۔ آدھی رات کا پرندہ چلّا اٹھا ہے۔ چاروں
طرف دور دور تک پھیلی ہوئی خوابیدہ کائنات پر پرستان کا سحر
چھا رہا ہے۔ دریچے کے باہر شریفے کے درختوں کی دوسری جانب
سڑک کے کنارے وہ پرانا پھاٹک خاموشی سے استادہ ہے۔
اور اس کی اوپر کی منزلوں اور شہ نشینوں میں مدھم روشنیاں
جھلملا رہی ہیں۔ دور چوکیدار باغ کی رکھوالی کرتے کرتے چلّا اٹھتا
ہے۔ ہو ہو ہو ——— لا لا لا ——— اور اس کے برہا کی آواز بازگشت
دیر تک گومتی کی روپہلی ریتوں پر گونجتی رہتی ہے۔ اور ایریل کے
بانس پر بیٹھے ہوئے چنڈول کی تیز آوازارات کے سناٹے کو
کاٹتی ہوئی اندھیرے کی وسعتوں میں پھیلتی جا رہی ہے۔ چنڈول
ذات کے لحاظ سے الّو کے چھوٹے بھائی کی ایک قسم ہے۔ جم بھی
الّو کا چھوٹا بھائی ہے۔ اور مجھے یاد ہے کہ اس نے سیڑھیوں کے
پاس کھڑے ہو کر خدا حافظ کہتے وقت کار کا دروازہ بند کرنے سے
پہلے جھک کر میرے غرارے پائنچے سمیٹ کر اندر اٹھانے میں میری
مدد کرتے ہوئے جو فٹ بورڈ پر گرے جا رہے تھے اگلی سیٹ پر

مسز رحمٰن کو سگریٹ کا دھواں اڑاتے دیکھ کر مجھ سے چپکے سے کہا تھا کہ اسے عورتوں کا سگریٹ پینا بالکل پسند نہیں۔ اور وہ اپنی بہنوں کو بھی سگریٹ نہیں پینے دیتا۔ کیونکہ وہ امریکن نہیں انگریز ہے۔ اور انگریز بہت قدامت پرست ہوتے ہیں۔ اور رات کے دو بجنے والے ہیں اور فرش پر برقی چولھے کے قریب کافی کی پیالیاں بے ترتیبی اور اکتاہٹ کے انداز میں منتشر ہیں۔ ابھی بہت پڑھنا ہے۔ کیونکہ امتحان میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے۔ کیا کریں گے اتنا پڑھ کر جانے۔ پرانے زمانے کے بادشاہوں کا وہ پھاٹک اندھیرے میں زیادہ بلند، زیادہ ہیبت ناک اور زیادہ خوبصورت نظر آ رہا ہے۔ جس کی خوبصورتی اور عظمت سے دل میں ایک ناقابلِ بیان خوف سا محسوس ہوتا ہے۔ اور جس کی عظیم الشان محرابوں کے نیچے سے دن بھر یو۔ ٹی۔ سی کے جیب اور لائبریری کو جانے یا وہاں سے واپس آنے والی لڑکیوں کے گروہ گذرتے رہتے ہیں۔ اور میں پڑھنے کے بجائے تصویریں بنا رہی ہوں۔ اور زینت کہتی ہے کہ تم تصویریں کیوں بناتی ہو۔ مت بنایا کرو تصویریں۔ بلکہ کوئی اور زیادہ مفید کام شروع کر دو۔ مثلاً باورچی خانے کے باغ میں گوبھی کی کیاریاں تیار کرو۔ تاکہ زیادہ غذا پیدا کی جا سکے۔ اور گورنمنٹ ہاؤس کی ٹی پارٹیوں میں گورنر صاحب کی میم صاحب ہم لوگوں کی زیادہ تعریف کیا کریں۔ اور زینت اکنومکس کی موٹی موٹی کتابوں کو قالین پر پھینک کر اپنی پیانو کی کاپی کے ورق

الٹے ہوئے سلام (مجمل سوری) کا کوئی بیکار، اور لغو سا شعر گنگنا رہی ہے۔ میں اگر
زندہ ہوں پھر شام ادھر آئے گی یا جانے کیا۔
واقعہ یہ ہے کہ ہم سب چغد ہیں۔

یونیورسٹی۔ [illegible]۔ بال روم [illegible]۔ سینما
ہاسٹل۔ [illegible] کا دفتر۔ ریڈیو اسٹیشن ——— ؟ ہوٹل۔
بوٹ کلب۔ ——— ا ——— ا ——— [illegible]

جگمگاتا ڈرائنگ روم۔ نرم اور گرم صوفے و قالین۔ آتش دان
بے شمار گلدستے۔ ٹیلیفون۔ پیانو۔ ریڈیو [illegible]
برقی قمقمے۔ ڈانس۔ ریڈیو [illegible]

[illegible]۔ [illegible]۔ [illegible]

جناح کی سیاست
[illegible] کی [illegible]
[illegible] کا تاج
گزشتہ [illegible] کے ڈرامے
[illegible] کے افسانے
عظمت محمود کی آواز
[illegible] کے [illegible]
[illegible] کے شعر

رفیع پیر کے [illegible] ڈرامے
علی سردار جعفری کی [illegible]
[illegible] کی [illegible]
[illegible] کی [illegible]

حفیظ کی [illegible]
مولانا [illegible]
[illegible] اکبر [illegible]

مونالیسا

ایک طویل رومان

مونالسا

پریوں کی سرزمین کو ایک راستہ جاتا ہے۔ شاہ بلوط اور صنوبر
کے جنگلوں میں سے گذرتا ہوا۔ جہاں روپہلی ندیوں کے کنارے چیری
اور بادام کے سایوں میں خوبصورت چرواہے چھوٹی چھوٹی بانسریوں
پر خوابوں کے نغمے الاپتے ہیں۔ یہ سنہرے چاند کی وادی ہے۔ Never
Land کے مغرور اور خوبصورت شہزادے پیٹر پین کا ملک۔
جہاں ہمیشہ ساری باتیں اچھی اچھی ہوا کرتی ہیں۔ آئس کریم کی برف پڑتی
ہے۔ چوکلیٹ اور پلم کیک کے مکانوں میں رہا جاتا ہے موٹریں پٹرول
کی بجائے جاڑے سے چلتی ہیں۔ بغیر پڑھے ڈگریاں مل جاتی ہیں۔

اور کہانیوں کے اس ملک کو جانے والے راستے کے کنارے کنارے بہت سے سائن پوسٹ کھڑے ہیں جن پر لکھا ہے "صرف موٹروں کے لئے۔" "یہ عام راستہ نہیں۔" اور شام کے اندھیرے زناٹے سے آتی ہوئی کاروں کی تیز روشنی میں نرگس کے پھولوں کی چھوٹی سی پہاڑی میں سے جھانکتے ہوئے یہ الفاظ جگمگا اٹھتے ہیں۔

"پلیز آہستہ چلائیے ——— شکریہ!"

اور بہار کی شگفتہ اور روشن دوپہروں میں سنہرے بالوں والی کرلی لوکس، سنڈریلا اور اسنو وائٹ چھوٹی چھوٹی پھولوں کی ٹوکریاں لیکر اس راستے پر چیری کے سفید شگوفے اور ستارۂ سحری کی کلیاں جمع کرنے آیا کرتی تھیں۔

ایک روز کیا ہوا کہ ایک انتہائی ڈیشنگ شہسوار راستہ بھول کر صنوبروں کی اس وادی میں آنکلا جو دور دراز کی سرزمینوں سے بڑے بڑے عظیم الشان معرکے سر کر کے چلا آرہا تھا۔ اس نے اپنے شاندار گھوڑے پر سے جھک کر کہا۔ مائی ڈیرینگ لیڈی کیسی خوشگوار صبح ہے!

کرلی لوکس نے بے تعلقی سے جواب دیا۔ "اچھا، واقعی؟ تو پھر کیا ہوا؟"

شہسوار کی خوابناک آنکھوں نے خاموشی سے کہا۔ "پسند کرو ہمیں۔" کرلی لوکس کی بڑی بڑی روشن اور نیلی آنکھوں میں بے نیازی

کھلکھلا اٹھی "جناب عالی ہم بالکل نوٹس نہیں لیتے" شہ سوار نے اپنی خصوصیات بتائیں۔ ایک شاندار سی امپیریل سروس کے مقابلے میں top کیا ہے اب تک ایک سو پینتیس ڈوئیل لڑ چکا ہوں۔ بہترین قسم کا heart breaker ہوں۔

کرلی لوکس نے غصّے سے اپنی سنہری لٹیں جھٹک دیں۔ اور اپنے بادامی ناخنوں کے برگنڈی کیوٹیکس کو غور سے دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ سنڈریلا اور اسنو وائٹ پگڈنڈی کے کنارے اسٹرابری چنتی رہیں۔

اور ڈیشنگ شہ سوار نے بڑے ڈرامیٹک انداز سے جھک کر نرسری کا ایک پرانا گیت یاد دلایا۔

کرلی لوکس کرلی لوکس
یعنی اے میری پیاری چینی کی گڑیا۔
تمہیں برتن صاف کرنے نہیں پڑیں گے۔
اور بطخوں کو لیکر چراگاہ میں جانا نہیں ہوگا۔
بلکہ تم کشنوں پر بیٹھی بیٹھی اسٹرابری کھایا کرو گی۔
اے میری سنہرے گھنگریالے بالوں والی مغرور شہزادی ایمیلیا ہنری ایٹامرایا۔
دو نینا متوارے تمہارے ہم پر ظلم کریں۔
اور پھر وہ ڈیشنگ شہ سوار اپنے شاندار گھوڑے کو ایڑ لگا کر

دوسری سرزمینوں کی طرف نکل گیا۔ جہاں اور بھی زیادہ عظیم الشان اور زبردست معرکے اس کے منتظر تھے۔ اور اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازِ بازگشت پہاڑی راستوں اور وادیوں میں گونجتی رہی۔

پھر ایک اور بات ہوئی جس کی وجہ سے چاند کی وادی کے باسی غمگین رہنے لگے۔ کیونکہ ایک خوش گوار صبح معصوم کوک روبن ستارۂ سحری کے سبزے پر مقتول پایا گیا۔ مرحوم پر کسی ظالم نے تیر چلایا تھا سنڈریلا رونے لگی۔ بچارہ میرا سُرخ اور نیلے پروں والا گُڈو سا پرندہ۔ پرستان کی ساری چڑیوں، خرگوشوں اور گلہریوں نے مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد پتہ چلا لیا۔ اور بالاتفاق رائے اس کی بے وقت اور جوان موت پر تعزیت کی قرارداد منظور کی گئی۔ یونیورسٹی میں کوک روبن ڈے منایا گیا۔ لیکن عقلمند پوسی کیٹ نے جو فل بوٹ پہن کر ملکہ سے ملنے لندن جایا کرتی تھی۔ سنڈریلا سے کہا۔ رو ؤمت میری گڑیا یہ کوک روبن تو یونہی مرا کرتا ہے۔ اور پھر فرسٹ ایڈ ملتے ہی فوراً زندہ ہو جاتا ہے۔ اور کوک روبن سچ مچ زندہ ہو گیا۔ اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

اور ہمیشہ کی طرح وادی کے سبزے پر بکھرے ہوئے گلّے کی ننھی منی گھنٹیاں اور دور سمندر کے کنارے شفق میں کھوئے ہوئے پُرانے عبادت خانوں کے گھنٹے آہستہ آہستہ بجتے رہے ——

ڈنگ ڈونگ ڈنگ ڈونگ بِل پوسی اِن دَ ویل۔

ڈنگ ڈونگ ۔ ڈنگ ڈونگ ۔ جیسے کرلی لوکس کہہ رہی ہو۔
نہیں نہیں نہیں نہیں !

اور اس نے کہا نہیں نہیں ۔ یہ تو پریوں کے ملک کی باتیں تھیں۔ میں کوک روبن نہیں ہوں نہ آپ کرلی لوکس یا سنڈریلا ہیں ۔۔ ناموں کی ٹوکری میں سے جو پرچی میرے ہاتھ پڑی ہے ۔ اس پر ریٹ بٹلر لکھا ہے لہٰذا آپ کو اسکارلٹ او ہارا ہونا چاہیئے ۔ ورنہ اگر آپ جولیٹ یا کلیوپیٹرا ہیں تو رومیو یا انطونی صاحب کو تلاش فرمائیے ۔ اور میں قاعدے سے مِس اوہارا کی فکر کروں گا ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ جولیٹ یا بیٹرس یا ماری انطونی نہیں ہیں ۔ اور میں قطعی ریٹ بٹلر نہیں ہو سکتا ۔ کاش آپ محض آپ ہوتیں اور میں صرف میں ۔ لیکن ایسا نہیں ہے ۔ لہٰذا آئیے اپنی اپنی تلاش شروع کریں ۔

—— ہم سب کے راستے یونہی ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے پھر الگ الگ چلے جاتے ہیں ۔ لیکن پرستان کی طرف تو ان میں سے کوئی راستہ بھی نہیں جاتا ۔

—— چوکو بارز کی اسٹالوں اور ریکی ڈوپ کے خیمے کے رنگین دھاریدار پردوں کے پیچھے چاندنی کی ننھی منی گھنٹیاں بجتی رہیں ۔ ڈنگ ڈونگ ڈنگ ڈونگ —— پوسی بچاری کنوئیں میں گر گئی ۔ اور ٹوم اسٹاؤٹ بے فکری سے چوکو بارز کھاتا رہا ۔ پھر وہ سب زندگی کی ٹریجیڈی میں غور کرنے میں مصروف ہو گئے ۔ کیونکہ وہ چاندنی

وادی کے باسی نہیں تھے۔ لیکن اتنے احمق تھے کہ پرستان کی پگڈنڈی پر
موسم گل کے پہلے سفید شگوفے تلاش کرنے کی کوشش کر لیا کرتے تھے اور
اس کوشش میں انھیں ہمیشہ کسی نہ کسی اجنبی ساحل، کسی نہ کسی ان دیکھی
ان جانی چٹان پر فورسڈ لینڈنگ کرنی پڑتی تھی۔ وہ کئی تھے۔ ڈک
وٹنگٹن جسے امید تھی کہ کبھی نہ کبھی تو اسے فل بوٹ پہننے والی وہ پوسی کیٹ
مل ہی جائے گی جو اسے خوابوں کے شہر کی طرف اپنے ساتھ لے جائے۔
اور اسے یقین تھا کہ خوابوں کے شہر میں ایک نیلی آنکھوں والی ایلس اپنے
ڈرائنگ روم کے آتشدان کے سامنے بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی ہے
اور وہ افسانہ نگار جو سوچتا تھا کہ کسی روپہلے راج ہنس کے پروں پر بیٹھ کر
اگر وہ زندگی کے اس پار کہانیوں کی سرزمین میں پہونچ جائے جہاں
چاند کے قلعے میں خیالوں کی شہزادی رہتی ہے۔ تو وہ اس سے کہتے میری
مغرور شہزادی میں نے تمھارے لئے اتنی کہانیاں، اتنے اوپیرا اور اتنی
نظمیں لکھی ہیں۔ میرے ساتھ دنیا کو چلو تو دنیا کتنی خوبصورت، زندہ رہنے
اور محبت کرنے کے قابل جگہ بن جائے گی لیکن روپہلا راج ہنس اسے
کہیں نہ ملتا تھا۔ اور وہ اپنے باغ میں بیٹھا بیٹھا کہانیاں اور نظمیں لکھا
کرتا تھا۔ اور جو خوبصورت اور عقلمند لڑکی اس سے ملتی اسے ایک لمحے
کے لئے یقین ہو جاتا کہ خیالوں کی شہزادی چاند کے ایوانوں میں سے
نکل آئی ہے۔ لیکن دوسرے لمحے وہ عقلمند لڑکی ہنس کر کہتی کہ افوہ، بھئی
فنکار صاحب کیا Cynicism بھی اس قدر الٹرا فیشن ایبل

چیز بن گئی ہے۔ اور آپ کو یہ مغالطہ کب سے ہو گیا ہے کہ آپ جینیس بھی ہیں۔ اور اس کے نقرئی قہقہے کے ساتھ چاند کی کرنوں کی وہ ساری سیڑھیاں ٹوٹ کر گر پڑتیں جن کے ذریعے وہ اپنی نظموں میں خیالستان کے محلوں تک پہونچنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اور دنیا ویسی کی ویسی ہی رہتی۔ اندھیری، ٹھنڈی اور بدصورت ——— اور سنڈریلا جو ہمیشہ اپنا ایک بلوریں سینڈل رات کے اختتام پر خوابوں کی جھلملاتی رقص گاہ میں بھول آتی تھی، اور وہ ڈیشنگ شہسوار جو پرستان کی خاموش شفق کے رنگوں میں کھوئی ہوئی پگڈنڈیوں پر اکیلے اکیلے ہی ٹہلا کرتا تھا اور برف جیسے رنگ اور سرخ انگارہ جیسے ہونٹوں والی اسنو وائٹ جو رقص کرتی تھی تو بوڑھے شاہ کول کے دربار کے تینوں پری زاد مغنّی اپنے وائلن بجانا بھول جاتے تھے۔

اور "ریٹ بٹلر" نے اس سے کہا: "مس اوہارا آپ کو کون سا رقص زیادہ پسند ہے۔ ٹینگو ——— فوکس ٹروٹ ——— رومبا ——— آئیے لیمبتھ واک کریں"۔

اور افروزا اپنے پارٹنر کے ساتھ رقص میں مصروف ہو گئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اسکارلٹ اوہارا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ چاند کی دنیا کی باسی نہیں تھی۔ سبزے پر رقص ہو رہا تھا۔ روش کی دوسری طرف ایک درخت کے نیچے لکڑی کے عارضی پلیٹ فارم پر چارلس جوڈ اکا آرکسٹرا اپنی پوری سوئنگ میں تیزی سے بج رہا تھا ——— اور پھر ایک دم سے

قطعے کے دوسرے کنارے پر استادہ لاؤڈ اسپیکر میں کارمن میرانڈا کا ریکارڈ چیخنے لگا " تم آج کی رات کسی کے بازوؤں میں ہونا چاہتی ہو ؟ " لکی ڈیپ اور " عارضی کافی ہاؤس " کے رنگین خیموں پر بندھی ہوئی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بجتی رہیں۔ اور کسی نے اس کے دل میں آہستہ آہستہ کہا۔ موسیقی ــــ دیوانگی ــــ زندگی ــــ دیوانگی ــــ شوپاں کے نغمے ــــ " جلیبی مون " ــــ اوخدا !!

اس نے اپنے ہم رقص کے مضبوط، پُراعتماد، مغرور بازوؤں پر اپنا بوجھ ڈال کر ناچ کے ایک کوئیک اسٹیپ کا ٹرن لیتے ہوئے اس کے شانوں پر دیکھا۔ سبزے پر اس جیسے کتنے انسان اس کی طرح دو دو کے رقص کی ٹکڑیوں میں منتشر تھے۔" جولیٹ " اور " رومیو "۔ " وکٹوریہ " اور " البرٹ "۔ " بیٹرس " اور " دانتے " ایک دوسرے کو خوبصورت دھوکے دینے کی کوشش کرتے ہوئے، ایک دوسرے کو غلط سمجھتے ہوئے اپنی اس مصنوعی، عارضی، چاند کی وادی میں کتنے خوش تھے وہ سب کے سب ــــ ! بہار کے پہلے شگوفوں کے متلاشی اور کاغذی کلیوں پر قانع اور مطمئن ــــ زندگی کے تعاقب میں پریشان و سرگرداں۔ زندگی ــــ ہُنہ ــــ شوپاں کی موسیقی سفید گلاب کے پھول، اور اچھی کتابیں، کاش ! زندگی میں صرف یہی ہوتا، چاند کی وادی کے اس افسانہ نگار ادیناتھ نے ایک مرتبہ اس سے کہا تھا۔ ہُنہ ــــ کتنا بنتے ہو ادیناتھ، ابھی سامنے سے ایک خوبصورت لڑکی گذر جائے

اور تم اپنی ساری تخیل پرستیاں بھول کر سوچنے لگو گے کہ اس کے بغیر تمھاری زندگی میں کتنی بڑی کمی ہے ——— اور اوینا ش نے کہا تھا کاش جو ہم سوچتے وہی ہوا کرتا۔ جو ہم چاہتے وہی ملتا ——— ہائے یہ زندگی کا نکی ڈیپ ——— ! زندگی، جس کا جواب مونا لیسا کا تبسم ہے جس میں زسری کے خوبصورت گیت اور چاند ستارے تراشتی ہوئی کہانیاں تمھارا مذاق اُڑاتی تمھارا منہ چڑاتی بہت پیچھے رہ جاتی ہیں جہاں کوک روبن پھر سے زندہ ہونے کے لئے روز نئے نئے تیروں سے مرتا رہتا ہے ——— اور کرلی لوکس ریشمیں گُشنوں کے انبار پر کبھی نہیں چڑھ پاتی ——— کاش افروز تم ——— اور پھر وہ خاموش ہوگیا تھا کیونکہ اسے یاد آگیا تھا کہ افروز کو کاش اس سستے اور جذباتی لفظ سے سخت چڑ ہے۔ اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے جیسے تمھیں خود پر اعتماد، بھروسہ، یقین نہیں۔

اور افروز لیتھ واک کی اچھل کود سے تھک گئی۔ کیسا بیہودہ سا ناچ ہے۔ کس قدر بے معنی اور فضول سے Steps ہیں۔ بس اچھلتے اور گھومتے پھر رہے ہیں۔ بیوقوفوں کی طرح۔

"مس او ہارا ——— !" اس کے ہم رقص نے کچھ کہنا شروع کیا۔

"——— افروز سلطانہ کہئے"

"اوہ ——— مس افروز حمید علی ——— آئیے کہیں بیٹھ جائیں"

"بیٹھ کر کیا کریں"

"ار ــــ باتیں !"

"باتیں آپ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ مس حمید علی آپ یہ ہیں، آپ وہ ہیں، آپ بجید عمدہ رقص کرتی ہیں۔ آپ نے کل کے سنگلز میں پرکاش کو خوب ہرایا ــــ"

"ار ــــ غالباً آپ کو سیاسیات سے ــــ"

"شکریہ اویناش اس کے لئے ضرورت سے زیادہ ہے۔"

"اچھا تو پھر موسیقی یا پال مُنی کا نیا فلم ــــ"

"مختصر یہ کہ آپ خاموش کسی طرح نہیں بیٹھ سکتے ــــ" وہ چپ ہو گیا۔

پھر شام کا اندھیرا چھانے لگا۔ درختوں میں رنگ برنگے برقی قمقمے جھلملا اٹھے۔ اور وہ سب سبزے کو خاموش اور سنسان چھوڑ کے بال روم کے اندر چلے گئے۔ آرکیسٹرا کی گت تبدیل ہو گئی۔ جاز اپنی پوری تیزی سے بجنے لگا۔ وہ ہال کے سرے پر شیشے کے لمبے لمبے دریچوں کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کے قریب اس کی ممانی کا چھوٹا بھائی جو کچھ عرصے قبل امریکہ سے واپس آیا تھا "میری وِڈو" سے باتیں کرنے میں مشغول تھا۔ اور بہت سی لڑکیاں اپنی سبز بید کی کرسیاں اس کے آس پاس کھینچ کر انتہائی انہماک اور دلچسپی سے اس کی باتیں سُن رہی تھیں۔ اور "میری وِڈو" ہنسے جا رہی تھی۔ "میری وِڈو" جو سانولی رنگت کی بڑی بڑی آنکھوں والی ایک اعلیٰ خاندان عیسائی لڑکی اور انگریز کرنل کی بیوہ تھی ایک ہندوستانی

فلم میں کلاسیکل رقص کر چکی تھی ۔ اور اب جاز کی موسیقی اور شری کے گلاسوں کے سہارے اپنی شامیں گذار رہی تھی ۔

اور پائپوں اور سگرٹوں کے دھوئیں کا ملا جلا لرزتا ہوا عکس بال روم کی سبز روغنی دیواروں پر بنے ہوئے طیاروں، پام کے درختوں، اور رقصاں اپسراؤں کے دُھندلے دُھندلے نقوش کو اپنی لہروں میں لپیٹتا ناچتا رنگین اور روشن چھت کی بلندی کی طرف اُٹھتا رہا ۔ خوابوں کا شبنم آلود سحر آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا ۔

اور یکلخت "میری وِڈو" نے زور سے ہنسنا اور چلّانا شروع کر دیا ۔ افروز کی ممانی کے ہالی ووڈ پلٹ بھائی نے ذرا گھبرا کر اپنی کرسی پیچھے کو سرکا لی ۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے ۔ آرکیسٹرا کے سُر آہستہ آہستہ ڈوبتے گئے ۔ اور دبی دبی ہنسی اور مدھم قہقہوں کی آوازیں ابھرنے لگیں ۔ وہ سبز آنکھوں والی زرد رُو لڑکی جو بہت دیر سے ایک ہندوستانی پرنس کے ساتھ ناچ رہی تھی تھک کر افروز کے قریب آ کر بیٹھ گئی ۔ اور اس کا باپ جو ایک ہندوستانی ریاست کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا فرن کے پتوں کے پیچھے گیلری میں بیٹھا اطمینان سے سگار کا دھواں اُڑاتا رہا ۔

پھر کھیل شروع ہوئے ۔ اور ایک بیحد اوٹ پٹانگ سے کھیل میں حصّہ لینے کے لئے سب دوبارہ ہال کی فلور پر آ گئے ۔ اور افروز کا ہمرقص "ریٹ بٹلر" اپنے خواب ناک آنکھوں والے دوست کے ساتھ اس کے قریب آیا ۔ "مس حمید علی آپ میری پارٹنر ہیں نا ؟

"جی ہاں - آئیے"

اور اس خوابناک آنکھوں والے دوست نے کہا "بارہ ب
والے ہیں - نیا سال مبارک ہو - لیکن آج اتنی خاموش کیوں ہیں
آپ ؟"

"آپ کو بھی مبارک ہو - لیکن کیا ضرورت ہے کہ اس زبر
خوشی میں خواہ مخواہ کی بیکار باتوں کا سلسلہ رات بھر ختم ہی نہ کیا
جائے"

"لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ آپ اس طرح خاموش نہ رہیں ا
سے خواہ مخواہ یہ ظاہر ہوگا کہ آپ کو اس مجمع میں ایک مخصوص شخص
موجودگی ناگوار گذر رہی ہے"

"پر جو آپ چاہیں لازم تو نہیں کہ دوسروں کی بھی وہی مرض
کیونکہ جب آپ کچھ کہتے ہوتے ہیں اس وقت آپ کو یقین ہوتا ہے
ساری دنیا بے حد دلچسپی سے آپ کی طرف متوجہ ہے - اور بعد میں لڑ
کہتی ہیں افوہ کس قدر مزے کی باتیں کرتے ہیں انور صاحب اور
اسمارٹ مذاق ہوتے ہیں آپ —"

اتنے میں پرکاش کا غذ اور پنسلیں تقسیم کرتی ہوئی ان کی طرف
اور ان کو ان کے فرضی نام بتاتی ہوئی آگے بڑھ گئی - تھوڑی
کے لئے سب چپ ہو گئے - پھر قہقہوں کے شور کے ساتھ کھیل ش

کچھ نہ کچھ بولنے کی غرض سے پوچھا "جی، تو ہم کیا باتیں کر رہے تھے؟"
"میرا خیال ہے کہ ہم باتیں قطعی کر ہی نہیں رہے تھے۔ کیوں نہ آپ قاعدے سے اپنی پارٹنر کے ساتھ جا کر کھیلئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں" اسکارلٹ او ہاراتھوں" جولیت ابھی آپ کو تلاش کر رہی تھی۔
پھر ڈاکٹر مہرہ اور اوینا ش اس کی طرف آ گئے۔ اور وہ ان کے ساتھ کھیل میں مصروف ہو گئی۔

اور جب رات کے اختتام پر وہ رفعت کے ساتھ اپنا اوورکوٹ لینے کے لئے کلوک روم کی طرف جا رہی تھی تو گیلری کے سامنے کی طرف سے گذرتے ہوئے اس نے اس سبز آنکھوں والی "زرد رو جولیٹ" کے باپ کو اپنے دوستوں سے کہتے سُنا "آپ میرے داماد میجر بھنڈاری سے ملے؟ مجھے تو فخر ہے کہ میری بڑی لڑکی نے اپنے فرقے سے باھر شادی کرنے میں ذات اور مذہب کی دقیانوسی قیود کی پروا نہیں کی۔ اب وہ بہت جلد چیف آف دی اسٹاف ہونے والا ہے۔ میری لڑکی کا انتخاب پسند آیا آپ کو؟ ہی ہی ہی۔ در اصل میں نے اپنی چاروں لڑکیوں کا ٹیسٹ کچھ اس طرح Cultivate کیا ہے کہ پچھلی مرتبہ جب میں ان کو اپنے ساتھ یورپ لے گیا تو ——" اور افروز جلدی سے بال روم کے باہر نکل آئی —— اف یہ زندگی —— یہ زندگی کا گھٹیا پن ——

واقعی ——! یہ زندگی ——!!

اور جشنِ نوروز کے دوسرے دن اس بیچاری ریٹ بٹلر نے اپنے دوست اس خوابناک آنکھوں والے ڈیشنگ شہسوار سے کہا جو پرستان کے راستوں پر سب سے الگ الگ ٹہلا کرتا تھا ـــــــ "عجب لڑکی ہے بھئی ۔"

"ہوا کرے ۔" اور وہ خوابناک آنکھوں والا دوست بے نیازی سے سگریٹ کے دھوئیں کے حلقے بنا بنا کر چھت کی طرف بھیجتا رہا ۔

اور اس عجیب لڑکی کی دوست کہہ رہی تھی ۔" بہنہ اس قدر مغرور مغالطہ فائیڈ قسم کا انسان "

"ہوا کرے بھئی ۔ ہم سے کیا ۔" اور افروز بے تعلقی کے ساتھ نٹنگ میں مصروف ہو گئی ۔

"اتنی اونچی بننے کی کوشش کیوں کر رہی ہو ؟" رخشندہ نے چڑ کر پوچھا ۔

"کیا ہرج ہے ۔"

"کوئی ہرج ہی نہیں ؟ قسم خدا کی افروز اس اوینانش کے فلسفے نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے ۔"

"تو گویا تمہارے لئے زنجیر ہلائی جائے ۔"

"فوہ ۔ جیسے آپ یونہی نولفنٹ جاری رکھیں گی ۔"

"قطعی ـــــ ! زندگی تمہارے لئے ایک مسلسل جذباتی اضطراب ہے ۔ لیکن مجھے اصولوں میں رہنا زیادہ اچھا لگتا ہے ـــــ جانتی ہو ز

کے یہ ایرکنڈیشنڈ اصول بڑے کارآمد اور محفوظ ثابت ہوتے ہیں"

"ہنہہ ـــــ کیا بلند پروازی ہے ـ جی چاہتا ہے خوب پیٹو"

"میں ؟"

"تم اور وہ ـــــ خدا کی قسم ایسی بے پرواہی سے بیٹھا رہتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہیں ـ جی چاہتا ہے پکڑ کر کھا جاؤں اسے ـ جھکنا جانتا ہی نہیں جیسے"

"ارے چپ رہو بھائی"

"سچ مچ اس کی آنکھوں کی گہرائیاں اتنی خاموش، اس کا انداز اتنا پروقار، اتنا بے تعلق ہے کہ بعض مرتبہ جی میں آتا ہے کہ بس خودکشی کرلو. یعنی ذرا سوچو تو تم جانتی ہو کہ تمہارے کشن کے نیچے یا مسہری کے سرہانے میز پر بہترین قسم کی کیڈبری چاکلیٹ کا بڑا سا خوبصورت سنہرا پیکٹ رکھا ہوا ہے ـ لیکن تم اسے کھا نہیں سکتیں ـــــ الو!"

"کون بھئی ـــــ؟" پرکاش نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا ـ

"کوئی نہیں ـــــ ہے ـــــ ایک ـــــ ایک ـــــ" رفعت نے اپنے غصے کی مطابقت میں کوئی موزوں نام سوچنا چاہا ـ

"ـــــ بلّا ـــــ" افروز نے اطمینان سے کہا ـ

"بلّا!" پرکاش کافی پریشان ہوگئی ـ

"ہاں بھئی ـــــ ایک بلّا ہے بہت ہی Typical قسم کا ـ

ایرانی بلّا" افروز بولی۔

"تو کیا ہوا اس کا؟" پرکاش نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ہوتا کیا؟ سب ٹھیک ہے بالکل۔ بس ذرا اسے اپنی آنکھوں پر بہت ناز ہے۔ پچکارنے کی فکر کی جائے تو خرخر کرنے کے بجائے کاٹ کھانے والا انداز بناتا ہے"

"چچ چچ چچ۔ اور ان مسعود اصغر صاحب کا کیا ہوگا؟ جو مسوری سے مارخط پہ خط نہایت اسٹائیلش انگریزی میں تمھارے ٹینس کی تعریف میں بھیجا کرتے ہیں"

"ان کو تار دے دیا جائے گا۔ "Nose upturned

—— Nose upturned – Riffat."

"ہاں۔ یعنی لفٹ نہیں دیتے۔ جس کی ناک ذرا اوپر کو اٹھی ہوتی ہے وہ آدمی ہمیشہ بجد مغرور اور خود پسند طبیعت کا مالک ہوتا ہی"

"تو تمھاری ناک اتنی اٹھی ہوئی کہاں ہے"

"قطعی اٹھی ہوئی ہے۔ بہترین پروفائل آتا ہے"

"واقعی ہم لوگ بھی کیا کیا باتیں کرتے ہیں"

"جناب، بجد مفید اور عقل مندی کی باتیں ہیں"

"اور صلاح الدین بچارہ!"

"وہ تو پیدا ہی نہیں ہوا اب تک" رفعت نے بڑے رنجیدہ انداز سے کہا

کیونکہ یہ ان کا تخیلی کردار تھا۔ اور خیالستان کے کردار چاند کی وادی میں سے کبھی نہیں نکلتے۔ جب کبھی وہ سب کسی پارٹی میں ملیں تو سب سے پہلے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ ایک دوسرے سے اس فرضی ہستی کی خیریت پوچھی جاتی۔ اس کے متعلق اوٹ پٹانگ باتیں کی جاتیں۔ اور اکثر انھیں محسوس ہوتا جیسے انھیں یقین سا ہو گیا ہے کہ ان کا خیالی کردار اگلے لمحے ان کی دُنیا اور ان کی زندگی میں داخل ہو جائے گا۔

اور فرصت اور بےفکری کی ایک خوشگوار شام انھوں نے یوں ہی باتیں کرتے کرتے صلاح الدین کی اس خیالی تصویر کو مکمل کیا تھا۔۔۔ وہ سب شاپنگ سے واپس آکر منظر احمد پر زور شور سے تبصرہ کر رہی تھیں۔ جو ان سے دیر تک آرٹس اینڈ کریفٹس امپوریم کے ایک کاؤنٹر پر باتیں کرتا رہا تھا۔ اور پرکاش نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ بے حد بنتا ہے۔ اور افروز بےحد پریشان تھی۔ کہ کس طرح اس کا یہ مغالطہ دور کرے کہ وہ اسے پسند کرتی ہے۔

"لیکن اسے لفٹ دینے کی کوئی معقول وجہ پیش کرو۔"

"کیونکہ بھئی ہمارا معیار اس قدر بلند ہے کہ کوئی مارک تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔"

"لہٰذا اب کی بار اس کو بتا دیا جائے گا کہ بھئی افروز کی تو منگنی ہونے والی ہے۔"

"لیکن کس سے؟"

"یہی تو طے کرنا باقی ہے۔ مثلاً — مثلاً — ایک آدمی سے۔ کوئی نام بتاؤ۔"

"پرویز۔"

"بڑا عام افسانوی سا نام ہے۔ کچھ اور سوچو!"

"سلامت اللہ!"

"ہش۔ بھئی واہ کیا شان دار نام دماغ میں آیا ہے — صلاح الدین!"

"یہ ٹھیک ہے۔ اچھا اور بھائی صلاح الدین کا تعارف کس طرح کرایا جائے؟"

"بھئی صلاح الدین صاحب جو تھے وہ ایک روز پرستان کے راستے پر شفق کے گلرنگ سائے تلے مل گئے —"

"پرستان کے راستے پر؟"

"چپکی سنتی جاؤ۔ جانتی ہو میں اس قدر بہترین افسانے لکھتی ہوں۔ جن میں سب پرستان کی باتیں ہوتی ہیں — بس پھر یہ ہوا کہ ——"

"جناب ہم تو اس دنیا کے باسی ہیں۔ پرستان اور کہانیوں کی پگڈنڈیوں پر تو صرف اوبیناش ہی بھٹکتا اچھا لگتا ہے۔ اور ایک آئی ہیں بڑی افسانہ نگار کی دُم۔"

"چچ۔ چچ ۔ بچارہ ادیناش ۔۔ گڈو"

"بھئی ذکر تو صلاح الدین کا تھا"

"خیر تو جناب صلاح الدین صاحب پرستان کے راستے پر ہرگز نہیں ملے۔ وہ بھی ہماری دنیا کے باسی ہیں۔ اور ان کا دماغ قطعی خراب نہیں ہوا ہے ـــــ چنانچہ سب ہی میٹر آف فیکٹ طریقے سے ـــــ"

"یہ ہوا کہ افروز دلکشا جا رہی تھی تو ریلوے کراسنگ کے پاس بیحد رومینٹک انداز سے اس کی کار خراب ہو گئی"

"نہیں بھئی واقعہ یہ تھا کہ افروز آفیسرز شاپ جو گئی ایک روز تو پتہ چلا کہ وہ غلط تاریخ پر پہونچ گئی ہے۔ اور وہ اپنا کارڈ بھی گھر بھول گئی تھی ۔ بس بھائی صلاح الدین جو تھے انھوں نے جب دیکھا کہ ایک خوبصورت لڑکی برگنڈی رنگ کا کیوٹکس نہ ملنے کے غم میں رو پڑنے والی ہے تو انھوں نے بیحد gallantly آگے بڑھ کر کہا کہ خاتون میرا آج کی تاریخ کا کارڈ بیکار جا رہا ہے۔ اگر آپ چاہیں ـــــ"

"بہت ٹھیک ـــــ آگے چلو ـــــ پھر کیا ہونا چاہیئے"

"بس وہ پیش ہو گئے"

"نہ پیش نہ زیر نہ زبر ـــــ" افروز نے فوراً نولفٹ کر دیا۔ اور وہ بچارے دل شکستہ ہو گئے"

"اچھا ان کا کیریکٹر ــــــ"

"بہت ہی ہیش فل"

"ہرگز نہیں ۔ کافی تیز ــــــ لیکن بھئی ڈینڈی قطعی نہیں رداشت کئے جائیں گے"

"قطعی نہیں صاحب ــــــ اور اگر فلرٹ ہوں تھوڑے سے ــــــ"

"تو کوئی مضائقہ نہیں ــــــ اچھا وہ کرتے کیا ہیں ؟"

"بھئی ظاہر ہے کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی کرتے ہوں گے !"

"آرمی میں رکھ لو ــــــ"

"اووق ــــــ حد ہوگئی تمھارے اسٹنٹ کی ۔ کچھ سول سروس وغیرہ لاؤ"

"سب بور ہوتے ہیں"

"ارے ہم بتائیں کچھ کرتے کراتے نہیں ۔ منظر احمد کی طرح تعلقہ دار ہیں ۔ پچیس گاؤں اور ایک یہی رومینٹک سی جھیل جہاں پر وہ کرسمس کے زمانہ میں اپنے دوستوں کو مدعو کیا کرتے ہیں ۔ ہاں اور ایک شاندار سی اسپورٹس کار ــــ"

"لیکن بھئی اس کے باوجود بے انتہا قومی خدمت کرتا ہے ۔ کمیونسٹ قسم کی کوئی مخلوق ۔"

"کمیونسٹ ہے تو اسے اپنے پچیسوں گاؤں علیحدہ کر دینے

چاہئیں۔ کیونکہ پرائیویٹ پراپرٹی ——"

"واہ اپنے بھائی بھی تو اتنے بڑے کمیونسٹ ہیں۔ انھوں نے کہاں اپنا تعلقہ چھوڑا ہے"

"آپ تو چغد ہیں نشاط زریں —— اچھے بھیا تو سچ مچ کے آدمی ہیں۔ ہیرو کو بےحد آئیڈیل قسم کا ہونا چاہیے۔ یعنی غور کرو کہ صلاح الدین محمود کس قدر بلند پایہ انسان ہے۔ کہ جنتا کی خاطر ——"

"افوہ —— کیا بوریت ہے بھئی۔ تم سب مل کر ابھی یہی طے نہیں کر پائیں کہ وہ کرتا کیا ہے"

"کیا بات ہوئی ہے واللہ!"

"جلدی بتاؤ"

"اصفہانی چلے ہیں ——"

اور سب پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا۔

"کیوں جناب اصفہان میں تو بڑے بڑے اسمارٹ لوگ دیکھنے میں آتے ہیں"

"اچھا بھئی قصہ مختصر یہ کہ پڑھتا ہے۔ فزکس میں ریسرچ کر رہا ہے گویا"

"پڑھتا ہے تو آفیسرز شاپ میں کہاں سے پہنچ گیا!"

"بھئی ہم نے فیصلہ کر دیا ہے آخر۔ ہوائی جہاز میں سول ایوی ایشن آفیسر ہے"

"یہ آئیڈیا کچھ ــــــ"

"تمھیں کوئی آئیڈیا ہی پسند نہیں آتا ۔ اب تمھارے لئے کوئی آسمان سے تو خاص طور پر بن کے آئیگا نہیں آدمی"

"اچھا تو پھر یہی مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور جو غرور کے مارے اب تک ڈیڈی پر کال کرنے نہیں آئے"

ــــــ اس طرح انھوں نے ایک تخیلی کردار کی تخلیق کی تھی سب ہی اپنے دلوں میں چپکے چپکے ایسے کرداروں کی تخلیق کر لیتے ہیں جو ان کی دُنیا میں آکر ملتے اور بگڑتے رہتے ہیں ــــــ یہ بیچارے بیوقوف لوگ !!

لیکن پرکاش کا خیال تھا کہ ان کی Mad - hatter's پارٹی میں سب کے سب حد سے زیادہ عقلمند ہیں ۔ مغرور اور خود پسند۔ نشاط زریں جو ایسے Fantastic افسانے لکھتی ہے جن کا سر پیر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ۔ لیکن جن کی تعریف ایٹی کیٹ کے اصولوں کے مطابق سب کر دیتے ہیں ۔ جو اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھ کر بچوں کی طرح رو پڑتی ہے یا خوش ہو جاتی ہے اور پھر اپنے آپ کو سُپر انٹلکچوئل سمجھتی ہے۔ رفعت، جس کے لئے زندگی ہمیشہ ہنستی اور ناچتی رہتی ہے ۔ اور افروز جو نہایت سنجیدگی سے نولفٹ کے فلسفے پر تھیس لکھنے والی ہے ۔ کیونکہ ان کی پارٹی کے دس احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انسان کو خود پسند، خود غرض اور مغرور ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ خود پسندی دماغی صحت مندی کی

سب سے پہلی علامت ہے۔

ایک سہ پہر وہ سب اپنے امریکن کالج کے طویل دریچوں والے فرانسیسی وضع کے میوزک روم میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ پیانو کے گرد جمع ہو کر سالانہ کونسرٹ کے اوپیرا کے لئے ریہرسل کر رہی تھیں۔ موسیقی کی ایک کتاب کے ورق الٹتے ہوئے کسی جرمن نغمہ نواز کی تصویر دیکھ کر پرکاش نے بیحد ہمدردی سے کہا "ہمارے اویناش بھائی بھی تو اسکارف، لمبے لمبے بالوں، خوابناک آنکھوں اور پائپ کے دھوئیں سے ایسا بوہیمین انداز بناتے ہیں کہ سب ان کو خواہ مخواہ جینئس سمجھنے پر مجبور ہو جائیں"۔ "آدمی کبھی جینیس ہو ہی نہیں سکتا" نشاط اپنے فیصلہ کن انداز میں بولی "اب تک جتنے جینس پیدا ہوئے ہیں سارے کے سارے بالکل girlish تھے۔ اور ان میں عورت کا عنصر قطعی طور پر زیادہ موجود تھا۔ بائرن، شیلے، کیٹس، شوپاں ___ خود آپکا نپولین اعظم لڑکیوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا تھا" رفعت آئرس دریچے کے قریب زور زور سے "میں نے خواب میں دیکھا کہ مرمریں ایوانوں میں رہتی ہوں" گانے کی مشق کر رہی تھیں۔ باہر برآمدے کے یونانی ستونوں اور باغ پر دھوپ ڈھلنا شروع ہوگئی "سپرب میری بچیو ___ ہماری ریہرسلیں بہت اچھی طرح پروگرس کر رہی ہیں" اور موسیقی کی فرانسیسی پروفیسر اپنی مطمئن اور شیریں مسکراہٹ کے ساتھ میوزک روم سے باہر جا کر برآمدے کے ستونوں کے طویل

سایوں میں کھو گئیں — نشاط نے اسی سکون اور اطمینان کے ساتھ
پیانو بند کر دیا — زندگی کتنی دلچسپ ہے — کتنی شیریں۔
دریچے کے باہر سائے بڑھ رہے تھے۔ فضا میں "لابوہیم" کے نغموں
کی گونج اب تک رقصاں تھی۔ چاروں طرف کالج کی شاندار اور وسیع
عمارتوں کی قطاریں شام کے دھندلکے میں چھپتی جا رہی تھیں — میرا
پیارا کالج — ایشیا کا بہترین کالج — ایشیا میں امریکہ۔
لیکن اس کا اسے اس وقت خیال نہیں آیا۔ اس وقت اسے ہر بات
عجیب معلوم نہیں ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ہم کتنے اچھے ہیں۔ ہماری
دُنیا کس قدر مکمل اور خوش گوار ہے۔ اپنی معصوم مسرّتیں اور تفریحیں
اپنے رفیق اور ساتھی — اپنے آئیڈیل اور نظریئے — اور
اسی خوبصورت دُنیا کا عکس وہ اپنے افسانوں میں دکھانا چاہتی ہے۔
تو اس کی تحریروں کو fantastic اور مصنوعی کہا جاتا ہے —
بچاری میں !! موسیقی کے اوراق سمیٹتے ہوئے اسے اپنے آپ سے
ہمدردی کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس نے ایک بار اوینا ش
کو سمجھایا تھا کہ ہماری شریعت کے دس احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ
ہمیشہ اپنی تعریف آپ کرو۔ تعریف کے معاملہ میں کبھی دوسروں پر
بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ محفوظ ترین بات یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً خود کو یاد
دلاتے رہا جائے۔ کہ ہم کس قدر بہتر بن ہیں۔ ہم کو اپنے علاوہ دُنیا
کی اور کوئی چیز بھی پسند نہیں آسکی۔ کیونکہ خود بادلوں کے محلوں میں

محفوظ ہو کر دوسروں پر ہنستے رہنا بیحد دلچسپ مشغلہ ہے۔ زندگی ہم پر ہنستی ہے۔ ہم زندگی پر ہنستے ہیں۔" اور پھر زندگی اپنے آپ پر ہنستی ہے۔" بچارے اویناش نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تھا۔ اور اگر افروز کا خیال تھا کہ وہ اس دنیا سے بالکل مطمئن نہیں تو پر کاش اور نشاط زریں کو جو دونوں بے حد عقلمند تھیں قطعی طور پر یقین تھا کہ یہ بھی ان کی Mad-hatters پارٹی کی Cynisim کا ایک خوبصورت اور فائدہ مند پوز ہے۔

——— اور سچ مچ افروز کو اس صبح محسوس ہوا کہ وہ بھی اپنی اس دنیا، اپنی اس زندگی سے انتہائی مطمئن اور خوش ہے۔ اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے کمرے کے مشرقی دریچے میں سے صبح کے روشن اور جھلملاتے ہوئے آفتاب کی کرنیں چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں۔ اور کمرے کی ہلکی گلابی دیواریں اس نارنجی روشنی میں جگمگا اٹھی تھیں۔ باہر دریچے پر چھائی ہوئی بیل کی سُرخ پھولوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی لمبی لمبی ڈالیاں ہوا کے جھونکوں سے ہل ہل کر دریچے کے شیشوں پر اپنے سائے کی آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھیں۔ اس نے کتاب بند کر کے قریب کے صوفے پر پھینک دی۔ اور ایک طویل انگڑائی لے کر مسہری سے کود کے نیچے اتر آئی۔ اس نے وقت دیکھا۔ صبح جاگنے کے بعد وہ بہت دیر تک پڑھتی رہی تھی۔ اس نے غسل خانہ میں گھس کر کالج میں اسٹیج ہونے والے اوپیرا کا ایک گیت گاتے ہوئے مُنہ دھویا۔ اور تیار

ہو کر میز پر سے کتابیں اٹھاتی ہوئی باہر نکل آئی ۔ کلاس کا وقت بہت قریب
تھا۔ اس نے برساتی سے نکل کر ذرا تیزی سے لائن کو پار کیا اور پھاٹک کی
طرف بڑھتے ہوئے اس نے دیکھا کہ باغ کے راستے پر سبزے کے کنارے
اس کا مینڈ وروز کی طرح دُنیا جہان سے قطعی بے نیاز اور صلح کُل انداز میں
آنکھیں نیم وا کئے دھوپ سینک رہا تھا ۔ اس نے جھک کر اُسے اٹھا لیا۔
اس کے لمبے لمبے سفید ریشمیں بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے محسوس
کیا ۔۔۔ اس نے دیکھا کہ دنیا کتنی روشن، کتنی خوبصورت ہے۔ باغ کے
پھول، درخت، پتیاں، شاخیں اسی سنہری دھوپ میں نہا رہی تھیں.
ہر چیز تازہ دم اور بشاش تھی ۔ کھلی نیلگوں فضاؤں میں سکون اور مسرت
خاموش راگ چھیڑے ہوئے تھے ۔ کائنات کس قدر پُرسکون اور اپنے
وجود سے کتنی مطمئن تھی ۔ دور کوٹھی کے احاطے کے پچھلے حصّے میں دھوبی نے
باغ کے حوض پر کپڑے پٹخنے شروع کر دیئے تھے ۔ اور نوکروں کے بچّے اور
بیویاں اپنے کوارٹروں کے سامنے گھاس پر دھوپ میں، اپنے کاموں میں
مصروف ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے شور مچا رہی تھیں ۔۔۔ روزمرہ
کی یہ مانوس آوازیں، یہ محبوب اور عزیز فضائیں ۔۔۔ یہ اس کی دُنیا تھی
اس کی خوبصورت اور مختصر سی دُنیا ۔۔۔ اور اس نے سوچا کہ واقعی یہ اسکی
حماقت ہے اگر وہ اپنی اس آرام دہ اور پُرسکون کائنات سے آگے نکلنا اور
سایوں کی اندھیری وادی میں جھانکنا چاہتی ہے ۔ ایسے adventure
ہمیشہ بیکار ثابت ہوتے ہیں ۔ اس نے مینڈ و کو پیار کر کے اس کی جگہ پر

بٹھا دیا اور آگے بڑھ گئی۔ باغ کے احاطے کے دوسری طرف انگریز ہمسایہ کا بچہ گل داؤدی کی کیاریوں کے کنارے کنارے اپنے لکڑی کے گھوڑے پر سوار دھوپ میں جھلملاتے پروں والی تیتریوں کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے خوب زور زور سے گا رہا تھا — "Ah! this booti-ful, bootiful world!" اس نے سوچا لٹل سٹر بوائے، نیکسٹ ڈور خوب گاؤ! اور اپنے لکڑی کے گھوڑے پر خیالی مہمیں سر کرتے رہو۔ ایک وقت آئے گا جب تمہیں پتہ چلے گا کہ دنیا کتنی بوٹی فل ہے
اور امرودوں کے جھنڈ کے اس پار کالج کے میوزک روم میں تیزی سے ریکارڈ بجنے شروع ہو گئے۔ اور اسے یاد آگیا کہ کالج سے واپسی پر اسے اوپیرا کے علاوہ بنگال ریلیف کے ورائٹی شو کی ریہرسل کے لئے بھی جانا ہے۔ اور وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ شام کو پروگرام تھا اور چاروں طرف زور شور سے اس کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ بنگال کا قحط ان دنوں اپنی انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ اور ہر لڑکی اور لڑکے کے دل میں کچھ نہ کچھ کرنے کا سچا جوش موجزن تھا۔

ٹکٹ فروخت کرنے کے لئے سائیکلوں پر سول لائنز کی کوٹھیوں کے چکر لگائے جا رہے تھے۔ مشاعرے کے انتظام کے سلسلے میں بار بار ریڈیو اسٹیشن پر فون کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ اسی ہفتے ریڈیو پر مشاعرہ ہوا تھا جس کی شرکت کے لئے بہت سے مشہور مشہور ترنم سے پڑھنے والے شعراء کرام تشریف لے آئے تھے۔ میوزک روم کے پیچھے کے اور حیسرڈ میں

بہت سی لڑکیاں ایک درخت کے نیچے انتہائی انہماک سے مختلف کاموں میں مصروف تھیں۔ کچھ پروگرام کے خوبصورت کاغذوں پر پینٹنگ کر رہی تھیں کچھ قہقہے لگا لگا کر اس افتتاحیہ نظم کی تُک بندی کر رہی تھیں جو پروگرام شروع ہونے پر قوالوں کے انداز اور انہی کے بھیس میں گائی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی ان میں شامل ہو گئی "اور ہمارے سُپر جینیس گروپ کے باقی افراد کہاں رہ گئے؟" سعیدہ نے پوچھا۔

"پرکاش تو آجکل جہرہ اور اوینا ش کے ساتھ ہندوستان آزاد کرانے میں سخت مصروف ہے۔ اور رفعت دنیا کی بے ثباتی پر غور کرنے کے بعد محبّت میں مبتلا ہو گئی ہے"

"ہا یچاری ـــــ اور ہمارا زبردست ادیب، مصوّر اور افسانہ نگار ابھی تک نہیں پہونچا"

"آ گئے ہم ـــــ" نشاط نے درخت کے نیچے پہونچ کر اپنی جاپانی چھتری بند کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ادا کر بھائی جس نے ایسا ادیب بنائی" جلیس ایک قلابازی کھا کر بولی "چلو اب قوّالی مکمل کریں" اور ہنس ہنس کر لوٹتے ہوئے قوالی تیار کی جانے لگی ـــ کیسے بے تکے اور دلچسپ شعر تھے "وہ خود ہی نشانہ بنتے ہیں۔ ہم تیر چلانا کیا جانیں ـــــ وہ بنے بنائے پاگل ہیں ہم پاگل بنانا کیا جانیں ـــــ انورسٹی کے پڑھنے والے ہم گانا بجانا کیا جانیں" اور جانے کیا کیا۔

کتنی خوش تھیں وہ سب ۔۔ زندگی کی یہ معصوم، شریر، چھوٹی چھوٹی مسرتیں !!

اور اس وقت بھی دنیا اتنی ہی خوبصورت اور روشن تھی جب کہ غروب ہوتے ہوئے سورج کی ترچھی ترچھی نارنجی کرنیں اس کے دریچے میں سے گذرتی ہوئی گلابی دیواروں پر ناچ رہی تھیں ۔ اور وہ کتابوں کی الماریوں اور سنگھار میز کی صفائی کرنے کے بعد صوفے کو دریچے کے قریب کھینچ کر شال میں لپٹی ہوئی کلاس کے نوٹس پڑھنے میں مصروف تھی ۔ باہر فضا پر ایک آرام دہ، لطیف اور پُرسکون خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دور مال پر سے گذرتی ہوئی کاروں کے طویل ہارن سنائی دے جاتے تھے ۔ دوسرے کمرے میں رفعت آہستہ آہستہ کچھ گا رہی تھی ۔ اور مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور کے برامدے میں مدھم سروں میں گٹار بج رہا تھا ۔

اس نے کُشن پہ سر رکھ دیا ۔۔ اور آنکھیں بند کر لیں ۔ فرصت ۔ اطمینان اور سکون کے یہ لمحات ۔ کیا آپ کو ان لمحوں کی قدر نہیں جو ایک دفعہ افق کی پہاڑیوں کے اس پار اڑ کر چلے جائیں تو پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتے ۔ دہ لمحے جب جاڑوں کی راتوں میں ڈرائنگ روم کے آتشدان کے سامنے بیٹھ کر کشمش اور چلغوزے کھاتے ہوئے گپ شپ اور Scandal monger-ing کی جاتی ہے ۔ وہ لمحے جب دھوپ میں ایک لذیذ کاہلی کے احساس کے ساتھ سبزے پر بلیوں کی طرح لوٹ لگا کر ریکارڈ بجائے جاتے ہیں ۔۔

اور لوٹ آتا ہے ــــــ اور پھر ایسے میں اسی طرح کے بیتے ہوئے وقتوں کی یاد ــ اور یہ احساس کہ اپنی حماقت کی وجہ سے وہ وقت اب واپس نہیں آسکتا کس قدر تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔

دریچے کے نیچے روش پر موٹر بائیک رُکنے کی آواز آئی ــ اس نے کُشن پر سے سر اٹھا کر دیکھا ــــــ شاید مہرہ آیا تھا ۔ رفعت دوڑتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں پر سے اتر کے باغ میں چلی گئی ۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں ۔ اور اس کے دریچے کے سامنے روش پر سے وہ سب گزرنے لگے ۔ وہ بچارے فریب خوردہ انسان جنھیں زندگی نے رنجیدہ کیا ، زندگی جن کی وجہ سے غمگین ہوئی ــــــ لیکن پھر بھی وہ سب وہاں موجود تھے ــــــ اس کے خیالوں میں آنے پر مصر تھے ــــــ اسے شاہد یاد آیا ــــــ اور اس کے سارے بھائی ــــــ دور دراز کی یونیورسٹیوں اور میڈیکل کالجوں میں پڑھنے والے بے شریر ، خوبصورت اور ضدّی افسانوی سے رشتے کے بھائی جو چھٹیوں میں گھر آتے ہیں ۔ اور ان کی رشتے کی بہن یا ان کی بہنوں کی سہیلیاں ان کی محبّت میں مبتلا ہو جاتی ہیں ۔ وہ ان سے لڑتے ہیں ، راتوں کو باغ میں چاند کو دیکھا جاتا ہے ۔ پھر وہ ان سب کو دل شکستہ چھوڑ کر یا جنگ پر چلے جاتے ہیں ۔ یا ان میں سے کسی ایک سے شادی ہو جاتی ہے ــــــ اُف یہ حماقتیں ــــــ !!

اور اسے وہ باتیں یاد کر کے ان سب پر بے اختیار ترس سا آ گیا ۔

یہ فریب کاریاں ، یہ بیوقوفیاں !!

اور اُسے یاد آیا ـــــ فرصت اور بیفکری کے ایسے ہی لمحوں میں ایک مرتبہ اپنے اپنے مستقبل کی تصویریں کھینچی گئی تھیں ـــــ گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ سارے بہن بھائی ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ دن بھر تصویریں اتاری جاتی تھیں۔ بزرگوں سے نظر بچا کر پینٹری میں سے حلوہ اور آئس کریم اُڑائی جاتی تھی۔ بے تکی شاعری ہوتی تھی۔ اس نے کہا تھا ـــــ اب بھئی اسلم کا حشر سنئے ـــــ جب آپ پاس کر کے نکلیں گے تو ہو جائیں گے ایک دم سے لفٹننٹ پھر کیپٹن پھر میجر ـــــ ڈاکٹروں کو بڑی جلدی جلدی ترقی دی جاتی ہے ـــــ بس ـــــ اور جناب اس قدر خوش کہ دُنیا کی ساری لڑکیاں آپ پر پیش ہیں۔ بال میں جا رہے ہیں۔ پکچرز میں لڑکیاں اچک اچک کر آپ کی زیارت کر رہی ہیں۔ چاروں طرف برف کی سفید سفید گڑیاں جیسی انگارہ سے سُرخ ہونٹوں والی نرسیں بھاگی پھر رہی ہیں ـــــ چھٹی پر گھر آتے ہیں تو سب کا انتقال ہوا جا رہا ہے۔ اور آپ مارے شان کے کسی کو لفٹ ہی نہیں دیتے یسٹیس یا مل کے ہاں بہترین پوز کی بہت سی تصویریں کھچوا لی ہیں۔ اور وہ اپنی ایڈمائررز کو عنایت کی جا رہی ہیں ـــــ پھر بھائی لڑائی کے بعد جو آپ کو کان پکڑ کر نکال کے باہر کھڑا کر دیا جائیگا کہ بھیا گھر کا راستہ لو تو جناب آپ امین آباد کے پیچھے ایک بھیٹیچر سا میڈیکل ہال کھول کر بیٹھیں گے۔ اب بھائی اسلم بھائی ہیں کہ ایک بدرنگ سی کرسی پر بیٹھے مکھیاں مار رہے ہیں۔ کوئی مریض آ کے ہی نہیں دیتا۔ پھر بھئی ایک روز کرنا خدا کا کیا ہو گا کہ ایک شاندار

بیوک رُکے گی آپ کی دکان کے آگے ۔ اور اس میں سے ایک بیحد عظیم الشان خاتون ناک پر رومال رکھے اتر کر پوچھیں گی کہ بھئی ہمارے ہینڈ دکو زکام ہو گیا ہے۔ یہاں کوئی گھوڑا ہسپتال کا ڈاکٹر۔

اور اسلم نے کہا تھا "ہش چُپ رہو جی ـــــ بیگم صاحبہ ہو کس خیال میں ۔ بندہ تو ہو جائے گا لفٹننٹ کرنل تین سال بعد ۔ اور لڑائی کے بعد ہوتا ہے سول سرجن ۔ اور بھئی کیا ہوگا کہ ایک روز بی افروز اپنے پندرہ بچوں کی پلٹن لئے بیل گاڑی میں چلی آرہی ہیں ۔ اور سامنے گاڑی بان کے پاس یہ بڑا سا زرد پگڑ باندھے اور ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈ لئے بی افروز کے راجہ بہادر بیٹھے ہیں ـــــ اور بھئی ہم چپراسی سے کہلوا دیں گے کہ سول سرجن صاحب معائنہ کرنے تشریف لے گئے ہیں شام کو آئیے گا ۔ اب جناب افروز بیگم برامدے میں بنچ پر بیٹھی ہیں برقعہ پہنے ـــــ"

ہائے چُپ رہو بھئی ـــــ خدا نہ کرے جو زرد پگڑ اور بیل گاڑی ـــــ !!

اور کیا منظر احمد سے جو تم شادی کر دگی تو کیا رولس رائس چلا کریگی تمھارے یہاں ـــــ بیل گاڑیوں پر ہی پڑی جایا کرنا اپنے گاؤں۔

بیل گاڑی پر جانا تم اور زرد پگڑ بھی خدا کرے تم ہی باندھو ـــــ آئے وہاں سے بڑے بچارے ـــــ

اور بھئی حضرت داغ کا یہ ہوگا ـــــ شاہد نے اپنے مخصوص انداز

سے کہنا شروع کیا تھا ——— کہ یہ خاکسار جب کئی سال تک ایم ایس سی میں لڑھک چکے گا تو وارٹیکنیشنز میں بھرتی ہو جائیگا۔ اور پھر بی رفعت کی کوٹھی پر پہنچے گا کہ بھئی بڑے دن کے سلام کے لئے آئے ہیں صاحب کہلوا دیں گے کہ پھر آنا۔ صاحب کلب گئے ہیں۔ بس بھئی ہم وہاں برساتی کی سیڑھیوں پر گملوں کی آڑ میں اس امید پر بیٹھ جائیں گے کہ شاید بی رفعت نکل آئیں اندر سے۔ لیکن جب چپراسی کی ڈانٹ پڑے گی تو چلے آئیں گے واپس۔ اور کوٹھی کے پھاٹک کے باہر پہنچ کر کان میں سے چونی نکال سگریٹ اور دو پیسوں والی سینما کی گانے کی کتاب خرید کے گاتے ہوئے گھر کا راستہ لیں گے ——— انکھیاں ملا کے ——— جیا برما کے چلے نہیں جانا۔

نہیں بھئی خدا نہ کرے ایسا کیوں ہو ——— تم تو پروگرام کے مطابق اعلیٰ درجے کے فلرٹ بنو گے ——— اور ریلوے کے اعلیٰ انجنیر۔ اپنے ٹھاٹ سے سیلون میں سیر کرتے پھرا کرو گے ——— رفعت نے کہا تھا ———

باغ میں سے رفعت کے مدھم قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جو کچھ انھوں نے مذاق مذاق میں سوچا تھا وہ نہیں ہوا ——— وہ کبھی بھی نہیں ہوتا ——— اور اسلم اور اس کی کھینچی ہوئی راجہ بہادر کی تصویر اسکی آنکھوں میں ناچنے لگی۔

اسلم جو میدانِ جنگ میں جا کر عرصہ ہوا لاپتہ ہو چکا تھا اور منظر احمد

جو اس شام آرٹس اینڈ کریفٹس ایمپوریم کے بڑے بڑے شیشوں والی جھلملاتی ہوئی گیلری میں سے نکل کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ لیکن جیسے اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ ہمیں اپنے خیالوں سے بھی یونہی نکال دو تو جانیں ـــــــ

اور باغ میں اندھیرا چھلنے لگا۔ گٹار بجتا رہا ـــــ اور افروز سوچتی رہی ـــــ زندگی کے یہ مذاق ـــــ اس روز "یوم ٹیگور" کے لئے ریڈیو اسٹیشن کے آرکیسٹرا کے ساتھ رقص کی ری ہرسل کرنے کے بعد وہ پرکاش اور اجلا کے ساتھ وہاں واپس آرہی تھی۔ اور لیلا رام کے سامنے سے وہ اپنی اسپورٹس کار پر آتا نظر آیا تھا۔ پرکاش کو دیکھ کر اس نے کار روک لی تھی "کہئے مس شبیر آپ کیا ہو رہا ہے ـــــ گھر جا رہی ہیں چلئے میں آپ کو پہنچا دوں ـــــ"

اور افروز نے کہنا چاہا تھا کہ ہماری کار آتی ہوگی آپ تکلیف نہ کیجئے لیکن پرکاش نے اپنی شالی خوش خلقی کی وجہ سے فوراً اس کی درخواست منظور کر لی تھی۔ اور پھر اس کے گھر تک وہ کار پندرہ میل کی رفتار سے اس قدر آہستہ ڈرائیو کر کے لایا تھا جیسے کسی بارات کے ساتھ جا رہا ہو۔ محض اس لئے کہ اسے افروز کو اپنی کار میں زیادہ سے زیادہ دیر تک بٹھانے اور اس سے باتیں کرنے کا موقع مل سکے۔ اور اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ اس منظر احمد کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتی تو بہرحال مائنڈ بھی نہیں کرے گی۔ حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ اعلیٰ قسم کا فلرٹ ہے

کبھی کبھی ڈرنک بھی کر لیتا ہے۔ اور نشاط نے تو یہ تک کہا تھا کہ اپنی ریاست میں اس کی کیپ بھی موجود ہے۔ لیکن بھئی کیا تعجب ہے۔ نشاط کہہ رہی تھی۔ سب ہی جانتے ہیں کہ یہ تعلقہ داروں کے لڑکے کیسے ہوتے ہیں۔

" اور پھر ایک روز وہ اور پرکاش خریداری کے بعد کافی ہاؤس چلی گئیں۔ دوپہر کا وقت تھا ـــــ برسات کی دوپہر ـــــ بارش ہو کر رکی تھی۔ فضا پر ایک لطیف سی خنکی چھائی ہوئی تھی۔ کافی ہاؤس میں بھی قریب قریب بالکل سناٹا تھا۔ وہ ایک ستون کی آڑ میں بیٹھ گئیں۔ اور سامنے کے مرمریں ستون پر لگے ہوئے بڑے آئینے میں افضل نے دیکھا کہ دوسری طرف منظر احمد بیٹھا ہے۔ خوب! یہ حضرت دوپہر کو بھی کافی ہاؤس کا پیچھا نہیں چھوڑتے ـــــ اس نے ذرا نفرت محسوس کرنے کی کوشش کی۔ اور پرکاش کو دیکھ کر وہ سگریٹ کی راکھ جھاڑتا ہوا ان کی میز پر آ بیٹھا۔ ہلو ـــ افروز سلطانہ ـــــ ہلو ـــــ اس نے اپنے لہجے میں بقدر ضرورت خنکی اور خشکی پیدا کرتے ہوئے مختصر سا جواب دیدیا۔ اور کافی بنانے میں مشغول ہو گئی۔ وہ اپنی تخیلی سی آنکھوں سے باہر کی طرف دیکھتا رہا۔ اس وقت وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ افوہ کتنا بنتا ہے ـــ یہ شخص بھی کبھی سنجیدہ ہو سکتا ہے، جس کی زندگی کا واحد مقصد کھیلنا اور صرف کھیلتے رہنا ہے۔

پرکاش خریداری کی فہرست بنانے میں منہمک تھی۔ پھر وہ یکلخت کہنے لگا: افروز سلطانہ! آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟ مجھے معلوم

ہوا ہے کہ آپ کے دل میں میری طرف سے بڑی خوفناک قسم کی بدگمانیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔"

"جی مجھے بدگمانی وغیرہ کی قطعی ضرورت نہیں۔ بدگمانیاں تو اسے ہو سکتی ہیں جسے پہلے سے آپ کی طرف سے حسنِ ظن ہو۔ یہاں آپ سے دلچسپی ہی کس کو ہے۔"

"ہنہ ——— ذرا بننا تو دیکھو ——— وہ کہتا رہا ——— میں نے سُنا ہے کہ آپ کو بتایا گیا ہے کہ میں ——— میں ڈرنک کرتا ہوں ——— اور ——— اور اسی قسم کی بہت سی حرکتیں ——— مختصر یہ کہ میں انتہائی بُرا آدمی ہوں ——— کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ باتیں صحیح ہو سکتی ہیں ——— کیا آپ مجھے واقعی ایسا ہی سمجھتی ہیں ——— ؟" اور اس نے آہستہ آہستہ بڑی رومینٹک نقرئی آواز میں بات ختم کر کے سگریٹ کی راکھ جھٹکی۔ اور پام کے پتّوں کے پرے دیکھنے لگا ——— اور وہ سچ مچ بہت پریشان ہو گئی کہ کیا کہے۔ کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ منظر احمد اس وقت بقول شخصے قطعی نوِن سیریس نہیں ہے۔ اور اس نے کہا۔ بھئی میں نے قطعی کوئی ضرورت نہیں سمجھی کہ آپ کے متعلق ——— اچھا، یہ بات ہے۔ اس نے بات ختم کرنے کا انتظار کئے بغیر اسی نقرئی آواز میں آہستہ سے کہا۔ اجازت دیجیے، خدا حافظ مس شیر آلے ——— اور وہ ایک دم سے اس کی میز پر سے اٹھ کر چلا گیا۔ اور کرلی لوکس کشنوں کے انبار پر سے گر پڑی۔ جناب تشریف لے گئے۔ پرکاش نے فہرست کے کاغذ پر سے سر اٹھا کر پوچھا۔ باہر اگست کی

ہوائیں ہال کے بڑے بڑے دریچوں کے شیشوں سے ٹکراتی رہیں۔

رات کی تاریکی باغ پر پھیل گئی۔ مہرہ کی گڑگڑاتی ہوئی موٹر بائیک روش پر سے گذر کر باہر مال کے طویل اندھیرے میں کھو چکی تھی۔ نشاط اور رفعت باتیں کرتی اور گنگناتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔

"جناب! بہترین اوپیرا رہے گا" رفعت کہہ رہی تھی۔

"اور ہمارا تازہ افسانہ جو اس قدر سپرب تھا۔ اب ہماری کتاب کا ریڈیو پر بقول شخصے بڑا شاندار ریویو کیا جائیگا ——" نشاط صوفے پر کودتے ہوئے بولی۔

"من ترا سپر جنٹس انجوئیم —— تم مہرہ کے انگریزی رسالے میں اپنے اوپیرا کی بہت سی تعریف کر دینا" رفعت نے کہا۔

"ہاں یہ تو کرینگے ہی" نشاط جیسے یہ پہلے طے کر چکی تھی۔

"بھئی ریڈیو اسٹیشن پر آجکل سب ایک سے ایک واش آؤٹ نظر آتے ہیں۔ کیا کیا جائے" رفعت اکتا کر بولی۔

"اور شاہد بیچارہ زخمی ہو گیا" نشاط نے اور بھی زیادہ اکتا کر کہا۔

"ممی کہہ رہی تھیں کہ محاذ پر گیس سے اس کی آنکھیں خراب ہو گئیں"

"ہاں —— تچ تچ —— کافی خوبصورت آنکھیں تھیں اس بیچارے کی ——"

اور تھوڑی دیر بعد اوپیرا کے اطالوی رقص کی مشق کے لئے پرکاش اور اس کے ساتھ بہت سی لڑکیاں آ گئیں اور وہ سب ڈرائنگ روم

میں چلی گئیں۔

افروز کے کمرے میں اندھیرا ہوگیا۔ دور زندگی کی fantasy پر دھندلی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔

پھر شوپاں کی موسیقی فضا میں لہرا اٹھی۔ اس رات اوپیرا شروع ہوچکا تھا۔ اور تاریکی کے پروں پر تیزی سے اڑتی ہوئی ساعتوں کے ساتھ ساتھ ختم ہو رہا تھا۔ رقص گاہ کے جگمگاتے دریچوں پر پردے گرائے جا رہے تھے۔ یوکلپٹس کی اونچی اونچی شاخوں سے بھیگتی رات کا تنہا اور خنک چاند ہال کے پچھلے دریچے میں سے اندر جھانک کر اوپیرا کا آخری نغمہ سننے کی کوشش کر رہا تھا ـــــ پیانو کے گہرے بھاری سروں کا نغمہ جس کی لہریں جھلملاتے ہوئے عنابی مخملیں پردوں کے پیچھے ڈوبتی جا رہی تھیں۔

اور فٹ لائٹ کی تیز سفید کرنوں سے جگمگاتی اسٹیج پر نقرئی شیفون میں ملبوس سیاہ آنکھوں والی لڑکیوں کی ایک قطار ہاتھوں میں سنہری اور سیاہ پنکھیاں لئے ہوئے آئی۔ اور دوسری طرف سے اطالوی Gallants کا ایک پرا داخل ہوا جن کی ٹوپیوں میں لمبے لمبے خوبصورت پر شاہانہ انداز سے سجے ہوئے تھے۔ اور جن کی روپہلی تلواریں اسٹیج کی روشنی میں جھلملا رہی تھیں۔ انھوں نے دوزانو جھک کر سینوریتاؤں سے رقص کی درخواست کی۔ سرخ گلابوں کے گچھے پھینکے گئے۔ اور آرکیسٹرا کی ایک گونج دار دھمک کے ساتھ آخری رقص شروع ہوگیا

پھر تیزی سے گھومتے ہوئے رنگین سایوں، چکر کاٹتے ہوئے پردوں
اور تیز گرم موسیقی کے اس پُرشور بھنور کی لہریں آہستہ آہستہ پھیلتی گئیں۔
اور رقص کی رفتار دھیمی ہو کر پردے کے پیچھے سے بلند ہونے والی آخری
سُروں کی گونج میں ڈوب گئی۔

ہال روشنیوں سے جاگ اٹھا۔ اور سُرخ کشنوں پر بیٹھے دبی
دبی جمائیاں لیتے ہوئے تماشائی جیسے ایک طویل خواب سے چونک
کر ایک بار پھر اپنی دُنیا میں واپس آ گئے۔ اور بھاری بھاری قدموں
خمار آلود آنکھوں کے ساتھ ہال سے نکل کر کلوک روم، گیلریوں اور
پورچ کی سیڑھیوں پر اپنے اپنے دوستوں کے گروہوں میں شامل ہو کر
موسیقی کی تنقید اور ادھر اُدھر کی بے معنی، بیکار باتوں میں مصروف
ہو گئے۔ "سیزن کا بہترین ایمیچور پرفورمینس ہا"

"جینٹ سسٹرز بالکل فلاپ ہو گئیں اس مرتبہ" "آج پتہ
چلا کہ نشاط اور رفعت کتنی talented لڑکیاں ہیں"

"مسوری میں پچھلے سال میں نے مارگیریٹ جورڈن کو یہی پارٹ
کرتے دیکھا۔ کیا سُپرب چیز تھی ـــــــ" پھر دوستوں کے گروپ منتشر
ہونے شروع ہوئے۔ خواتین کلوک روم سے اوورکوٹ لئے
میک اپ ٹھیک کرتی ہوئی نکلیں۔ اور شب بخیر اور خدا حافظ کی مدھم
آوازوں کے ساتھ کاریں اسٹارٹ کی جانے لگیں۔

اور اس وقت انور نے افروز کو دیکھا جو رفعت، نشاط اور پرکاش

کے ساتھ گرین روم سے نکل کر بجید تکلف سے اپنا اوورکوٹ سنبھالے اپنے بھائیوں سے انتہائی مشغولیت سے باتیں کرتی پورچ کی مرمریں سیڑھیوں سے اتر کے لمبی لمبی چمکیلی کاروں کی طویل فلیٹ کی طرف اپنی موریس میں بیٹھنے کے لئے جا رہی تھی "افوہ! رفی دیکھنا، چاند کتنا اسمارٹ لگ رہا ہے" لڑکیوں میں سے ایک نے چلتے چلتے کہا۔ اور سب آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ چاند یوکلپٹس کی ٹہنیوں میں سے نکل کر آسمان کی شفاف سطح پر تیر رہا تھا "خدا تم لڑکیوں سے ہر ذی ہوش جاندار کو محفوظ رکھے" یہ نشاط کے بھائیوں میں سے ایک کی آواز تھی۔ اور پھر نشاط اسے پورچ کے ایک اونچے یونانی ستون کے پیچھے کھڑا دیکھ کر چپکے سے بولی "جناب بھی تشریف لائے تھے"

"جی ہاں" "اور شاہد صاحب بھی" رفعت نے کہا اور پھر ان کی کار زنّاٹے کے ساتھ سامنے سے نکل گئی۔ اور لامارٹینز کے لڑکوں کی ایک ٹولی نے رقص گاہ سے نکل کر سڑک پر جاتے ہوئے "جیسی مون اُو" اونچے سروں میں شروع کر دیا تھا۔

پھر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا ہوا اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی کار کی طرف بڑھا جو موٹروں کی شاندار فلیٹ کے آخری سرے پر درختوں کے اندھیرے میں کھڑی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ تم سوچتے ہو گیتوں کی سرزمین میں رہنے والی

وہ لڑکی جس کے بالوں میں سُرخ گلاب سجے ہوئے ہیں۔ کبھی نہ کبھی تو تمھارے خوابوں کے دریچے کے نیچے سے گذرے گی اور تم اسے اپنے گٹار کا نغمہ سُنا سکو گے —— اور وہ سُرخ گلابوں میں رہنے والی لڑکی کہتی ہے کہ ایک روز وہ موسمِ گل کا شہزادہ اس کے خوابوں کے ایوانوں میں سے نکل کر آئے گا۔ اور بس پھر سب ٹھیک ہو جائے گا —— لیکن ٹریجیڈی دیکھئے وہ دونوں اس پگڈنڈی پر مل جاتے ہیں۔ جو پریوں کی سرزمین کو جاتی ہے۔ لیکن ایک دوسرے کو دیکھے بغیر بے پرواہی اور بے نیازی سے گذر جاتے ہیں۔ اور اوپیرا ختم ہو جاتا ہے۔ اور تماشائی اپنے اپنے صوفوں پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدل کر رومالوں اور دستی پنکھیوں کی اوٹ میں سے اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں "کیوں —— کیسی رہی ؟"

اور شاہد نے آگے بڑھ کر کہنا چاہا —— کتنے جھوٹے ہو بھائی۔ تم سب شروع سے آخر تک ایک طویل مغالطے، ایک خوبصورت اور دلچسپ فریب میں مبتلا رہنے کے اس قدر شوقین کیوں ہو؟ تمہارا "لابوہیم" کا اوپیرا "جیسی مون" کے نغمے اور شوپان کی موسیقی —— تمھارے تلون کے تصورات۔ رفائیل اور لیونارڈو کی تصویریں اور براؤننگ کی نظمیں، تمھاری بد دماغ افروز سلطانہ اور تمھاری سپر انٹلکچوئل اور مغرور افسانہ نگار نشاط —— منظر احمد اور اس کی

اسپورٹس کار ـــــ پرکاش اور اس کی Mad-hatters پارٹی ۔ اوینا ش اور اس کی فیشن ایبل Cynism تم سب ان سب چیزوں ، ان ساری باتوں سمیت آج کی رات میرے بھوکا رہنے کی وجہ ثابت نہیں کر سکتے ۔ تم تو اس کا خیال بھی نہیں کر سکتے کہ تم جیسا انسان جو تمھارے ساتھ اوپیرا میں آسکتا ہے اور جس کے شہر کے سارے کافی ہاؤس اور سارے فرانسیسی اور اطالوی ریسٹوران کھلے ہوئے ہیں ۔ بغیر کچھ کھائے پیئے بھی زندہ رہنے کی کوشش کر رہا ہے ـــــ سلمنگ کے لئے نہیں ـــــ بلکہ اس لئے کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں ـــــ
میں تمھارے مسٹر شوپاں سے کہنا چاہتا ہوں ۔ قبلہ ! آپ کو اچھی طرح ڈنر اڑانے کے بعد ہی یہ آسمانی نغمے کمپوز کرنے کی سوجھتی ہوگی ۔ آپ میری جگہ تشریف لے آئیے ۔ اور میں آپ کے پیانو پر پہونچ کر ایسے ایسے نغمے بنا سکتا ہوں جن کو سن کر دنیا آپ کے اور آپ کے سارے قبیلے والوں کے شاہکار جو لوگوں کو اب تک احمق بناتے رہیں ، ہمیشہ کے لئے بھول جائے ۔ تمھارا جیسی مون کم از کم میری آنکھیں تو ٹھیک نہیں کر سکتا ۔ تمھاری عطر بیز ہوائیں انڈین ریڈ کراس کی اس خوبصورت ویلفئیر آفیسر تک میرا کوئی پیغام نہیں پہنچا سکتیں ، جو اس وقت قاہرہ میں زخمیوں کے ساتھ ایسی ہی فریب آلود خوشگوار باتیں کر کے انھیں اسی حماقت میں مبتلا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگی ۔ وہ ویلفیر آفیسر جو بچّوں کی طرح لکڑی کے رنگین ٹکڑوں اور چمکیلی تصویروں کے

ذریعے بہلا کر یہ بھلانے کی کوشش کرتی تھی کہ میری آنکھیں جو خوبصورت کہلاتی تھیں جرمنوں کی گیس نے خراب کر دی ہیں۔ اور مجھے ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ اور مجھے کہیں کوئی نوکری نہ مل سکے گی۔ یقیناً تمہاری مونالسا اور تمہارا روپہلا چاند ــــ!!

اور چاند سیب کے اور چرڈ پر تیرتا ہوا اس کی بالکونی کے بالکل اوپر پہونچ گیا۔ وہ باہر نکل آئی اور ریلنگ پر جھک گئی "مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور" کا ڈرائنگ روم خاموش پڑا تھا۔ اور کہیں مدھم سروں میں گٹار بجایا جا رہا تھا۔ اور اس نے کہنا چاہا ـــــ مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور ــــ تم اتنے خاموش کیوں ہو ــــ تم اور تمہارا سیاہ آنکھوں والا دوست ــــ آدھی رات کے چاند کی طرح زرد اور غمگین ــــ کیا تمھیں ہمسایوں کے اس چھوٹے بچے نے نہیں بتایا کہ دنیا کتنی بوٹی فل ہے ــــ اور ایسی خوبصورت، شاداب اور بشاش دنیا میں غمگین رہنا جرم ہے۔ اور مسرت کی صحت مندی کی توہین ــــ کیا تم نے بھی تخیلی کردار بنائے ہیں ــــ کیا تم کو بھی خواب دیکھنے آتے ہیں؟

جب روپہلا چاند سیب کے اور چرڈ پر جھلملاتا ہے اور فضاؤں میں موزارٹ کے نغمے رقصاں ہوتے ہیں اس وقت میں تم سے چپکے سے پوچھنا چاہتی ہوں ــــ کیا تم مجھے جانتے ہو ــــ کیونکہ میں تم کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں ــــ جیسے ہم جنم جنم کے ایک دوسرے کے خاموش ساتھی ہیں۔ ہم سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں لیکن کہہ نہیں سکتے

کیا تم بھی تنہا ہو ۔ اتنی بڑی دُنیا اور دنیا والوں میں گھرے ہوئے ۔ لیکن بالکل تنہا ۔۔۔

۔۔۔ اور نیچے پہلو کے باغ میں دو سائے آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے اور ان میں سے ایک سایہ چاند کے مقابل میں کھڑا ہو کر کہنے لگا ۔۔۔ خدا کی قسم میرے دوست تم جانتے ہو کہ یہ سب غلط ہے ۔ یہاں سب جھوٹے ہیں ۔ لیکن پھر بھی تم بیوقوف بنتے ہو ۔۔۔ مجھ سے پوچھو میں تمھیں بتاؤں گا کہ زندگی کیا چیز ہے ۔۔۔ وہ سبز آنکھوں والی زردرو جولیٹ جو نواب کے ساتھ والز کرتی تھی ۔ اور جس نے ایک دفعہ میرے ساتھ بھی رقص کیا تھا ۔ اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میں ہز ہائنس کا اے ۔ ڈی ۔ سی بنا دیا جاؤں گا ۔ وہ اب بھی کوک ٹیل پارٹیوں کے بعد ڈھولک کے ساتھ اسی طرح گاتی ہے !! میں نہ بولی چڑیا کو کاگ لے جائے ۔۔۔" سب سنتے ہیں اور بجد خوش ہوتے ہیں ۔۔۔ تم نے اس لغویت اس غلاظت پر غور کیا ہے ۔ چڑیاں اور کوّے ۔۔۔ چڑیاں اور کوّے یا تتلیاں اور بھنورے ۔۔۔ زندگی کا یہ تعاقب ۔۔۔ یہ دیوانگی ۔۔۔ یہ جنون ۔۔۔ مجھ سے میری بنت عم خوبصورت اور شریر رفعت نے کہا تھا ، ہائے شاہد بھائی تم کتنے گڈ ہو ۔ تم جنگ سے واپس آجاؤ پھر بہت سارے پروگرام بنائیں گے ۔ اور میں نے ، کتنا احمق تھا میں ، ان الفاظ کے سہارے پر کتنے خواب دیکھے ۔۔۔ رفعت میرے ساتھ ہوگی اور زندگی کا خوش گوار اور پھولوں سے گھرا ہوا

راستہ میرے سامنے۔ لیکن اس وقت میں یہاں اس اندھیرے میں اکیلا ٹہل رہا ہوں۔ اور میرے ساتھ صرف رفعت کا ایک خط ہے جس میں اس نے لکھا ہے۔ ہائے شاہد بھائی کتنا افسوس ہے تمھاری آنکھیں خراب ہو گئیں، خدا کرے جلد بالکل اچھے ہو جاؤ۔ شام کو ہمارے اوپیرا میں ضرور آنا۔ اور بیوقوف مہرہ رومان کی انہی پٹی ہوئی پگڈنڈیوں پر خوش خوش چل رہا ہے جن پر زرد چاند جھلملاتا ہے۔

اور زرد چاند درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے بھائی لیکن اس حماقت میں مبتلا ہو جانے کا احساس ہی کتنا پُر لطف اور دلچسپ ہوتا ہے —— میں نے اس سے کہنا چاہا —— سائمن اسٹائلائیٹز کی طرح جو اونچا ستون تم نے اپنے لیے منتخب کیا ہے اس کی بلندی پر سے ایک لمحے کے لیے نیچے اتر آؤ۔ اور ان خودرو خوشبودار پھولوں کی جھاڑیوں کے پاس میرے پاس گھاس پر بیٹھو۔ اور ہم محبت کے وہ گزرتے ہوئے گیت سنیں جو وقت کی سنہری ریت کے اس پار پہونچ کر پھر کبھی واپس نہیں آتے۔ محبت کے وہ آسمانی انہی نغمے جو شوپاں مزارٹ اور ہینڈل نے لیے ہی وقت میں انہی لمحوں کے لیے تخلیق کیے تھے۔

اس روز سعیدہ کہہ رہی تھی۔ انور بھائی کتنا اچھا لگتا ہے کوئی ہم کو پسند کرے۔ ہم کسی کو پسند کریں۔ کوئی ہمیں چاہے، زندگی کے خالی بے معنی اور بے رنگ نقوش میں اپنی چھوٹی چھوٹی شکستوں کے رنج ——

فتحمندیوں کے غرور اور ننھی منی مسرتوں کے اطمینان بخش احساسات سے دلکشی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ یہ احمقانہ طفلانہ خواہشیں ـــ کوئی ہمیں چاہے ـــــ!

ـــــ تم یہ کہتے ہو ـــــ تم جو سوسائٹی کی ساری "بائی ... س" کے پسندیدہ اور محبوب ہیرو ہو ـــــ نشاط جیسی مغرور لڑکی تمہارے ساتھ ناچتی ہے۔ جلیبیں تم کو روزانہ فون کرتی ہے ـــــ اجلا ... کسی کو گانا نہیں سناتی ریڈیو پر محض اس لئے گاتی ہے کہ تم سنو ـــ اور چونکہ صرف ایک خود پسند لڑکی نے تمہارے سامنے جھکنے سے خاموشی سے انکار کر دیا تو مرے جا رہے ہو۔ احمق ـــ!

ہم سب احمق ہیں ـــــ اس نے کہا۔ اور گفتار کی آواز مدھم ہوتی گئی اور کنواری رات کا اندھیرا باغ پر جھک گیا۔

اور وہ بالکونی پر سے ہٹ کر اندر آ گئی ـــــ وہ اپنے بلند ستون پر سے نہیں اتر سکتی تھی۔ نہیں اترنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی شکست کے اعتراف کا خیال بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے سوچا اور وہ پریوں کی سرزمین کو جانے والی دو متوازی پگڈنڈیوں پر تھوڑی دور تک اسی طرح چلتے رہے۔ اور پھر یہ پگڈنڈیاں ایک دوسرے کو پار کرتی ہوئی علیحدہ ہو گئیں۔

اور رفعت نے ایک روز خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا ـــــ افروز پیاری ایک ٹریجیڈی ہو گئی۔ تم نے تو نو لفٹ کر دیا۔ اور اس بیچارے نے اپنی شکستہ دلی سے اکتا کر آخر شادی کی درخواست کر ہی دی۔ اور

اب میں تمہارے اور ممی کے ساتھ مسوری نہیں جا سکوں گی۔ ہم کشمیر جا رہے ہیں۔

اور افروز کے خوابوں نے جس تخیلی کردار کو جنم دیا تھا وہ اسی کی حیثیت سے اس کی زندگی میں تھوڑے سے وقفے کے لئے آیا اور اسی طرح نکل گیا۔ افروز کے لئے وہ صرف مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور تھا۔ چاند کی وادی کا باسی ـــــ لیکن اب وہ مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور نہیں رہا۔ رفعت کے نزدیک وہ محض انور تھا۔ سول سروس کا ایک اعلیٰ عہدیدار جو اگلے ماہ اس سے شادی کرنے والا تھا۔ کیونکہ رفعت جس کے لئے زندگی ایک مسلسل جذباتی اضطراب تھی، اس کے تعاقب میں کامیاب ہو چکی تھی۔ Honeymoon

اور رفعت ماہ عسل منانے کے لئے گلمرگ چلی گئی۔ افروز اپنے گھر والوں کے ساتھ حسب معمول مسوری جا رہی تھی۔

زرد چاند بہت دیر تک اس کے ساتھ ساتھ چلنے کے بعد شوالک کی پہاڑیوں کی لکیر کے پیچھے جا چھپا۔ اور دہرہ ایکسپریس کے اندھیرے کمپارٹمنٹ میں وہ اس ادھیڑ اور باتونی کرنل کی مسلسل آواز سے جاگ اٹھی جس نے اپنا تعارف اپنے ہم سفروں سے کرنل بھروچہ یا چڈہ یا ہانڈو یا اسی قسم کے کسی خوبصورت سے نام سے کرایا تھا۔ وہ بیحد عمدہ اردو بول رہا تھا۔ اور اپنے خیال میں کوئی بہت ہی ضروری نکتہ بیان کر کے انتہائی جوش سے اور اچھے لہجے میں فارسی کا کوئی شعر پڑھ ڈالتا تھا۔ سے

کھڑکیوں میں سے آتی ہوئی رات کی خنک پہاڑی ہواؤں سے بچنے کے لئے ساری کا آنچل چہرے پر ڈال لیا ــــــ وہ کہہ رہا تھا ــــــ استغفراللہ ــــــ میں نے کہا۔ کیا قیامت ہے مسلمان عورت کو شراب پلا رہے ہو۔ قائداعظم کے پان اسلامک نظام کے اخلاقی اور مذہبی ستونوں کا کیا حشر ہوگا۔ جواب ملا۔ بندہ نواز ایں ہندوستان نباشد۔ یہ جنگ کا زمانہ ہے۔ اور یہ قاہرہ کی راتیں ہیں۔ جہاں کی مسلمان عورتیں اپنی زندگی اور اخلاقی قدروں کو الزبتھ آرڈن اور میکس فیکٹر کے ڈبوں میں ایئر ٹائٹ کروا کے پیرس اور نیویارک سے منگواتی ہیں۔ اور پھر ہمارے لڑکے ــــــ میں کہتا ہوں عیش کر لینے دو۔ وہ لڑکے جن کے باپ صرف ان کی ماؤں ہی پر اکتفا کر کے "ساق سیمیں" اور لب ہائے لعلیں کے شعر پڑھتے پڑھتے ختم ہو گئے ــــــ خوب پیتے ہیں ــــــ خوب ٹھاٹھ کرتے ہیں ــــــ بڑے بڑے شوہروں کی بیویاں اور اونچے اونچے باپوں کی بیٹیاں ان کے ساتھ قونصل خانے کے بال روم مرمریں ستونوں والی رقص گاہوں اور نیل کے رو پہلے ساحلوں پر ان کے ساتھ ناچتی ہیں۔ اور ہمارے لڑکے سب کچھ بھول کر ان وقتی لہروں کے ریلے میں بہتے جا رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں ارے بیٹا آجکل تمہارے تجربوں کے لئے اچھا زمانہ ہے۔ جنگ جاری ہے۔ لڑائی کے میدان سے اپنی میڈیسن اور سرجری کے ایسے ایسے نئے تجربے حاصل کر سکتے ہو جو پہلے کبھی نہ ملے تھے۔ اور نہ اب آئندہ مل سکیں گے ــــــ پر انہیں

کچھ پرواہ نہیں ـــــ میں سوچتا ہوں چلنے دو ـــــ سب ٹھیک ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ اور پھر یہ لڑکیاں ـــــ
جو آپ کے چپراسیوں کے پٹکوں کی طرح کمر کے گرد دوپٹوں کے کراس بنائے اڑی پھرتی ہیں ـــــ یہ آندھی تو بھائی جان سب کو بہائے لئے جارہی ہے۔ کہاں تک اس سے بچ پاؤ گے ـــــ" اور اس کے ایک ساتھی نے کہنا چاہا ـــــ" لیکن کرنل ـــــ سیکس ـــــ" اور کرنل نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"سیکس؟ Sex be damned my dear Sir یہاں جو بات ہے وہ ہے اسے گلاس کیس میں چھپا کر رکھ دینا کہاں کی عقلمندی ہے"

اُف ـــــ کیا تعفونت ہے ـــــ اس نے سوچنا چاہا۔
کرنل اسی طرح باتیں کرتا رہا۔ رات کے خاموش اندھیرے میں پہیوں کے شور کی متوازن یکسانیت کرنل کی کرخت بھدّی آواز سے مل جُل کر بڑا ناگوار سا اثر پیدا کر رہی تھی ـــــ یا اللہ! زندگی کتنی ذلیل چیز ہے ـــــ اور کرنل کی باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔
"مشرقِ وسطیٰ میں مقیم ہندوستانی فوجوں کو محظوظ کرنے کے لئے ہندوستان سے جو ڈانسنگ پارٹی گئی تھی اس میں لاہور کی ایک ہندوستانی عیسائی لڑکی ریحانہ بھی تھی ـــــ
مجھ سے پوچھا گیا، کرنل صاحب آپ خاص قسم کا پرائیویٹ پرفورمینس

بھی پسند کریں گے ۔ میں نے کہا بندہ نواز مفت ہاتھ آئے تو بڑا کیا ہے ــــــ

ایں ــــ کیوں ؟ ہی ہی ہی ۔ ریحانہ مجھ سے ملی تو کہنے لگی کرنل صاحب، آپ کے ہمنام ایک ڈاکٹر لاہور چھاؤنی میں بھی ہوا کرتے تھے ۔ بہت اچھے آدمی تھے بیچارے ــــــ سُنا ہے مر گئے ۔ میری ماما ان کے ہسپتال میں نرس تھیں ۔ بہت تعریف کیا کرتی تھیں ان کی ۔ پر میں تو بہت چھوٹی تھی جب ــــــ میں نے ہنس کر کہا ــــ مکرمہ ! وہ تمہارے بڑے ہونے کا انتظار کرنے سے پہلے ہی کیسے مر سکتے تھے ــــــ ہی ہی ہی ــــ کیوں ؟ کیا خیال ہے تمہارا ؟"

افروز نے پھر سونے کی کوشش کی ــــــ کرنل کہتا رہا ــــــ "روسی چیف آف دی اسٹاف کے ساتھ کئی سائے والیاں بھی تھیں ــــــ امریکن قونصل کی "لڑکی" کہنے لگی ــــــ کرنل تم بہت فضول آدمی ہو ــــ باتیں بہت کرتے ہو ۔ پہلے ہمارے زکام کا علاج کرو ۔

میں نے کہا ۔ فضول سہی لیکن مکرمہ جب سر میں درد ہوتا ہے تو ہم ہی یاد آتے ہیں ــــــ وہ کہتی تھی کلکتہ اور شملہ میں میں تم ہندوستانیوں سے ملتے ہوئے ذرا ہچکچاتی تھی ــــ لیکن یہ قاہرہ ہے اور یہاں کی راتیں بہت گرم ہوتی ہیں اور "شرارت" کی خوشبوئیں بہت

نیز ـــــــ

ہوا افروز کا آنچل اُڑا رہی تھی ـــــ ٹرین چلتی رہی ـــ کرنل کہہ رہا تھا ـــ ابھی بیگماتِ اودھ نینی تال اور مسوری سے واپس نہیں آئی ہیں ـــ ذرا بارشوں کے بعد لکھنؤ میں رونق آجانے دو ـــ خاکسار ایک کوک ٹیل پارٹی اور ایک ٹی ڈانس نہ چھوڑے گا ـــ بھائی جان خوب جانتا ہوں زندگی کا تعاقب کہاں تک کرنا چاہیئے ـــ میرا بڑا لڑکا بھی لفٹننٹ کرنل ہے اور اسے بھی معلوم ہے اور مجھے بھی کہ جہاں تک اصولوں کا تعلق ہے ، ہم دونوں اپنے اپنے راستوں پر اطمینان سے چل رہے ہیں ـــ اور ہمارے راستے کبھی بھی ایک دوسرے کو نہیں کاٹ سکتے ـ"

اور ٹرین کی رفتار ایک اسٹیشن کے کہر آلود دھندلکے میں داخل ہوتے ہوئے دھیمی ہوگئی اور وہ اپنے ہم سفروں کو خدا حافظ کہتا ہوا پلیٹ فارم پر اتر گیا ـــ زندگی کے تعاقب میں ـــ افروز نے سوچا ـــ اور کرنل کے جانے کے بعد اس کا ایک دوست دوسرے دوست سے کہہ رہا تھا ـــ کرنل کی باتیں سن کر تم نے خیال کیا ہوگا کہ یہ اعلیٰ درجے کا لفنگا شخص ہے ـــ لیکن واقعہ یہ یہ ہے بھائی جان کہ اس سے زیادہ شریف اور پُرخلوص آدمی دُنیا میں نہیں مل سکتا ـــ اگر تم رات کے دو بجے اسے بلاؤ تو

اپنا بیگ سنبھالے ننگے پاؤں بھاگتا ہوا پہونچ جائے گا ــــ یہ جو کچھ کہتا یا ظاہر کرتا ہے محض اپنا اور دوسروں کا جی خوش کرنے کے لئے ــــ بیوی مرچکی ہے ــــ بڑا لڑکا بھی لفٹننٹ کرنل ہے ــــ اور ایک داماد آئی۔سی۔ ایس ــــ تین لڑکیاں انگلینڈ میں ہندوستانی فوجوں کے لئے کینٹین چلا رہی ہیں۔

اور ٹرین چلنے لگی ــــ کمپارٹمنٹ میں پھر اندھیرا ہو گیا۔ افروز نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور اسے منظر احمد یاد آ گیا جو جلیس سے شادی کرکے اپنی نئی اسپورٹس کار پر کشمیر جا کر ماہ عسل منانے کے پروگرام بنانے میں مصروف تھا۔ اور اس وقت اس کو ایک بڑا پُرمسرت، پُرسکون سا احساس ہوا ــــ اس کا ستون اب بھی سب سے علیحدہ اور سب سے بلند ہے ــــ زندگی کی اس تگ و دو، اس کشاکش سے بے نیاز اور بے تعلق ــــ زندگی کی یہ مسلسل چلو پکڑو ــــ جانے نہ پائے ــــ چڑیاں اور کوّے ــــ تتلیاں اور بھبو سے ڈھولک پر "جیسے پتنگ پیچھے ڈور" گاتی ہوئی سبز آنکھوں والی "جولیٹ" اور اس کے پیچھے نواب، نشاط اور اس کے افسانے، رفعت اور اس کے پیچھے دوڑتی ہوئی منظر احمد کی تیز رفتار اسپورٹس کار ــــ روسی چیف آف دی اسٹاف کی سانئے والیاں اور ان کے پیچھے ان کے زکام اور درد سر کا علاج کرتا ہوا دل شکستہ کرنل چڈہ یا بھڑوچہ یا

ہانڈو ـــــ جس کی بیوی مرچکی ہے اور جس کا بیٹا بھی لفٹننٹ کرنل ہے اور داماد آئی سی ایس ـــــ اور جو ناعاقبت اندیش ناتجربہ کار نوجوان ڈاکٹروں کو مشورہ دیتا ہے کہ بہترین موقعہ ہے میڈیسن اور نرسری کے تجربوں کا۔ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا لو ـ نیل کے ساحلوں پر خوب ناچ لو ـــــ پھر کہاں یہ جنگ ہوگی کہاں تم اور کہاں قاہرہ کی راتیں ـــــ دراصل وہ بہت اچھا آدمی ہے ـــــ یہاں سب بہت اچھے آدمی ہیں ـــــ ایک دوسرے کا خیال کرنے والے ـــــ ایک دوسرے کے تعاقب میں سرگرداں ـــــ سب اپنے اپنے محور پر تیزی سے گھوم رہے ہیں ـ اور جو ان کی لپیٹ میں آجاتا ہے وہ بھی اسی تیزی سے گھومنے لگتا ہے ـــــ اور اس بھاگتی ہوئی دنیا میں صلاح الدین محمود اور مسٹر بوائے نیکسٹ ڈور" کے تخیلی کرداروں کی قطعی کوئی جگہ نہیں ـ

اور پھر یکلخت اسے ایک بے حد عجیب خیال آیا ـــــ نہایت شدّت سے اس کا جی چاہا کہ وہ کھڑکی میں سے پکار کر کہے کرنل چڈّہ ادھر آؤ ـــــ میری بات سنو ـــــ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو ـ زندگی اسی کا نام ہے ـــــ میری بات سنتے جاؤ ـــــ خوب زور زور سے چلّائے ـــــ کرنل چڈّہ ـــــ کرنل بھڑوچہ ـ کرنل ہانڈو ـــــ

لیکن کرنل کب کا پلیٹ فارم کے دھندلکے میں کھو چکا تھا۔
اور مونالیسا کے ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسم بکھر گیا جیسے وہ یہ سب بہت پہلے سمجھ چکی ہے۔

جہاں کارواں ٹھیرا تھا

اس سنسان ، اکیلی روش پر نرگس کی پتیوں کا سایہ جھک گیا ۔ بیکراں رات کی خاموشی میں چھوٹے چھوٹے خداؤں کی سرگوشیاں منڈلا رہی تھیں ۔ پیانو آہستہ آہستہ بجتا رہا ۔ اور اسے ایسا لگا جیسے ساری دُنیا، ساری کائنات ایک ذرّے کے برابر بھی نہیں ہے ۔ اور اس وسیع خلا میں صرف اس کا خیال ، اس کی یاد ، اس کا تصوّر لرزاں ہے ۔ اور اس وقت اس نے محسوس کیا کہ رات ، مرغزاروں کی ہوا اور اس کی یاد ایک بار پھر جمع ہو گئے تھے ۔ لیکن اسی وقت دھندلے تاروں کی مدھم چیخیں آسمان پر گونج اٹھیں ۔ اور ان تینوں ساتھیوں کو منتشر کرتی ہوئی پہاڑیوں کی دوسری طرف جاکر ڈوب گئیں ۔ اور وہ خیالوں کے

دھندلکے میں سے کہنا سُنائی دیا۔ لیڈی ویرونیکا۔ می لیڈی ہش۔ چاند سُن لے گا۔ پھول جاگ اُٹھیں گے۔ اپنے ساز اور رواں نہ کرو۔ نیندوں کی بستی کے راستوں پر سے خوابوں کا، پھولوں کا، گیتوں کا کارواں آہستہ آہستہ گذر رہا ہے اور اس نے انتہائی تکلیف کے ساتھ سوچا، اور ایسا سوچتے ہوئے اسے نامعلوم سی خوشی ہوئی کہ کاش۔ کاش۔ وہ مر ہی جائے۔ وہ جس کی آواز اب تک ستاروں کے دھندلکے میں گونج رہی تھی۔ وہ بس مر جائے اگر وہ خود نہیں مر سکی تو وہ کیوں نہیں مرتا۔ لیکن وہ زندہ ہے سب زندہ ہیں۔ اور چاند آلوچے کی ٹہنیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور چاندنی رات کا گیت ختم گیا۔ مہاگنی کے بھاری سیاہ آتشدان کے کونے پر جلتی ہوئی شمع لرز اٹھی اور تصویر کے بڑے سے شیشے کی سطح پر دھندلی زرد روشنی کی لکیریں تیرتی رہیں۔ اور نیلگوں رات کے ایوانوں میں سے جھک کر چھوٹے چھوٹے خداؤں نے چپکے سے اس سے کہا۔ لیڈی ویرونیکا ہوائیں خاموش ہیں پھول سو چکے ہیں۔ تمہاری تصویر کی بڑی بڑی نیلی آنکھوں کے اوپر کے شیشے کو گرد نے دھندلا کر دیا ہے۔ اور اس پر پڑا نے نقرئی شمعدان کا اجالا جھلملا رہا ہے۔ کیونکہ تم لیڈی ویرونیکا نہیں ہو۔ اور نہ زندگی وہ زندگی ہے جس میں چاند کی روشنی، شوپاں کی موسیقی پھولوں کے رنگ اور سمندر کی موجیں تھیں۔ خوبصورت زندگی، خوبصورت دُنیا اور خوبصورت لیڈی ویرونیکا *Oh! you silly little Lady Make-believe*

شمع کا دھواں دیوار پر لہرا رہا ہے اور مہاگنی کا سیاہ آتشدان زیادہ مُہیب

نظر آرہا ہے۔ زندگی مہیب ہے۔ ہیبت ناک۔ خوفناک۔ اور اکتائی ہوئی زندگی اپنے آپ سے اکتا گئی ہے۔ زندگی کبھی ہاتھ نہ آنیوالی اور دور سے نظر آکر پھر کھو جانے والی فردوس کیلئے روتے روتے تھک چکی ہے۔

اور اس اندھیری روش پر سے آدھی رات کی ہوائیں شور کرتی ہوئی گذرتی رہیں۔ اس نے پیانو بند کر دیا۔ اور اسے خیال آیا کسی نے کہا ہے "خدا نے ہمیں یادوں کا قیمتی خزانہ اس لئے عطا کیا ہے کہ ہم سرما کی برفانی فضاؤں میں بہار کے گلاب کی گرم خوشبوئیں حاصل کر سکیں۔ اف یہ یادیں۔ اس نے محسوس کیا کہ یادوں کی اس فراوانی نے اسے تھکا دیا ہے۔ پھر بھی وہ یادیں اور احمقانہ خواہشیں آگ کی سی تیزی کے ساتھ جل رہی ہیں۔ اور ہوا کے ایک تیز جھونکے سے لیڈی ڈیروونیکا کی تصویر کے نیچے لرزاں شمع یکلخت بھڑک کر بجھ گئی۔ اور موسیقی کی کتاب کے چند ورق منتشر ہو کر پیانو سے نیچے گر پڑے۔ قریب کی کوٹھی میں کسی نے ریڈیو گرام پر ایک پرانے نغمے کا ریکارڈ بجانا شروع کر دیا تھا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مرمریں ایوانوں میں رہتی ہوں۔ اور ان محلات کی چار دیواری کے باسی مجھ پر نازاں ہیں اور میں ان کی امیدوں کا سہارا ہوں۔ میرے پاس بیشمار دولت ہے۔ اور میں بے انتہا اعلیٰ نسب ہوں۔ اور خواب میں میں نے یہ بھی دیکھا جس سے مجھے بیحد خوشی ہوئی کہ تم اب بھی مجھے اتنا ہی چاہتے ہو۔" ایک مرتبہ کالج کے اوپیرا میں اس نے یہ گیت اس آسٹرین ڈیوک کی لڑکی کا پارٹ ادا کرتے ہوئے جسے بچپن میں خانہ بدوش چرا لائے تھے، پائن کے جنگلوں میں پناہ

گزیں پولیس فوجی افسر کو سُنایا تھا۔ شاید ایڈوینا نے بھی جو اوپیرا میں ہیروئنی تھی اب تک یہ گیت فراموش کر دیا تھا۔ ہم سب یہ گیت بھول چکے تھے۔ میں اور کملا اور روملا اور مہرجبیں ایسے بیکار کے جذباتی نغموں کا اثر کون لیتا ہے۔ اور کون یاد رکھتا ہے۔ اور اس نے بہت شدّت اور تکلیف کے ساتھ سوچا۔ کاش تم نے اس وقت مجھے چاہا ہوتا۔ جب میں نے بھی تمھیں چاہا تھا۔ لیکن خداؤں نے ایسا نہ ہونے دیا کیونکہ پھر وہ یقیناً مر جاتی۔ اور اس نے محسوس کیا کہ وہ اکیلی ہے۔ اور اس سے بہت دور ہے اور وقت کسی پرانے دیوتا کا پُرانا خواب بن کر اپنی جگہ پر ٹھہر گیا ہے۔ وہاں پر صرف رات کی چیخیں تھیں اور خوابیدہ کائنات کی سسکیاں اور چاندنی کی ٹھنڈی آگ۔

وہ ریلنگ کے سہارے برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر لیٹی رہی۔ اور اسے ایسا لگا جیسے اس کے چاروں طرف شبنمی راہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور ان راہوں کے کنارے ان راستوں کی منزلوں پر ہم سب وہاں موجود تھے، اس کے منتظر تھے۔ لیکن وہ ہم کو پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

اور پھر، یہ سب کچھ سوچتے سوچتے نیلوفر سو گئی۔ اور فضاؤں میں ہوا کے راگ اور خداؤں کی سرگوشیاں بند ہوگئیں۔

کس قدر جلد یہ سب مذاق ختم ہو گئے۔ ایک تصویر کو آخری ٹچ دیتے ہوئے مجھے خیال آیا۔ زندگی کا نیا چاند قہقہوں، آنسوؤں اور خوابوں کی حدوں سے دور، شفق کے جزیروں پر کبھی طلوع نہیں ہوتا۔ اور ہم اس کے انتظار میں تھک کر سو جاتے ہیں۔ اور پھر رات آتی ہے۔ اور رات کی خاموشی

اور پھر موت ۔ عشق کی موت ۔ لیکن پھر بھی ہم زندگی کو دلچسپ اور زندہ رہنے کے قابل سمجھنے کے لئے مجبور ہیں ۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ۔ ریوپرٹ بروک کی نظمیں ۔ مہاراشٹرین طرز کی کلاسیکل موسیقی ، ڈوآرز کے نغمے ، جیمس میسن کے فلم ۔ یہ ٹوٹی پھوٹی احمق چیزیں ۔ زندہ رہنے کی یہ بیوقوفی ۔ زندگی سب ہی مضحکہ خیز چیز ہے ۔ ہے نا ۔ اس میں کوئی پلاٹ نہیں کوئی ٹکنک نہیں ۔ بہت سی باتیں ہیں ۔ ایک کے بعد ایک ، لگاتار بس ہوتی چلی جاتی ہیں ۔ جن کا آپس میں کوئی منطقی ربط تلاش نہیں کیا جاسکتا ۔ جن کا پہلے سے کچھ پتہ نہیں ہوتا اور نہ بعد میں پتہ چلتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا ۔ جی ہاں زندگی بہت ہی مضحکہ خیز چیز ہے ۔ اور اس وقت چائنا پلیٹ میں رنگوں کو ملاتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میری اور کملا کی ساری منطق اور فلسفہ طرازیاں یہاں پہنچ کر بالکل ناکامیاب ثابت ہوئیں ۔

کیونکہ بہار کی ایک نارنجی سہ پہر کو کالج کے سوئمنگ پول کے مرمریں فرش پر کہنیوں کے بل لیٹے لیٹے ہم نے اچانک یہ محسوس کیا کہ نیلوفر کی نیلی آنکھوں میں اداسی کی لہریں تیرنے لگی ہیں ۔ اور اکنومکس پڑھنے کی کوشش ملتوی کر کے چاروں طرف جھکے ہوئے آم کے درختوں کے پرے دیکھتے ہوئے ڈورس نے دفعتہً ایک سوال کیا " اس کو دیکھا ؟"

"ہوں !"

سب نے ایک ساتھ جواب دیا ۔ پھر خاموشی چھا گئی ۔ " واش آؤٹ ہو

بالکل"۔ نیلوفر نے بے تعلقی سے رائے ظاہر کی"۔ اپنی کے سامنے کچھ مت کہو۔ اس کو اپنے اس بھائی پر بہت فخر ہے"۔ سعیدہ نے کہا خیر بھائی وہ ہرگز نہیں بگڑے گی۔ واش آؤٹ تو وہ بالکل نہیں ہے۔ مگر جناب وہ اپنے بھائیوں کا پروپیگنڈا قطعی نہیں کرتی ہے۔ بلکہ اس نے تو بہت انکساری اور خاکساری سے اور بالکل یونہی تذکرہ کیا تھا کہ اور تو اور زبیدہ عثمانی تک اس کے اس تازہ وارد بھائی سے فلرٹ کرنے کی فکر میں ہیں"۔ ڈورس آہنی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

——————— اور اسی طرح دیر تک

ان نئے انکشافات کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ اور جب پھولوں کا موسم گذر کر نیلے بادلوں اور پھواروں کا زمانہ آیا جب دوپہر اور سہ پہر کے وقت قہوہ خانوں میں انتہائی چہل پہل اور رونق ہوتی ہے تو کالج میں اچھا خاصا سنسنی خیز تہلکہ مچ گیا"۔ فرخندہ آج بھی وہ قہوہ خانہ میں سخت show off کر رہا تھا۔ اور اکثر سیاہ چشمہ لگاتا ہے چُغد کہیں کا۔ کیونکہ سیاہ چشموں سے زیادہ خوبصورت نظر آیا جا سکتا ہے۔ اور ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ ہال کے بیچ کی نشستوں پر بیٹھ کر گوگلز کے ذریعے آپ سب کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم ہو سکتا کہ آپ کی نظریں کس کس طرف ہیں۔ مگر بھئی بیحد شاندار ہے۔ اور اتراتا کس قدر ہے۔ آخر ہے کون یہ؟" اور میں نے شرارتاً اور یونہی بے خیالی میں کہہ دیا ــــ وہ ہے ــــ وہ ہے ــــ نیلوفر کا فیانسے ــــ اور

سارے کالج میں جانے کس طرح آپ سے آپ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ نیلوفر کی شادی امتحانات کے فوراً بعد ہو جائے گی اور اس کا فیانسے آجکل لکھنؤ میں ہے۔ اور جانے کس طرح نیلوفر نے یہ سوچ لیا۔ جانے کیا کیا سوچ لیا۔ اور سعیدہ نے کہا بھئی نیلوفر اپنی ساری آئیڈیلزم تہہ کر کے رکھ دو۔ بہترین پتنگ ہے۔ خوبصورت۔ دلکش اور اعلیٰ عہدے پر، اور تمھاری ہی دوست کا کزن بھی ہے۔ نیلوفر نے ایک دفعہ کہا تھا کہ وہ بچپن میں پورٹ بلیئر میں ہم لوگوں کے ساتھ رہ چکا ہے۔ میں نے اور کملا نے دماغ پر بہت زور ڈالا لیکن قطعی یاد نہیں آیا۔ اور پھر ڈورس نے کہا کہ بھئی وہ تمھارے بچپن کے جاننے والے بھی نکل آئے — *Go ahead sister* وہ اپنے مخصوص اینگلو انڈین انداز میں بولی۔ اور نیلوفر فوراً رونے پر آمادہ ہوگئی۔ بچپن کے جاننے والے کیا تمھارے نہیں ہیں۔ انہی کے تو کزن ہیں۔

ہونگے بھئی ہم کو تو بالکل یاد نہیں۔ پورٹ بلیئر کا زمانہ گزرے اتنا عرصہ ہوگیا۔ اگر ہمیں پہلے سے نہ معلوم ہوتا کہ تم کیمبرج سے آئی ٹی آرہی ہو، تو ہم تم کو بھی نہ پہچان سکتے۔ وملا نے کہا۔

اور ہمارے ٹیلی فون کی گھنٹیاں زیادہ تیزی سے بجنے لگیں۔ جب تک مسعود بھیا کو الگ کوٹھی نہیں ملی وہ ہمارے یہاں ہی رہے۔ اور ہماری ایک دوست کی دوست زبیدہ عثمانی نے جو ایم۔ اے

اور لا کے امتحان دیا کرتی تھی اب براہ [illegible]ت میری دوست بن جانا ازحد منا سب سمجھا۔ وہ دن میں آٹھ بار فون کرتیں ۔ نوکروں سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب ان کا فون آئے تو کہہ دینا کوئی گھر پر نہیں ہے ۔

—— اور اس شام نیلوفر قانون کی کلاس کے بعد ہوسٹل جانے کے بجائے سیدھی ہمارے یہاں آگئی ۔ لان پر درختوں کے اندھیرے میں سب گھر والے جمع تھے ۔ اس نے پھاٹک سے ہی دیکھ لیا کہ ایک شاندار نیلی اسپورٹس کار برساتی میں کھڑی ہے ۔ سبزے پر پہونچ کر سرو کے درختوں سے چھنتی ہوئی روشنی میں اس نے غور سے دیکھا کہ سوائے کنور مہندر سنگھ اور ایک اور صاحب کے باہر کا آدمی کوئی نہ تھا ۔ اس نے سوچا شاید کنور صاحب نے اپنی کار تبدیل کر لی ہے ۔ وکیل صاحب آگئے تھے —— نیلوفر تھکی تھکائی ممی کے قریب آرام کرسی پر بیٹھ گئی ۔ ہلّو وکیل صاحب ۔ کنور مہندر نے دوبارہ کہا ۔ اوہو آپ کب آئے مہندر بھائی ۔ نیلوفر نے چونک کر کہا ۔ شکر کہ بیرسٹر صاحب کو یاد تو آیا کہ اس خاکسار کو مہندر کہتے ہیں ۔ اور میں مسعود جاوید ہوں ۔ مہندر کے ساتھی نے کھڑے ہو کر اس وثوق اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنا تعارف کرایا ۔ جیسے دنیا میں صرف ایک وہی مسعود جاوید ہو سکتے ہیں ۔ کوئی بہت ہی اہم اور مشہور ہستی ۔ نیلوفر نے بیزاری کے ساتھ سوچنے کی کوشش کی ۔ ہونھ ۔ انزاہٹ کی انتہا ۔ رات کا وقت ہے ورنہ گوگلز اس وقت بھی موجود ہوتے ۔ کھانے کا انتظام کروا کے

تھوڑی دیر بعد میں باہر آ گئی۔ بھائی جان بھی شام کی شفٹ ختم کر کے دفتر سے واپس آ گئے تھے۔ چاند سرو کے درختوں کے پیچھے سے طلوع ہو چکا تھا۔ کھانے کے وقت تک کے لئے ہم سب مس عثمانی کے فون کی باتیں کرتے ہوئے باہر خاموش سڑک پر ٹہلنے لگے۔ کنور مہندر نے کہا مسعود کو اب تک لکھنؤ کی تاریخی عمارتوں کی سیر نہیں کرائی گئی۔ اگر اگلے مہینے اس کا یہاں سے بھی تبادلہ ہو گیا تو وہ کچھ نہیں دیکھ پائے گا۔

میں نے بجیدگی سے انھیں بتایا لکھنؤ کے سب سے زیادہ تاریخی اور اہم ترین مقامات صرف تین ہیں۔ ۱۲ فیض آباد روڈ۔ ۳ فیض آباد روڈ جہاں کملا رہتی ہے۔ اور ہمارے کالج کا لیڈی مہاراج سنگھ سوئمنگ پول۔ جس کی خشک تہہ میں جمع ہو کر ہمارے اسکینڈل کلب کی میٹنگ ہوتی ہے۔ اتنے میں گومتی کے قریب والی سڑک پر سے انوری بیگم اور قمر الاسلام آتے دکھائی دیئے۔ دیکھو مسعود بھیا اسے مون لائٹ سیرینیڈ کہتے ہیں۔ میں نے ایک مستعد گائیڈ کی طرح سمجھایا۔ کنور مہندر، بھائی جان اور مسعود بھیا نے اپنی خوبصورت یونانی قسم کی ناکیں سکیڑ کر گویا کچھ سونگھنے کی کوشش کی مسعود بھیا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اور تمھارے یہاں ڈونکی سیرینیڈ کیسا ہوتا ہے۔ بڑا زبردست قہقہہ پڑا۔ ہم ٹہلتے ہوئے ریلوے کراسنگ تک چلے گئے۔ وہاں تاروں پر بیٹھتے ہوئے مسعود بھیا کو دفعتہً جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ اور انھوں نے آہستہ سے کہا۔ لیڈی ویر دینکا۔ نیلوفر چونک پڑی۔ اور پھر ہم سب کو دور ریلوے لائن

کے اس پار گنے کے کھیتوں کے اوپر جھکے ہوئے چاند کے اُجالے میں یاد آیا۔ پورٹ بلیئر میں ایک بار وملا کی سالگرہ کے فینسی ڈریس بال روم میں نیلوفر اٹھارویں صدی کی ایک مغربی شہزادی بنی تھی۔ لیڈی ویر وینکا — می لیڈی — اور ڈھیروں جھالروں اور ربنوں والے وزنی لباس میں چھپی ہوئی چھوٹی سی لیڈی ویر وینکا نے اپنی بڑی بڑی نیلی آنکھیں جھپکا کر شاہانہ وقار سے اپنی پنکھیا ہلاتے ہوئے کہا تھا — لاموسیو — مجھے ماری انطونی کہو۔ اور مسعود بھیّا نے دو زانو جھک کر اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ اور نیلوفر نے اپنی عجیب مضحکہ خیز حماقت آفریں ٹوپی کا پَر چھوتے ہوئے کہا تھا۔ ارے میرے ڈارلنگ لوئی — میرا بھیڑ کا سفید بچّہ تم نے اب تک پیرس سے نہیں منگوایا۔ اور اچھا بھئی اب تم جیسے ایک بیوقوف سے سوئیڈش کاؤنٹ ہو۔ اب تم جھک کر ہکلاتے ہوئے کہو — یور — یور میجسٹی — آپ دُنیا کی خوبصورت ترین ملکہ ہیں"۔

— اور اس وقت چاند کے مدھم اجالے میں ہمیں جزائر انڈمان میں گذارا ہوا اپنا بچپن یاد آ گیا۔ جزیرے میں جو کوئی افسر سمندر پار سے تبدیل ہو کر آتا ہم سب سے پہلے یہ کھوج لگاتے کہ اس کے ساتھ بچے ہیں یا نہیں۔ مسٹر جسپال کے بچّے، ہم بہن بھائی، نیلوفر اور اسکی دونوں بڑی بہنیں۔ اور چیف کمشنر کی لڑکی ایزمی۔ سارے جزیرے میں صرف اتنے بچّے تھے۔ ہم صبح سے شام تک کھیلتے اور لڑتے۔ سہ پہر کو ساحل پر جا کر سیپیاں جمع کرتے۔ ریت کے قلعے بناتے، ایزمی کی

قیادت میں کنارے کنارے تیرنے کی مشق کرتے اور رات کو بیٹھ کر جیومیٹری اور گرامر میں سر کھپاتے ۔ بھائی جان کملا اور وملا کے بڑے بھائی اور ہم سب میں بلند و بالا اور قابلِ قدر ہستیاں سمجھی جاتیں۔ کیونکہ دونوں ہم سے دور سمندر پار کرنل براؤنز میں پڑھ رہے تھے۔ کرسمس اور گرمیوں کی چھٹیوں میں جب یہ دونوں ہندوستان سے پورٹ بلیئر آتے تو ہم سب کو کس قدر خوشی ہوتی تھی ۔ ہم سب کی کوٹھیاں پاس پاس تھیں ۔ لکڑی کے دو منزلہ جاپانی وضع کے سرخ چھتوں اور سبز جنگلوں والے ہمارے پیارے پیارے سے گھر۔ نچلی منزل میں ہماری کوٹھی کی حفاظت کے لئے گارد کے سپاہی رہتے تھے ۔ برساتی کے اوپر سمندر کے رُخ پر بڑے بڑے شیشے کے دریچوں والا ڈرائنگ روم تھا جہاں سے بندرگاہ کی طرف آتے ہوئے جہاز نظر آتے رہتے تھے ۔ رات کو افق کی سیاہ لکیر کے قریب لائٹ ہاؤس کی روشنی جھلملاتی تھی ۔ وہاں رنگوں کی کس قدر فراوانی تھی ۔ گہرا نیلا اور گہرا سبز سمندر، سُنہری ریت ، سُرمئی چٹانیں ، کوٹھیوں کی سُرخ چھتیں ، ناریل کے ہرے جھنڈ ، ساحل پر لہریں مارتی ہوئی نارنجی دھوپ ۔ سفید سمندری پرندے اور ہماری کشتیوں کے سفید بادبان ۔۔ چاروں طرف رنگ ہی رنگ پھیلا ہوا تھا ۔ کاش میں بڑی ہوتی تو ان رنگوں کو سمیٹ کر کینوس پر بکھیر دیتی حدِ نظر تک پھیلے ہوئے لالہ زاروں پر برستی ہوئی دھوپ میں ایسا لگتا تھا جیسے فضا میں آگ لگ گئی ہے اور رنگ برنگے شعلے لپک رہے ہیں۔

ہمارے باغ کی ڈھلوان کے اختتام پر ناریل کے جھنڈ میں چھپی ہو مسٹر جیپال کی کوٹھی تھی۔ جب ابا جان اور انکل جیپال اپنے دفتروں کو چلے جاتے اور ہمیں بادلِ ناخواستہ اپنے اپنے گھروں میں ماسٹروں سے پڑھنا پڑتا اس وقت ٹیلی فون کی شامت آجاتی۔

وملا فون کرتی۔ ایمی تمھارے ٹیڈی بیئر کی طبیعت اب کیسی ہے میری پوسی کو زکام ہو گیا ہے۔ اور شکنتلا نے میرے اسکوٹر کے پہیے توڑ ڈالے ہیں۔ تمھارے مولی صاحب اب تک نہیں سوئے۔

سہ پہر تک یہی ہوتا رہتا تا وقتیکہ ممی کی ڈانٹ نہ پڑجاتی یا مولی صاحب اس شور سے گھبرا کر اپنے مراقبے سے نہ چونک اٹھتے۔ ہمیں اُردو بالکل نہیں آتی تھی۔ ابا جان کو سخت پریشانی تھی کہ اگر یہی عالم رہا تو بچے بالکل اینگلو انڈین بن کر رہ جائیں گے۔

چنانچہ بعید انتظام سے کلکتہ سے ایک سُرخ داڑھی والے مولی صاحب کو پکڑ کر منگوایا گیا تھا۔ اور الٹی میٹم ملا تھا کہ اگر تم نے مولی صاحب کے ساتھ بھی شرارت کی تو یاد رکھو کان پکڑ کر علی گڑھ بھیج دیا جائے گا۔ یہ بات اس قدر خوفناک معلوم ہوئی تھی کہ دل پر جبر کر کے ہم نے اُردو کی گرامر اور آمد نامہ یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے اب تک اچھی طرح یاد ہے کہ جس روز مولی صاحب پہلی مرتبہ آئے تو انھوں نے قرآن شریف شروع کروانے سے پہلے بعید سنجیدگی سے پوچھا بی بی تم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتی ہو یا ہاتھ باندھ کر۔ ہم نے بتایا کہ ہم

نماز ہی نہیں پڑھتے۔ اتنے چھوٹے سے تو ہیں کیسے پڑھیں۔ پھر انھوں نے پوچھا۔ اچھا تمھاری ممی کس طرح پڑھتی ہیں۔ جواب ملا۔ معلوم نہیں۔

انھوں نے پریشان ہو کر آبا جان سے اس مسئلے پر رجوع کیا روزانہ ہمیں آٹھ بجے ہی سونے کو بھیج دیا جاتا۔ لیکن ہفتے اور اتوار کی رات، ہمارے لئے گالا نائٹ ہوتی تھی۔ کیونکہ اس روز ہم سب کے امّی اور آبا جسٹریرہ نکوبار کے کلب سے بہت رات گئے واپس آتے۔ ان کی غیر موجودگی میں بچّوں کی حفاظت کے لئے گارد دوہری کر دی جاتی تھی۔ اور ہم سب کو جمع کر کے شکنتلا یا ایزمی کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ ہم لوگ جی بھر کے شور مچاتے۔ اندھیرے کمروں، گیلریوں اور زینوں میں چھپ کر آنکھ مچولی کھیلتے۔ اس قدر زور زور سے گاتے کہ پیانو کے پردے ٹوٹتے ٹوٹتے رہ جاتے۔ اور پھر ایک روز ہم نے سنا کہ ہماری اس جنّت میں ایک اور فرشتے یا شیطان کا اضافہ ہونے والا ہے۔ میں باغ کی سیڑھیوں پر بیٹھی فرنچ گرامر یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ نیلوفر بھاگی بھاگی آئی اور اپنی نیلی آنکھیں پوری طرح کھول کر بولی۔ ایی آج صبح جو بہت لمبا سا سفید جہاز سنگاپور سے آیا ہے اس میں سے ایک کرنل صاحب اترے ہیں۔ ان کی بیوی انگریز ہیں۔ اور دو بچّے ہیں۔ اور وہ سب اس وقت انکل جیپال کے یہاں چائے پی رہے ہیں۔ میں

نے کتاب وہیں سیڑھیوں پر چھوڑ دی ۔ اور ہم دونوں باغ کے نشیب کا فاصلہ پھلانگتے ہوئے انکل جیپال کے یہاں پہونچے ۔ ہمیں آتا دیکھ کر کملا اسی رفتار سے دوڑتی ہوئی برآمدے کے سبز جنگلے پر سے کود کر ہماری طرف بھاگی ۔" ہمارے دو ساتھی اور آ گئے ۔ دونوں پوری طرح شیطان ہیں ۔ اور وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ اسکیٹنگ اور تیرنے کے مقابلے میں وہ ہم کو ہرا دیں گے ۔"

" لیکن کملا ـــ ان کے ڈیڈی بھی دُم والا کوٹ پہنتے ہیں نا ۔" میں نے کچھ سوچ کر پوچھا ۔ کیونکہ ابا جان شام کے وقت دُم والا سیاہ کوٹ پہن کر اپنی موٹر بوٹ میں بیٹھ کے نکوبار کے جزیرے کی طرف جایا کرتے تھے ۔ جہاں کلب تھا ۔ جس میں ہر وقت موسیقی گونجتی رہتی تھی ۔ اور جہاں رات گئے تک خوب تیز روشنی رہتی تھی ۔ اور میرا خیال تھا کہ دُنیا میں صرف دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ۔ وہ جو شام کو دُم والا کوٹ پہنتے ہیں جیسے انگریز چیف کمشنر، ابا جان اور انکل جیپال اور نیلوفر کے ڈیڈی ۔ اور دوسرے وہ جو دُم والا کوٹ نہیں پہنتے ۔ کیوں نہیں پہنتے ؟ یہ سوال میرے دماغ میں نہیں آسکا تھا ۔ اور نہ یہ کہ ان دوسرے قسم کے لوگوں کے بچّوں کے ساتھ کھیلنے کی ہمیں اجازت کیوں نہیں ملتی ۔

اور ان دونوں بچّوں کی وجہ سے ہماری زندگی زیادہ دلچسپ بن گئی ۔ ممّی کے بہن بھائیوں کی قوم سارے ہندوستان میں

پائی جاتی ہے ۔ یہ دونوں بھائی بھی کسی رشتے سے بالکل ہمارے فرسٹ
یا سکنڈ کزن ثابت ہو گئے ۔ ان کی ممی یعنی ہماری خالہ کا انتقال ہو چکا ہے
اور ان کے ڈیڈی نے ایک انگریز خاتون سے شادی کر لی تھی ۔ اور
چونکہ وہ ممی کے بھانجے تھے ۔ لہٰذا وہ ان کی نگہداشت اور خاطر مدارات
کی خود ہی انچارج مقرر ہو گئیں ۔ وہ جتنی بھی شرارتیں کریں اور
ہمیں تنگ کریں سب بجا اور روا تھا ۔ کیونکہ دُکھیا بن ماں کے
بچے ہیں ۔ مسعود بھیا ہم سب اور ہمارے سمندر پار والے بھائیوں سے
بھی عمر میں بڑے تھے ۔ بیک وقت بحید سنجیدہ اور بحید شریر ۔
ہر بات میں ہم سب کو بوس کرتے تھے ۔ اور ہم اپنی عافیت اسی میں
سمجھتے تھے کہ ان کا ہر حکم چپکے سے مان لیں ۔ ایک روز مسعود بھیّا
کی شرارتوں سے عاجز آکر دملا اور میں نے آنکھوں میں آنسو بھر کے دعا
مانگی تھی ۔ کہ اللہ کرے بھیّا جلدی سے دہرہ دون سے آجائیں ۔
پروہ آپ کے سارے مظالم کا انتقام لیں گے ۔ لیکن بدقسمتی سے
اگلی چھٹیوں میں ہمارے بھائیوں میں جہاز سے اترتے ہی مسعود بھیّا
سے اس قدر گہری دوستی ہو گئی کہ ہمیں بھی انتقام سے ناامید ہونا پڑا ۔
اور اس طوفانی بچپن کے دن تیزی سے پرواز کرتے رہے ۔
چند سال بعد آبا جان اور انکل جسپال کا تبادلہ ساتھ ساتھ پھر
ہندوستان کا ہو گیا ۔ ایزی ہمارے آنے کے کچھ عرصے بعد انگلستان
واپس چلی گئی ۔ مسعود بھیّا بھی جانے کہاں گئے ۔ اور بچاری نیلوفر

جزیرے میں اکیلی رہ گئی۔

پورٹ بلیئر سے آنے کے بعد ہم ان سب کو بھول گئے۔ ہندوستان واپس آکر شکنتلا، کملا، وملا اور میں دہرہ دون کے کانونٹ میں پڑھنے لگے۔ پھر ریٹائر ہونے کے بعد آبا جان ہماری اعلیٰ تعلیم کے خیال سے لکھنؤ میں رہنے لگے۔ اسی دوران میں انکل جے پال کا تبادلہ الہ آباد سے لکھنؤ کا ہو گیا۔ اور ہم سب ساتھ ساتھ ہی کالج اور یونیورسٹی کی مختلف کلاسوں میں داخل ہوئے۔ اور بڑے ہو کر تو ہم سب اس قدر تیز نکلے کہ خدا کی پناہ۔ شکنتلا اور کملا بی اے۔ ایم۔ اے ایل ایل بی سب امتحانوں میں فرسٹ آتی چلی گئیں۔ تقریری مقابلوں میں ڈھیروں کپ جیت ڈالے۔ کملا اور وملا نے اودے شنکر کے وہاں جا کر کلاسیکل رقص میں مہارت حاصل کر لی۔ کملا انٹرورسٹی تقریری مقابلہ میں علی گڑھ جا کر ایک بڑی سی چاندی کی مسجد اٹھا لائی۔ اور میں نے تصویروں کے کینوس تہہ کر کے افسانے جو لکھنے شروع کئے تو سب گھر والوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔ افوہ، ذرا سوچو تو سہی، بی بی گھر سے باہر کی دنیا میں افسانہ نگار مشہور ہیں۔ اور کھانے کی میز پر اس قدر شور مچتا۔ میں بچاری سب سے لڑتی کہ بھائی قسم خدا کی میں اتنے اچھے افسانے لکھتی ہوں

ابھی یہ دیکھئے "ادب لطیف" اور "ساقی" کے ایڈیٹروں کے خط آئے ہیں کہ سالنامے کے لئے مضمون بھیجئے۔ اور وہ قہقہہ پڑتا کہ رونا آجاتا۔

ایک روز میں نے بیحد خوش ہو کر چائے کے وقت سب کو یہ خبر سنائی کہ بھئی ہمارا مجموعہ شائع ہو رہا ہے۔ کسی کو یقین ہی نہ آئے بھائی جان کے ایک دوست نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا کہ کتاب کے ساتھ ساتھ ایک شرح بھی چھپوا لیجئے تاکہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں آجائے کہ آپ نے کیا لکھا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ہم سب اس قدر انٹلکچوئیل بن گئے کہ افوہ — ہمارا اپنا فلسفہ تھا۔ اپنی زندگی تھی۔ اپنا مخصوص ماحول اپنی مصروفیتیں۔ اور زندگی بڑے سکون اور اطمینان سے گزر رہی تھی — ہم گھنٹوں ٹینس کھیلتے۔ کالج کے سوئمنگ پول میں تیرتے، کالج کے ڈراموں — اور رقصوں کی مشق اور ریڈیو پروگراموں کی ری ہرسل کرتے۔ Scandal mongering کی جاتی۔ رات کو آپا جان کے ساتھ بیں دیر تک اقبال کی شاعری اور دُنیا جہان کی باتوں پر بحث کرتی رہتی — آپا جان میرے بہترین دوست تھے —

— لیکن ایک موقع ایسا آیا کہ مجھے اور کملا کو اپنا — Con fusionism کا سارا فلسفہ بھول جانا پڑا۔ زندگی کے متعلق ہمارے اصول اور نظرئیے بالکل غلط اور بیکار ثابت ہوئے — ہم نے تجزیہ نفس کے سارے تجربے پڑھ ڈالے — پر کچھ فائدہ نہ ہوا —

— کیونکہ نیلوفر کی نیلی آنکھوں میں آنسو جھلملا اٹھے — کس قدر

چُغد ہو۔ میں نے انتہائی بیزاری کے ساتھ کہنا چاہا۔ محبت ——
محبت جو ابلیس کی طرح جنت سے جہنم میں پھینک دی جاتی ہے۔
اور دھندلکوں میں بھٹکے ہوئے وہ احمق راہی جو سایوں کے پیچھے بھاگتے
ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کے دیوتاؤں کے پیر مٹی کے ہیں۔
میں نے سوچا کہ ان الفاظ کے ذریعے نیلوفر کے سر میں عقل واپس
آجائے گی لیکن اس کی آنکھوں میں پانی اسی طرح مچلتا رہا۔

——— اور اسی وقت فون کی گھنٹی ٹھر"ا اٹھی۔ مسعود
بھیا کو علیحدہ کوٹھی مل گئی تھی۔ اور وہ ہمارے یہاں سے جا چکے
تھے۔ لیکن مس عثمانی برابر فون کئے چلی جا رہی تھیں۔ یا اللہ لوگ ——
اس قدر گدھے الو کیوں ہیں۔

آج پہلی مرتبہ مس عثمانی سے میرا سابقہ پڑا۔ ادھر سے آواز
آئی۔ ہلو! آپ کہاں سے بول رہی ہیں۔ جی میں یلدرم کے گھر سے
بول رہی ہوں۔ ۲۱ فیض آباد روڈ۔ فرمائیے ——— ار ———
مسعود امام صاحب ہیں؟

غصہ کے مارے جی چاہ رہا تھا کہ بس زبیدہ عثمانی مر جائیں۔
یا میں مر جاؤں اسی وقت۔

ادھر سے پھر آواز آئی " اور آپ یلدرم صاحب کی صاحبزادی
ہیں! جی اس خاکسار کو آپ سے فون پر نیاز حاصل کر کے بے حد قلبی
مسرت ہوئی "۔ میں نے انتہائی مری ہوئی آواز میں کہا۔

آپ ازابلا تھوبرن کالج میں پڑھتی ہیں نا ؟

جی ۔ میں نے جواب دیا ۔

ہی ہی ہی ۔ مجھے تو آپ سے ملنے کا بیحد اشتیاق ہے ۔ آپکو تو میں کہیں دیکھ بھی چکی ہوں ۔ اور آپ کی آواز بھی بیحد مانوس سی معلوم ہو رہی ہے ۔ ریڈیو پر تو اکثر آپ کی آواز سنتی ہوں ۔ بیحد سوئٹ آواز ہے آپکی ۔

جی ۔ میں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا ۔ لیکن ان کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی ۔۔۔ ار ۔۔۔ وہ آپ کے بھائی ۔ یعنی کہ وہ اس وقت گھر پر موجود ہیں ؟

جی نہیں ۔ میں نے فون بند کرنا چاہا ۔ لیکن وہ پھر بولیں :۔ کہاں گئے ہیں ؟ دلکشا کلب تو نہیں ؟ اوہو تو ضرور ادادھ جیم خانہ گئے ہونگے آج وہاں غوث کا سیمی فائنل ہے یا چھتر منزل کلب ۔۔۔ آنڈیا کافی ہاؤس تو آج نہ گئے ہونگے ۔

جی ۔۔۔ میں نے جل بھن کر جواب دیا ۔ میں کیا بتاؤں، آپ کو خود ہی معلوم ہے کہ انھیں کہاں کہاں پایا جاسکتا ہے ۔

جی ۔۔۔ جی ہاں ۔۔۔

واقعہ یہ ہے مس عثمانی ۔۔۔۔ میں نے کھنکار کر کہنا شروع کیا کہ مسعود صاحب کو کوتوالی لے جایا گیا ہے ۔

ایں ۔۔۔

جی ہاں ۔ دراصل ان کے پیچھے وارنٹ نکلا ہے ۔ کیونکہ وہ الہ آباد سے کلکٹر کے یہاں کے چاندی کے چمچے چرا کر بھاگے ہیں ۔ اور یہاں بھیس بدل کر گھوم رہے ہیں ۔ وہ جوائنٹ مجسٹریٹ وغیرہ کچھ نہیں ہیں بلکہ فیض آباد میں جوتوں کی دکان کرتے ہیں ۔ اور مس عثمانی بات یہ ہے کہ ــــــ

دوسرے سرے پر کھٹ سے ریسیور رکھ دیا گیا ۔

مجھے ساری دنیا پر غصہ آ رہا تھا ۔ نیلوفر اور زبیدہ عثمانی ۔ اور وہ سب کے سب کمبخت جن کی عقلیں خراب ہو گئی ہیں میں نے اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی جگمگاتی جاگتی بیوقوف دنیا کو دیکھا ۔ سامنے درختوں کے اندھیرے کے پار کالج کے اونچے اونچے مرمریں ایوانوں میں کرسمس کیرل گائے جا رہے تھے ۔ سڑکوں پر شور مچاتی ہوئی لمبی لمبی چمکیلی موٹریں بھاگ رہی تھیں ۔ ندی کے اس پار کافی ہاؤسوں کی فضائیں دہک رہی تھیں ۔ اور نیلوفر اپنے ہوسٹل کے ڈرائنگ روم میں پیانو بجا رہی تھی ۔

لیکن پھر دنیا کی حماقتوں اور کمزوریوں پر غصہ آنے کی بجائے مجھے ان بیوقوفوں سے ہمدردی سی ہو گئی ۔ اور میں نے سوچا کیوں نہ ان چیزوں کو فراخدلی سے دیکھا جائے ۔ کیونکہ سوئمنگ پول کے اسکنڈل کلب میں ایک روز یہ انکشاف ہوا کہ سر رحمٰن کی جو نارنجی بالوں والی لڑکی لوریٹو کانونٹ میں پڑھتی ہے مسعود بھائی سے کرسمس میں اس

کی شادی ہو رہی ہے۔

۔ خداؤں کے یہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے رقصاں ساعتوں کے ساتھ ساتھ ناچتے ہوئے وہ کھلے سبزہ زاروں میں نکل گئے۔ لیکن جب وہ ستارۂ سحری کی کلیاں جمع کر کے واپس آئے تو انھوں نے جنگل کے دیوتاؤں کو وہاں نہ پایا۔

ریڈیو پر رقص کے نئے ریکارڈ بج رہے تھے۔ اور بھائی جان نے جو اس وقت موڈ میں تھے کہا۔ آؤ بی بی تمھیں نئے steps سکھائیں ہم حسب معمول برآمدے کے فرش پر رقص کرنے لگے۔ اونہہ ٹھیک سے قدم رکھو۔ بھائی جان نے ڈانٹا۔ وہ سکھاتے سکھاتے تھک گئے لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر ایک دم سے انھیں کچھ یاد آگیا۔ تمہاری دوست کا رومان کیسا چل رہا ہے۔ ہاں اس پر خیال آیا۔ ابھی جب میں دفتر سے آرہا تھا تو مسعود سر رحمٰن کی پیکارڈ میں لا پلاز کی طرف جاتا نظر آیا تھا۔ میرا دل ڈوب سا گیا۔ اور بھائی جان کہہ رہے تھے بے ایمان کہیں کا۔ فلرٹ ہے بالکل۔ ارے کل اتوار ہے۔ مجھے میگزین سیکشن کی تیاری کرنی ہے۔ اور وہ برآمدے کے فرش پر سے کود کر برساتی میں رکھی ہوئی سائیکل پر بیٹھے اور پھاٹک سے باہر نکل گئے۔ میں انھیں سرو کے درختوں کے پیچھے اوجھل ہوتا ہوا دیکھتی رہی۔ اور مجھے یاد آیا۔ پائنیر کی عظیم الشان امریکن وضع کی عمارت کے نیچے برساتی میں ہم نے پہلی مرتبہ مسعود بھائی کو دیکھا تھا جو اسٹیشن سے

سیدھے بھائی جان کے پاس آگئے تھے۔ اور وہاں سے ہمارے ساتھ گھر آئے تھے۔ اور خداؤں نے چپکے سے نیلوفر سے کہا تھا۔ یہ وہی ہے یہ وہی ہے جس کے لئے زندگی منتظر تھی۔

— اور نیلوفر سوچتی رہی — شہد کے جنگلوں کا دیوتا شفق زاروں میں شاید اب بھی موجود ہے — ابدی اور مرا ہوا۔ میرے اللہ کس قدر شاعری کی حد تک احمقانہ خیال تھا۔

ایک بہت طویل راستہ ہے — اندھیرا اور خاموش۔ اور اس کے کناروں پر دور دور پرستان کے چھوٹے چھوٹے شہر جگمگا رہے ہیں۔ اور اس راستے کے اختتام پر کسی جگہ وہ اس کا منتظر ہوگا — لیکن اس کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ آگے چلی جائے گی — اور اس کے خواب پیچھے پڑے رہ جائیں گے — اور ڈورس فون پر کہہ رہی تھی اپنی نیلوفر کی پتنگ کٹ گئی — بھئی خدا کے لئے چپ رہو۔ میں نے انتہا سے زیادہ اکتا کر کہا — وہ بولتی رہی — نکہت رحمٰن کی شادی ۲۳۔ دسمبر کو ہو رہی ہے — بتاؤ کیا پہنیں گے — میں تو روپہلی لشنو کی ساڑھی پہنوں گی — اور کملا سرخ مدراسی ساڑھی پہن رہی ہے اور پھر ہم دیر تک کپڑوں اور زیوروں کے متعلق طے کرتے رہے —

— اور نیلوفر پیانو کے پردوں پر زور سے انگلیاں پٹخ کر کھڑی ہو گئی — وہ — تم یہی کہو گی نا کہ کیا حماقت ہے — تمہارا یہ فلسفہ کہ دنیا کی ہر بات حماقت ہے۔ سب سے زیادہ عقلمند

بس آپ ہی ہیں ۔ میں تھک گئی ہوں اس فلسفے سے تمھارے ۔
یہ تو ہوئی —— میں نے کہا ۔ ایک بزرگوار کا جنھیں آپ نے کہیں بچپن میں دیکھا تھا ۔ اپنے خیالوں میں آپ نے ایک انتہائی رومینٹک کردار بنا لیا ۔ اور اب ان کی شادی آپ سے نہیں بلکہ کسی اور لڑکی سے ہو رہی ہے ۔ یعنی ایک بہت ہی میٹر آف فیکٹ واقعہ ——

—— لیکن ریڈیو گرام پر وہ پُر اثر نغمہ بجتا رہا ۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مرمریں ایوانوں میں رہتی ہوں —— اور میں نے محسوس کیا کہ میں واقعی تھک گئی ہوں ۔ اسے کس طرح یقین دلاؤں کہ یہ سب کچھ سچ مچ کی حماقت ہے —— وہ کیوں نہیں دیکھتی کہ ہم سب اپنے آپ سے کس قدر مطمئن اور خوش ہیں ۔

اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی دُنیا جو خواب نہیں دیکھتی کیسی پُرسکون اور فارغ ہے —— سوتے ہوئے بوڑھے ، روتے ہوئے بچے ، بارش کے بعد کا آسمان ، موسم خزاں کے ویران راستے دریچے کے نیچے بکھرے ہوئے زرد اور سُرخ پتے ۔ سرما کی راتوں میں آتشدان کے پاس قہوے کی دلنواز بھاپ ۔ اور دوستوں کے قہقہے ۔ مگر نیلوفر نہ سمجھ سکی —— اور ریڈیو گرام چیختا رہا ۔

—— پھر مجھے ریوپرٹ بروک کی ایک نظم یاد آئی ۔ خداؤں سے انتقام لینے کے لئے وہ اُن کے آتشیں تخت کے قریب گیا ۔ لیکن

وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جنّت کے سارے ایوان خالی پڑے ہیں
اور فضاؤں میں صرف ایک آواز باز گشت کی گونج بتر رہی تھی ۔
اور بارگاہِ خداوندی میں گھاس اُگ آئی تھی ۔ اور خالی تخت کے
چاروں طرف ہوا کا ایک بھولا بھٹکا جھونکا کاہلی سے منڈلا رہا تھا۔
جس سے ایوانوں کے پردے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے ۔
اور ہوا کے اس جھونکے نے مرے ہوئے خداؤں کی خاکستر خلائے
بیکراں میں منتشر کر دی تھی ۔

___ کتنی جلدی یہ سب کچھ ختم ہو گیا ۔ اور جب سرما کی اس
جگمگاتی ہوئی شام کے اختتام پر شادی کے ایٹ ہوم کے بعد ہم
لاپلا زسے واپس آ رہے تھے تو دفعتہً میں نے محسوس کیا کہ زندگی کے
راستوں کی قندیلیں بجھ گئی ہیں ۔ اور ستارے دُھندلے پڑ گئے
ہیں ۔ اور وہ واقعی اکیلی رہ گئی ہے ۔ اور ہمارے قریب سے
بارش کے چھینٹے اُڑاتی سر رحمٰن کی پیکارڈ تیزی سے گذر گئی ۔ اور
ہم نے دیکھا کہ وہ دونوں اپنے نئے گھر اپنی نئی زندگی کی طرف جا رہے
تھے ۔ اور کار مال پر بڑھتے ہوئے کُہرے میں کھو گئی ۔ اور میں نے
خود کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہوئے پھر دُعا مانگی کہ کاش وہ
سمجھ سکے، کاش وہ سمجھ سکے، کاش وہ سمجھ جائے ۔ اور اس نے مُڑ کر
دیکھا، اس کا خیال تھا کہ محبت گرتی پڑتی اس کے پیچھے بھاگتی آ رہی ہے
لیکن وہاں پر صرف ستاروں کا دُھندلکا تھا ۔ اور سرما کی بارش کے

ٹھنڈے قطرے تھے ۔ اور کہر آلود برفانی ہوائیں تھیں ۔کیونکہ محبّت کب کی مر چکی تھی ۔

۔۔ اور اس نے قہقہہ لگا کر اپنے پرانے انداز میں کہا "ٹھیرو بچّیو ۔ ڈورس ، اینی ، کملا ، وملا ، مہ جبیں میں تم سب کے ساتھ کافی ہاؤس آرہی ہوں ۔"

طغیان — اصنام خیالی

[مجلد مع خوشنما سرورق]

بنگال کے شعلہ بداماں ادیب قاضی نذرالاسلام
کے بہترین اور لاجواب افسانوں کا دلکش
مجموعہ! ان افسانوں کو پڑھ کر معلوم
ہوتا ہے کہ محبت کتنی بری بلا ہے اور دل
کی چوٹ کتنی ظالم ہوتی ہے۔ یہ افسانے
عشق اور جوانی کی کامرانیوں اور ناکامیوں
کے دل دوز مرثیے ہیں۔ زندگی کی رنگینیوں
اور تلخیوں کی ہو بہو تصویریں ہیں۔
ان افسانوں میں غریبی و غلامی
کے دل ہلا دینے والے مناظر ہیں۔ نیز وہ
للکاریں ہیں جو سوئے ہوئے شیر دل کو
جگاتی ہیں۔ اور وہ فریادیں ہیں جو دل و
دماغ کو برماتی ہیں۔
یہ افسانے اس باغی ادیب کے قلم سے ہیں جو
صاف گوئی اور آتش بیانی کے سبب کئی بار جیل جا چکا ہے
اور جس کی متعدد تصانیف [illegible] چکی ہیں۔ بترجمہ [illegible] قیمت عا

پروفیسر جلیل احمد قدوائی ایم اے ان چند ادیبوں
میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روسی اور
فرانسیسی افسانوں کو ہم سے روشناس کرایا۔ ان کے
تراجم اردو کے افسانوی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔
ایک تو اس لئے کہ ان کے ترجمے مغرب کے فنکاروں کے
بہترین فن پارے ہیں۔ دوسرے ان افسانوں نے
ہندوستانی افسانہ نگاروں کو ایک نئی راہ دکھائی
اور ایک نیا اسلوب سکھایا۔ "اصنام خیالی" [illegible]
کے ہی ایک رنگ سے زائد افسانوں کا مجموعہ ہے
جنہیں ترگنیف چیخوف اور موپساں کے علاوہ
خود ان کے وہ طبعزاد افسانے شامل ہیں جو افسانہ
نگاری کے جدید ترین اصولوں کے مطابق لکھے
گئے ہیں۔ اس مجموعے کی خوبی کا سب سے بڑا
ثبوت یہ ہے کہ پروفیسر محمد مجیب بی اے (آکسن)
نے اس پر معرکہ آرا مقدمہ لکھا ہے جو اردو افسانہ نگاری
اور اس کے عروج و ارتقا کی داستان ہے۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ:- خاتون کتاب گھر ـ دہلی

تصانیف صادق الخیری ایم۔ اے

شمع انجمن بقول "نفکار" "اُردو کے جرّاح ادیب اور سحر نگار مترجم" جناب صادق الخیری کے سولہ بیباک افسانوں کا خوبصورت مجموعہ ہے دوسرا ایڈیشن قیمت عہ

دھنک اس مجموعہ میں سات دلولہ انگیز رومان شامل ہیں۔ قوس و قزح کی طرح رنگین اور پھولوں کی مانند شاداب۔ انہیں اُردو کا وہ معرکہ آرا طویل رومان بھی شامل ہے جسے ادب عالیہ مدانشاپردازی کا شہپارہ قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرا ایڈیشن۔ قیمت دو روپے۔

بلقیس پاکیزگی خیال اور رعنائی بیان ان افسانوں کی خصوصیت ہے۔ نیک تمنائیں اور معصوم جذبات شریف گھرانوں میں کس طرح پروان چڑھتے ہیں یہ آپ بلقیس میں دیکھئے دوسرا ایڈیشن قیمت عہ

سفینے بڑے سائز کی اس ضخیم کتاب میں ملک ملک کے شیریں و لطیف قصے اور دیس دیس کی نئی و ترقی پسند کہانیاں ہیں مشرق و مغرب کے بڑے بڑے مصنفوں کے یہ افسانے صادق الخیری نے ایسی بیباکی سے ترجمہ کئے ہیں کہ بالکل طبعزاد معلوم ہوتے ہیں۔ قیمت عہ

دوشیزۂ صحرا عرب کے لق و دق صحرا میں محبت کا ایک پھول کھلا۔ نہایت دلفریب لیکن نہایت زہریلا۔ دوشیزۂ صحرا اسی گلبدن کی حسین داستان ہے جس کے لبوں پر الفت کی آہیں اور آنکھوں میں قتل و غارت کے اشارے تھے۔ دوسرا ایڈیشن قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

شمع فروزاں ایک باوفا عورت کی داستان جو شمع کی مانند جلتی رہی۔ ایک بے حیا مرد کا قصہ جو ظلم و ستم کے تیر چلاتا رہا مصنف پرل بک دوسرا ایڈیشن قیمت عہ

ناشر:- **خاتون کتاب گھر اردو بازار۔ دہلی**

(مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی)